خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اکیسویں صدی کا منفرد ماہنامہ

ردا ڈائجسٹ

MAY
2014

ماڈل: مہوش آفتاب
میک اپ: روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی: موسیٰ رضا

ردا ڈائجسٹ

چیف ایڈیٹر

صالحہ محمود

ایڈیٹرز

سدرہ محمود جعفری

نائبہ ایڈیٹر، فراز جعفری

E-Mail: farzjafri@aol.com

نائبہ UAE، عمیر علی جعفری

Mail: [illegible]

نائبہ لندن، شبانہ آصف خان

نمدو کی لائبریری اینڈ فریمنگ پوائنٹ

ساؤنڈ سسٹم اور جلد سازی کی سہولت موجود ہے

[illegible] ڈائجسٹوں کی خرید و فروخت کی جاتی ہے

[illegible] صدر بازار ہری پور

گوشہ آگہی — صالحہ محمود — ۶

مکمل ناول

دلوں کا مل کر بچھڑنا — نزہت ناز — ۱۲
اعتبار بھی آ ہی جائے گا — سباس گل — ۱۷۸

ملاقات

زوہا حسن — روحان دانش — ۹

ناولٹ

رحمت یا زحمت — مصباح مسکان — ۴۴

سلسلے وار ناول

جو عشق میں بیتی وہ عشق ہی جانے — نائلہ طارق — ۱۵۴
بند قباء کھلنے لگی — سعدیہ عابد — ۱۳۰
تجھ سے مانگوں میں تجھ کو — شازیہ مصطفیٰ عمران — ۹۸
تیرے پیار کی خوشبو — قمروش شہک — ۶۸

افسانے

میری الفت میرا سایہ — مہک گل — ۶۲
مری خطائیں — اقراء چنا — ۸۸
زندگی — حیا بخاری — ۹۲
جنت — مون شاہ — ۱۱۴
عشق کے رنگ ہزار — مہر بھٹی — ۱۱۸
زندگی پانی کا بلبلہ — افشاں علی — ۱۵۰
ہم ٹھہرے تہی داماں لوگو — حنا اصغر — ۱۷۲

مئی 2014ء
جلد نمبر 19 شمارہ نمبر 5
قیمت 60 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
720 روپے

34535726

پبلشر و ایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی

انتباہ:-
ماہ نامہ "ردا" ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل یا ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار کسی بھی ناول کی اشاعت پر ادارہ چوری کی ایف آئی آر درج کرا دے گا اس لئے پبلشر سے اجازت لینا ضروری ہے ادارہ "ردا پبلیکیشن"۔

مستقل سلسلے

ردائے جنت — صالحہ محمود — ۷
ردا کی ڈائری — صدف سعد — ۱۹۵
ذرا پھر سے کہنا — شہلا مشائق — ۲۰۶
خوشبو — نورین ملک — ۲۰۳
اس ماہ میں — نورین ملک — ۲۲۰
نقش فریادی — صدف سعد — ۲۲۱
سندیسے — صالحہ محمود — ۲۱۰
کچن — ثریا اقبال — ۲۲۲
سنگھار — شہلا مشائق — ۲۲۵
اشعار — نورین ملک — ۱۹۷
ردا کی شہزادیاں — حورینہ سعد — ۲۱۶
دوستوں کے نام — عائشہ حمد — ۲۱۹

گوشۂ عافیت

سہ پہر کا وقت ہے چلچلاتی ہوئی دھوپ ہے لیکن سایۂ شجر پر چہچہاتے ہوئے پرندوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے رہنے سہنے کا کتنا خوبصورت بندوبست بنادیا، ہم تو انسان ہیں اپنی سہولت کے مطابق آشیانے ڈھونڈ لیتے ہیں، ہوا میں پر پھیلائے پرندے یہ انسان کی سوچ کے محور ہیں، لیکن بندہ بشر کبھی اپنے ہی خدوخال نہ دیکھ سکا تو دوسرے کے حسب اور نسب میں کیا جھانک سکے گا؟

آپس کی ہی نااتفاقیوں نے انسان کے دلوں میں نفاق پیدا کردیا ہے، حکومت اور عوام الگ الگ ہیں، اس آپا تھاپی کے دور میں کوئی کسی کا نہیں، حادثات ہوتے ہیں، ذمے داری خود پر نہیں دوسروں پر ڈال دی جاتی ہے، یہ ڈھنگ اور چال چلن، سیاستدانوں کے ہیں۔ ایک دوسرے پر الزام ڈالتے ہیں، موقع واردات کی تحقیقات نہیں کرواسکتے۔ پس پردہ ہر چیز چلی جاتی ہے۔ حامد میر پر قاتلانہ حملہ صحافت پر ایک بزدلانہ حملہ ہے، ایک بے باک صحافی کو خاموش کردینے سے علم کی شمع کبھی نہیں بجھ سکے گی، گولیوں کا نشانہ بنانے والے یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ کوئی کسی کے لیے نہیں رُکتا، ایک صحافی جائے گا تو اس کی جگہ دس حامد میر آجائیں گے، تم کس کس کو گولیوں کی زد پر رکھو گے؟ اپنے دلوں کے نفاق کو چھپانے کا کوئی انداز تو ہو، یوں کسی کو خاموش کروادینا بہادری کی دلیل نہیں، اسلام اس طرز عمل کو اور اس پھیلتی ہوئی دہشت گردی کو نفاق سے تعبیر کرتا ہے۔ انسان کی شدید اخلاقی پستی کا یہ عمل ہے کسی کو قتل و غارت گری سے آپ مٹا نہیں سکتے۔ موردِ الزام ٹھہرانے کا عمل بھی دوغلے پن کی نشانیوں میں آتا ہے حاکم وقت کو چاہیے کہ اس سانحے کی مذمت نہیں انکوائری کرائی جائے۔ مخالفین اور منافقین کا یہ طرز عمل ہے کہ کھل کر سامنے نہیں آتے۔ قرآن پاک میں ان اخلاقی پستیوں کے اسباب کو ناحق انسان کے خون بہانے کے عمل کو پسند نہیں کیا گیا، دراصل یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں ارشاد ہے:

''جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں اور جب تنہائی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں اصل میں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، ان لوگوں سے محض مذاق کررہے ہیں''۔ (البقرۃ۔14)

زندگی کے حادثات جگہ جگہ دکھوں کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں، مجرموں کو دین کے مطابق سزا نہیں دی جارہی، معصوم بچیاں ہوس کا نشانہ بن رہی ہیں، ایک بار بھی اگر کسی مجرم کو عبرت ناک سزا دے دی جائے جرم رک جائے گا، لیکن یہ عمل کون کرائے؟ روم جل رہا ہے اور بانسری کی دھن پر اسمبلیوں میں رقص جاری ہے، نیرو بانسری بجارہا ہے۔

دکھ کے شدید بادل آسمانوں پر ہیں، تپش زمین پر پھیل گئی ہے تھر کے صحرا میں بھوک اور پیاس لب دم آواز دے رہی ہے۔ ہم دعاؤں کے کشکول اٹھا کر پانی کی بھیک ربّ سے مانگ سکتے ہیں۔

سو اپنے ربّ کے آگے سربسجود رہیے، پناہ اور رحمت کے سائے میں ہم اور آپ رہیں، تو اپنے ربّ کو راضی رکھنے کے لیے قرآن سے جڑے رہیے، ردّا میں لکھنے والے رابطہ رکھیں، خاص طور پر نئے لکھنے والے ہمارے سندیسوں کی بزم میں آپ لوگ ضرور شامل ہوا کریں، ہم آپ کے سندیسوں کی رہنمائی میں آگے بڑھتے جارہے ہیں، بڑھنے کا سفر کبھی نہیں رُکتا، آپ کا تعاون ردّا کے لیے بہت اہم ہے اللہ حافظ!

(آپی)

السلام علیکم!

صوبہ پنجاب کے ایجنٹ حضرات متوجہ ہوں، ادارہ ماہنامہ ''رواڈائجسٹ'' نے ٹوبہ ٹیک سنگھ کے نیوز ایجنٹ حاجی محمد یاسین طاہر کو صوبہ پنجاب بالخصوص فیصل آباد ڈویژن و گردونواح کے شہروں میں ماہنامہ ''رواڈائجسٹ'' کی ترسیل (سپلائی کے لیے) سول ڈسٹری بیوٹر نامزد کیا ہے ان شہروں کے ایجنٹ حضرات محمد یاسین طاہر سے موبائل نمبر 0321-7531597 پر رابطہ قائم کریں۔

لائبریری اینڈ فریمنگ پوائنٹ
ساؤنڈ سسٹم اور جلد سازی کی سہولت موجود
نئے اور پرانے ڈائجسٹوں کی خرید و فروخت کی جاتی ہے
دوکان نمبر 93 صدر بازار ہری پور

رواڈائجسٹ

صالحہ محمود

یوم جمعہ کی اہمیت

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''وہ بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے، اسی دن حضرت آدمؑ تخلیق کیے گئے، اسی دن جنت میں داخل کیے گئے اور اسی دن وہاں سے نکالے گئے اور قیامت واقع نہیں ہوگی مگر جمعہ کے دن''۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے دن کا ذکر کیا تو ارشاد فرمایا ''اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ جس مسلمان بندے کو وہ میسر آجائے اور وہ کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہو، تو وہ اللہ سے جس چیز کا سوال کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے ضرور عطا فرمادیتا ہے'' اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اس گھڑی کے مختصر ہونے کا ارشاد فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

جمعہ کے دن کرنے کے مسنون کام

☆ غسل کرنا: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جمعہ کا غسل ہر بالغ شخص پر واجب ہے۔ (بخاری و مسلم)

☆ مسواک اور خوشبو استعمال کرنا: حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بالغ پر جمعہ کے دن نہانا ضروری ہے اور یہ کہ وہ مسواک کرے اور یہ کہ اگر میسر ہو تو خوشبو لگائے۔ (بخاری)

☆ تیل لگانا: حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور جس قدر اس کے امکان میں ہو طہارت کرے پھر تیل لگائے یا اپنے گھر کی خوشبو استعمال کرے، اس کے بعد (جمعہ کی نماز کے لیے) نکلے اور دو آدمیوں کے درمیان (جو مسجد کے اندر بیٹھے ہوئے ہوں) تفریق نہ کرے، پھر جس قدر اس کی قسمت میں ہو نماز پڑھے پھر جس وقت امام خطبہ پڑھنے لگے تو چپ رہے، تو اس کے وہ گناہ جو اس جمعہ اور دوسرے (گزشتہ) جمعہ کے درمیان (ہوگئے) ہیں بخش دیئے جائیں گے''۔ (بخاری)

☆ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا: حضرت اوس بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تمہارے دنوں میں سب سے فضیلت والا دن جمعے کا دن ہے، پس تم اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، اس لیے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

☆ سورۃ الکہف پڑھنا: نبی اکرمؐ نے فرمایا ''جو سورۃ الکہف کی تلاوت جمعہ کے دن کرے گا تو آئندہ جمعہ تک اس کے لیے ایک خاص نور کی روشنی رہے گی''۔ (مستدرک حکم)

نمازِ جمعہ کی فرضیت

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو''۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس پر جمعے کے دن جمعہ پڑھنا فرض ہے سوائے مریض، مسافر، عورت، بچے یا غلام کے، جو شخص کھیلنے یا تجارت میں بے پرواہ ہو،

اللہ بھی اس سے بے پرواہ ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز، تعریف والا ہے۔ (دار قطنی)

نماز جمعہ کی فضیلت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”جس نے وضو کیا اور اچھے طریقے سے وضو کیا، پھر جمعہ پڑھنے کے لیے آیا اور کان لگا کر (خطبہ) سنا اور خاموش رہا، تو اس کے جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کی درمیانی مدت اور مزید تین دن کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں“۔ (مسلم)

نمازِ جمعہ نہ پڑھنے والوں کے لیے وعید

حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے منبر کے تختوں پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”لوگ جمعہ چھوڑنے سے باز آجائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ضرور ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر وہ یقیناً غافل لوگوں میں سے ہوجائیں گے“۔ (مسلم)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا جو جمعہ سے پیچھے رہتے ہیں کہ ”میں نے ارادہ کیا کہ کسی شخص کو حکم دوں جو لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں (جاکر) آگ لگادوں ان لوگوں کے گھروں کو جو جمعہ سے پیچھے رہتے ہیں“۔ (مسلم)

نماز جمعہ کے آداب

☆ وقت پر آنا: عبداللہ بن عمرؓ نے کہا ایک شخص گردنیں پھلانگتا ہوا جمعے کو آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جاؤ، تم نے (لوگوں کو) اذیت دی۔ (ابوداؤد)

☆ بیٹھنے کا طریقہ: حضرت معاذؓ بن انس جہنی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعے کے دن جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو، گھٹنوں کو پیٹ کے ساتھ ملا کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد)

☆ جگہ بیٹھنا: حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص ایسا کرے کہ اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھادے اور خود اس کی جگہ پر بیٹھ جائے۔ کہا گیا کہ (صرف) جمعہ میں؟ فرمایا جمعہ اور اس کے علاوہ (اور موقعوں پر) بھی۔ (بخاری)

☆ خطبے کے وقت خاموشی: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر جمعہ کے دن جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو، پھر تُو اپنے پاس والے سے یہ کہہ کہ چپ رہ تو بیشک تُو نے لغو (بری) حرکت کی۔ (بخاری)

شب جمعہ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، نبی کریمؐ نے فرمایا ”تم جمعے کی رات کو، دوسری راتوں کے درمیان سے قیام (نفلی نماز، وغیرہ) کے لیے خاص نہ کرو اور نہ جمعے کے دن کو، دوسرے دنوں کے درمیان سے، روزے کے لیے خاص کرو، مگر یہ کہ جمعہ اس مدت میں آجائے جس میں تمہارا کوئی آدمی روزے رکھتا ہو۔ (مسلم)

جمعہ کا روز

بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں تنہا جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا گیا سوائے اگر اس کے ساتھ اس سے ایک دن پہلے یا بعد کا روزہ بھی ملا لیا جائے تو پھر حرج نہیں۔

جمعہ پڑھنے کے بعد

ترجمہ: پھر جب نماز ہوچکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا کرو تاکہ فلاح پاؤ“۔ (سورہ جمعہ۔۱۰)

اسلام میں دین اور دنیا کا بہترین امتزاج

”اے ہمارے رب! ہمیں دنیا کی بھلائی اور آخرت کی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے“۔ (سورۃ البقرہ۔۲۰۱)

☆.....☆.....☆

انٹرویو: روحان دانش

ملاقات

ڈرامہ نگار زوہا حسن سے ملاقات

کہانی کار اور قارئین کا رشتہ اٹوٹ ہوتا ہے، ابتداء میں لکھاری اپنی ذاتی تسکین کے لیے لکھتا ہے، مگر اچھی تحریر پڑھنے والوں کے لیے آئینے کا کام دیتی ہے، انھیں اسی میں اپنا آپ دکھائی دیتا ہے، اپنا اردگرد دکھائی دیتا ہے سو وہ اسے سراہے بنا رہ نہیں پاتا، اور یہی پذیرائی لکھاری کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشتی ہے، پھر وہ وقت آتا ہے کہ جب لکھاری نہ صرف اپنے لیے لکھتا ہے بلکہ ان لوگوں کے لیے بھی لکھتا ہے جو اس سے جڑے رہتے ہیں اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے۔

زوہا حسن یوں تو ڈرامہ نگار ہیں مگر ابتداء انھوں نے بھی کہانی لکھنے سے کی، 90 کی دہائی سے ٹیلی ویژن سے وابستہ ہیں، ان کی نوک قلم سے اب تک کئی ڈرامے تحریر ہوچکے ہیں جن میں سے بعض ڈرامے تو بے حد مقبول ہوئے، جن میں ہرجائی، کدورت، محمود آباد کی ملکائیں، کیسے آئے قرار شامل ہیں جبکہ دو نجی چینلز سے ان کے تحریر کردہ ڈرامہ سیریل ”مانگ“ اور ”ہم ٹھہرے گنہگار“ آن ایئر ہیں۔ زوہا حسن سے کی گئی گفتگو قارئین کی نذر ہے۔

✿: لکھنے لکھانے کی طرف کیسے آئیں؟

✿: اکثر لوگ کہتے ہیں کہ انھیں بچپن سے ہی شوق تھا اسی لیے انھوں نے یہ پروفیشن چنا، مگر میرا ماننا ہے کہ خدا کو جب بھی کسی انسان سے کچھ کروانا مقصود ہوتا ہے تو اس میں ایسی صلاحیتیں پیدا کرتا ہے، پھر اسے اس پر اکساتا ہے اور راستے بناتا ہے، میں نے بھی کم عمری سے

لکھنا شروع کیا، پہلی کہانی جب میں نے اپنی ٹیچر کو دکھائی تو انھوں نے حیرت سے کہا ''یہ تم نے لکھا ہے'' وہ دن اور آج کا دن یہ جملہ مجھے بار بار سننے کو ملتا ہے۔

: کیا گھر کا ماحول بھی ایسا تھا جس سے آپ کو مزید ترغیب ملی ہو؟

: کہہ سکتے ہیں یوں ہمارے گھر کا ماحول خاصا مذہبی تھا لیکن میرے بڑے بھائی محسن اسرار جو کہ شاعر ہیں شاعری کرتے تھے جبکہ بڑی بہن ریحانہ کشور کو افسانہ نگاری کا شوق تھا، بہن تو خیر مذہبی ماحول کے باعث اپنا شوق جاری نہ رکھ سکی تاہم میں نے اپنے چھوٹے اور لاڈلے ہونے کا فائدہ اٹھایا پھر میرے ابا کو بھی مجھ سے بے پناہ محبت تھی انھوں نے مجھے بہت سپورٹ کیا آج میں جو بھی ہوں اللہ کے بعد اپنے ابا کی وجہ سے ہوں۔

: شروع میں کیا کچھ لکھا؟ کن رسائل سے وابستہ رہیں؟

: ابتداء میں کہانیاں لکھیں ایڈونچر، سسپنس، کرائم ہارر ٹائپ کی میرے خیال میں، میں واحد خاتون رائٹر ہوں گی جس نے کرائم اور ایڈونچر پر لکھا، افسانے بھی لکھے، رومانٹک بھی اور سنجیدہ بھی، کئی رسائل کے لیے لکھا جن میں ڈائجسٹ زیادہ ہیں۔

: ڈرامے کی طرف کیسے آئیں؟

: میری تربیت میں ریڈیو کا اہم کردار رہا ہے 14 سال کی عمر میں میرے شوق کو دیکھتے ہوئے میرے والد صاحب مجھے ریڈیو پر لے گئے ان دنوں ریڈیو بچوں اور بڑوں میں یکساں مقبول تھا اسی دور میں، میں نے ریڈیو پاکستان پروگرام ورلڈ سروس، اور اسٹوڈیو 9 کے لیے ڈرامے لکھے وہاں بھی کافی سراہا گیا ریڈیو پر ہی محمود علی مرحوم نے مجھے رقعہ دے کر پی ٹی وی میں بھیجا تاہم اس وقت کے ٹی وی کے لوگوں نے کافی ڈس ہارٹ کیا جس کے باعث میں نے لکھنے سے کنارہ کشی کی پھر دو ایک سال کے بعد ڈائجسٹ اور رسائل میں لکھنا شروع کیا پھر ایک ٹی وی ڈائریکٹر تھے انور خان انھوں نے کہیں میرا افسانہ پڑھا، مجھ سے ملے میری تحریر کی تعریف کی ڈرامے کی طرف توجہ دلوائی انھوں نے ہی مجھے قیصر خان نظامانی سے ملوایا جن کے لیے میں نے پہلی ڈرامہ سیریل لکھی۔

: پہلا ٹی وی ڈرامہ کون سا تھا آپ کا جو آن ایئر ہوا؟

: میرا پہلا ڈرامہ قیصر خان نظامانی نے پروڈیوس کیا تھا اس سیریل کا نام ''تڑپ'' تھا جو کہ ایک چینی فراڈ اسٹوری تھی جسے بے حد پسند کیا گیا میرا خیال ہے ایسی کہانی نہ اس وقت لکھی گئی نہ آج تک کسی نے لکھی ہے۔

: زوہا حسن آپ کا اصل نام ہے یا پھر قلمی نام ہے؟

: اصل میں مجھے شروع سے ہی پراسرار علوم سے گہری دلچسپی رہی ہے نمرالوجی سے (علم حروف) واقفیت کے بعد جب میں نے اپنے اصل نام کا تجزیہ کیا اور اپنی تاریخ پیدائش سے ملا کر دیکھا تو وہ بالکل مخالف تھا پھر میں نے خود ہی نمرالوجی کا سہارا لے کر چار دن میں اپنا یہ نام تجویز کیا اور اپنے نام کو تبدیل کر لیا آج یہ نام میرے لیے نہ صرف پہچان کا باعث ہے بلکہ لکی بھی ہے علم حروف کے جاننے والے جیسے چاہیں پرکھیں انھیں کرشمے ہی نظر آئیں گے۔

: علم حروف کے علاوہ آپ کو کن پراسرار علوم میں دلچسپی رہی ہے؟

: یہ پوچھیے کس پراسرار علم سے دلچسپی نہیں رہی، ایسے علوم کو انگریزی میں Occult کہا جاتا ہے جنھیں سائنس تسلیم نہیں کرتی مگر بہرحال یہ زمانہ قدیم سے موجود ہیں مجھے نمرالوجی کے ساتھ پامسٹری، ٹیلی پیتھی، ہپناٹزم میں دلچسپی رہی ہے۔

: کبھی ان پراسرار علوم کو حاصل کرنے کی بھی کوشش کی؟

: جی بالکل، ان کے بارے میں کافی کچھ پڑھا، تجربات بھی کیے لیکن استاد نہ ہونے کی وجہ سے کافی نقصان اٹھایا کیونکہ آپ کو شاید معلوم ہوا ایسے معاملات میں جنات اور بدروحوں کا بھی عمل دخل ہوتا ہے سو میں

نے توبہ کر لی۔

: آپ کے ڈراموں کی کہانی کا محور زیادہ تر عورت ہی کیوں ہے؟

: کیوں کہ یہی آج کل کی ڈیمانڈ ہے ہم سے کہا جاتا ہے کہ ایسی کہانی ہو جس میں عورت ہی عورت نظر آئے، کیونکہ ٹی وی زیادہ تر خواتین ہی دیکھتی ہیں اور لکھنا پڑتا ہے ویسے اگر مجھے چوائس دی جائے تو میں عورت کے خلاف اتنا لکھوں کہ ساری پاکستانی عورتیں میرے خلاف ہو جائیں کیونکہ ہر جگہ عورت ہی مظلوم نہیں ہے مرد بھی مظلوم ہے مگر عورت کو زیادہ مظلوم دکھایا جاتا ہے۔

: تو پھر آپ مردوں پر ہونے والے مظالم پر لکھنا شروع کریں؟

: (ہنستے ہوئے) آپ آج مردوں سے وعدہ لے آئیں کہ وہ عورتوں سے زیادہ ٹی وی دیکھیں گے تو میں آج لکھنا شروع کر دیتی ہوں، بائی داوے... میں عورت کے خلاف نہیں ہوں، میں تو سچائی کی بات کر رہی ہوں ویسے بھی رائٹر صرف رائٹر ہوتا ہے، عورت یا مرد نہیں ہوتا۔

: کیا آپ کا لکھا گیا ڈرامہ آپ کی توقعات کے عین مطابق بنتا ہے؟

: نو... ناٹ ایٹ آل، بہت کم ڈائریکٹرز، رائٹر کی اصل روح کو سمجھ پاتے ہیں ورنہ آج کے مشینی دور میں کسی کو بھی جملہ سمجھنے کا ٹائم نہیں ہے سوائے چند سینئر آرٹسٹ کے جو اسکرپٹ کو سمجھتے ہیں اور کچھ بڑے ڈائریکٹرز ہیں جو کام کی اچھی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔

: ڈرامہ لکھتے ہوئے کوئی مقصد بھی پیش نظر ہوتا ہے؟

: آف کورس ہوتا ہے، کیونکہ میرے لکھے گئے زیادہ تر ڈرامے ہمارے ماحول ہی کی عکاسی کرتے ہیں کوشش تو ہوتی ہے کہ ان سے لوگ کوئی سبق حاصل کریں جتنے لوگ سدھر سکتے ہیں سدھر جائیں ویسے سدھرنا کسی نے نہیں ہوتا۔

: کوئی ایسا موضوع جس پر باوجود شدید خواہش کے نہ لکھ سکی ہوں؟

: جی ہاں، تاریخی ڈرامہ لکھنے کی خواہش ہے کہ ایسا ڈرامہ جس کی کہانی تاریخ سے ماخوذ ہو، یوں تو میں نے ہر طرح کے موضوع پر لکھا ہے۔

: کبھی کوئی ایوارڈ ملا؟

: دو چار بار نامزد تو کی گئی ہوں ایوارڈ کے لیے، مگر ایوارڈ نہیں ملا، آپ کو معلوم ہے کہ آج کل ہر جگہ لابی سسٹم ہے اور ایوارڈ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کسی نہ کسی لابی کا حصہ ہوں، جبکہ میں نے ہمیشہ خود کو لابی سسٹم سے دور رکھا ہے میں سب کے لیے ہوں سب میرے لیے ہیں۔

: ڈرامہ لکھتے ہوئے کبھی ایکٹنگ کرنے کا بھی شوق ہوا آپ کو؟

: آفرز تو بہت ہوئیں لیکن میں اداکارہ نہیں بننا چاہتی، بس رائٹر اور پروڈیوسر ہی ٹھیک ہوں۔

: کن ڈائریکٹر اور پروڈیوسر کے ساتھ ہم آہنگی ہے؟

: No, Comments میرے لیے سب برابر ہیں، سب ہی اچھے ہیں۔

: اپنا ہی تحریر کردہ کوئی ایسا ڈرامہ جو خود آپ کو بھی پسند ہو؟

: کچھ لانگ پلے ہیں جن میں اسٹریٹ 27، برہم، اور کچھ ہوتا کیوں نہیں مجھے اچھے لگتے ہیں کیونکہ یہ میری امید کے مطابق بنے، یہی وجہ ہے مقبول بھی ہوئے، اور ڈرامہ سیریل ''ہرجائی'' ہے جو مجھے بھی پسند ہے اور کافی زیادہ دیکھا گیا ہے۔

: مستقبل میں کچھ نیا کرنے کا ارادہ ہے؟

: جی اب سوچا ہے کہ لکھنے کے ساتھ ساتھ پروڈکشن کی طرف بھی آؤں، اور کچھ ایسا کام سامنے لاؤں، جو پہلے سے الگ اور منفرد ہو، اس حوالے سے کچھ پلاننگ جاری ہے، دیکھیے جو رب کو منظور ہو۔

☆.....☆.....☆

مکمل ناول

دلوں کا میل کر بچھڑنا

''پلیز مجھے راستہ دے دیں، مجھے جانا ہے، گھر میں سب میرا انتظار کر رہے ہیں''۔ اس نے التجائیہ انداز میں کہا تھا۔

''میں جانے دوں گا، لیکن تم کو مجھ ہی تک آنا ہے، آئی سمجھ؟ ہمیشہ یاد رکھنا یہ بات، اور آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے، میرا خیال ہے جب تم مستقل میرے ساتھ رہو گی تو سمجھ جاؤ گی''۔

''ایسا کبھی نہیں ہوگا اور نہ ہی ہو سکتا ہے''۔

''ایسا ہی ہوگا، آج صرف ان آنسوؤں کی وجہ سے جانے دے رہا ہوں، ورنہ نیکسٹ ٹائم ایسا نہیں ہوگا، رشتہ دوبارہ بھیجوں گا میں، اور اس دفعہ انکار ہوا تو پھر آگے کی میری ذمہ داری نہیں ہے اور نہ ہی تم مجھ سے شکایت کرنا، تم کو بہت جلد حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ میں کیوں تمہارے پیچھے ہوں''۔

''ارے اشعر! اتنی دیر ہو گئی ہے مجھے تو اندر بٹھا کر بھول ہی گئے ہو، شرم کر لو کچھ، کیا بھابی سے گھر میں ملاقات نہیں ہوتی ہے، جو راہوں میں مل رہے ہو؟ اور وہ بھی اتنا راز و نیاز ہو رہا ہے، کیا صرف نکاح ہوا ہے، رخصتی نہیں ہوئی ہے ابھی؟'' اشعر کے اس دوست کو بولنے کا بے حد خبط تھا، بغیر سوچے سمجھے بول رہا تھا، دانیال ملک سے باہر تھا اور آج ہی اشعر سے ملنے کے لیے آیا تھا، وہ اس کا بزنس پارٹنر بھی تھا۔

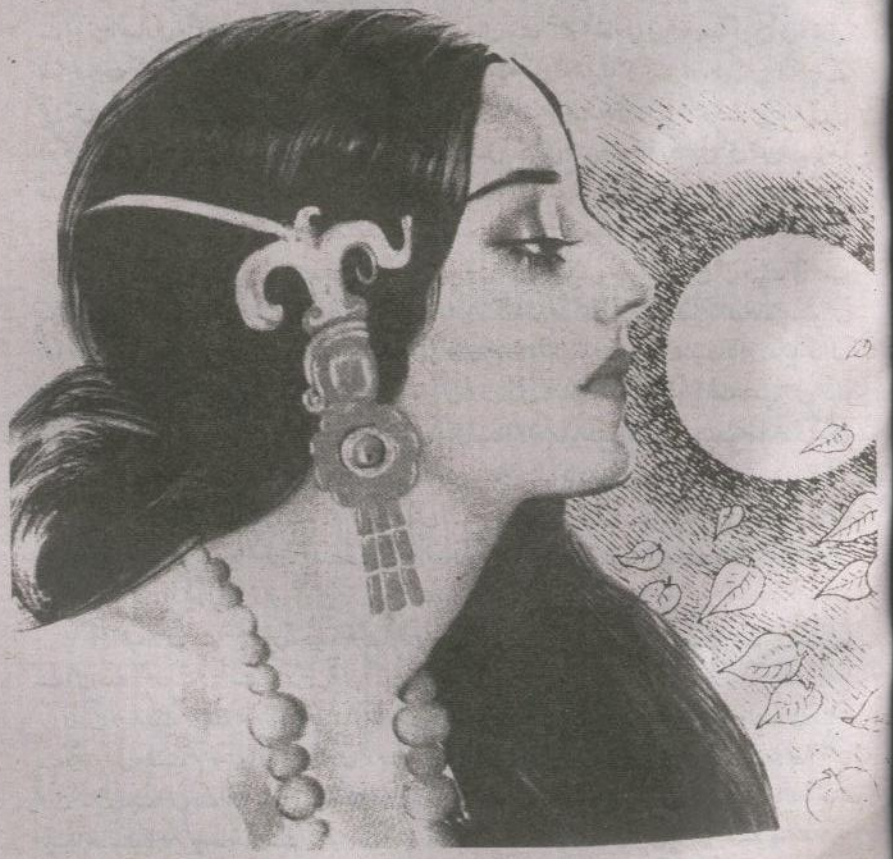

''ارے سوری دانیال! وہ کیا ہے ناں کہ جب ہم آپ کی بھابی صاحبہ سے ملتے ہیں تو دنیا جہاں بھول جاتے ہیں اور میں ان کو یہی کہہ رہا ہوں بلکہ یاددہانی کروا رہا ہوں کہ میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتا ہوں، اب جلد ہی یہ آ کر میری زندگی میں رنگ بھر دیں، جبکہ یہ راضی نہیں ہو رہی ہیں، تو اس وجہ سے میں تم کو بالکل بھول گیا تھا''۔ اشعر نے مزید اس کو سنایا تھا، جس پر وہ صرف گھور کر رہ گئی تھی اور ابھی تک رو بھی رہی تھی۔

''آپ کو اور آپ کے دوست کو بے سوچے سمجھے بولنے کا بہت شوق ہے اور موقع کی مناسبت سے تو لگتا ہے کبھی بات کی ہی نہیں ہے دونوں نے، ہٹیں سامنے سے، پاگل ہیں دونوں''۔ وہ اشعر کو دھکا دے کر آگے بڑھ گئی تھی۔ اشعر اور دانیال نے زندگی سے بھرپور قہقہہ لگایا تھا، جس کو طارم نے سنا بھی اور منہ موڑ کر دونوں کو گھورتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

فہد اور ڈاکٹر نیہاں گھر آ گئے تھے رات بہت ہو گئی تھی، اسی وجہ سے کسی سے نہیں ملے تھے، صبح ملنے کا سوچا تھا، دونوں روم میں چلے گئے تھے۔ آج کل گھر میں بڑی ٹینشن چل رہی تھی اور سب پریشان تھے۔ سعد بخاری نے احسن انصاری کو بھی بہت کہا تھا کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے، ان سے اشعر انصاری کی شکایت بھی کی تھی، جو کہ طارم کو بہت تنگ کر رہا تھا، انہوں نے معافی بھی مانگی تھی، کاشنہ تو کسی طور پر راضی نہیں ہو رہی تھیں، اشعر کے حق میں، ہر کوئی اشعر کی وجہ سے پریشان تھا اور یہ پریشانی اُس وقت مزید بڑھ گئی جب اشعر نے صرف اپنی کی اور کسی کی عزت کی اس کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں تھی، اور وہ ایسی غلطی تھی جس کی معافی تو کوئی بھی نہیں دے سکتا تھا۔

☆.....☆.....☆

طارم کو کسی آفس کے لیے شہر سے باہر جانا تھا، جس پر کوئی بھی راضی نہیں ہو رہا تھا، آج کل ویسے ہی سب پریشان تھے، لیکن طارم نے سب کو قائل کر ہی لیا تھا۔ ڈرائیور نے اس کو آفس میں چھوڑ دیا تھا اور طارم نے اس کو آدھے گھنٹے کے بعد پک کرنے کو کہا تھا، لیکن اس کو ڈرائیور کا انتظار کرتے ہوئے بہت ٹائم ہو گیا تھا کہ اچانک ایک گاڑی اس کے قریب آ کر رُکی تھی اور اس کو زبردستی گاڑی میں بٹھا لیا گیا تھا، جب اس کے حواسوں نے کچھ کام کرنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ اس کو کسی نے اغواء کر لیا ہے اور آج اس سے بہت بڑی غلطی ہو گئی تھی، اس نے گھر میں سب کو کہہ دیا تھا کہ وہ آج آفس سے ہی چلی جائے گی۔

''روکو گاڑی، میں کہتی ہوں روکو! تم کو سنائی نہیں دے رہا ہے کیا؟'' اس نے اپنے پرس سے فوراً ہی اپنا سیل فون نکالا تھا کہ آگے جا کر ڈرائیور نے گاڑی روک دی تھی، جس پر وہ اسے دیکھنے کے بعد فوراً اپنے برابر میں بیٹھے بندے کو دیکھ کر ہی چونک گئی تھی۔

''آداب عرض ہے، کیسی ہیں آپ، سفر کیسا گزرا آپ کا، اور سنائیں مزاجِ گرامی کے کیا حال ہیں؟'' اس نے اس کے ہاتھ سے فوراً سے پیشتر سیل فون چھین کر آف کر دیا۔

''تم ایسا کیسے کر سکتے ہو، میں تو پہلے ہی سمجھ چکی تھی کہ یہ نیچ اور چیپ حرکت تمہارے علاوہ اور کون کر سکتا ہے، شرم آنی چاہیے تم کو، انتہائی گری ہوئی حرکت ہے یہ، میں تم کو کبھی بھی معاف نہیں کروں گی، دو میرا سیل فون''۔ اس نے اس کے ہاتھ سے جھپٹنے کے انداز میں سیل فون لینا چاہا تھا، لیکن اشعر نے ہاتھ پیچھے کیا اور اس کو ایک ہاتھ سے قابو کر لیا تھا، اس نے اشعر انصاری پر بے تحاشہ مکے برسائے تھے، اس پر کوئی اثر نہ دیکھ کر وہ منہ

پر ہاتھ رکھ کر رونے لگی تھی۔

''ڈرائیور! ذرا تیز گاڑی چلاؤ، جتنی جلدی ہو یہاں سے نکلو''۔ اس نے ہدایت کے ساتھ ہی طارم پر نظر ڈالی تھی، جس کا وجود رونے کی وجہ سے ہل رہا تھا۔

''ارے ابھی تو رخصتی بھی نہیں ہوئی اور رونے بھی لگ گئیں؟ چلو کوئی بات نہیں، آج پہلی دفعہ کسی دلہن کو نکاح کے بغیر رخصت ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہوں میں، کہا تھا ناں کہ اب کی بار انکار مت کرنا، باقی کی ساری ذمہ داری تم پر ہے، اگر سیدھے سے ہاں کر دیتیں تو اتنے شاندار طریقے سے برأت لاتا کہ تمہاری ماں دیکھتی رہ جاتیں، چلو اب جو تمغہ ان کے چہرے پر سجاؤ گی وہ اسی پر بے تحاشہ خوش ہو جائیں گی، کیا خیال ہے، محترمہ طارم سبحان شاہ!'' طارم نے اس کو گھورتے ہوئے اپنی طرف کے دروازے کو کھولنے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ نہیں کھلا تھا، وہ اشعر کو مستقل مکے مار رہی تھی۔

''مارو، جتنا مارنا ہے، جب چڑیا قید میں ہوتی ہے تو وہ اسی طرح پھڑ پھڑا رہی ہوتی ہے اور مجھے تو تم کو اس حالت میں دیکھ کر جو ٹھنڈک محسوس ہو رہی ہے اس کے بارے میں بیان صرف اور صرف بیڈ روم میں جا کر کروں گا، آخر کو تم کو حلال کرنے کا سارا کام تو سرانجام دے لوں''۔

''مجھے جانے دو پلیز! اور یہ تمہاری بھول ہے کہ میں تم سے شادی کروں گی، ایسا سوچنا بھی مت''۔ اس نے اس پر اپنے پاس رکھی فائل کو کھینچ کر مارا تھا۔

''ارے میری جان! اتنی مشکل سے تو ہاتھ لگی ہو اور ایسے کیسے جانے دوں میں؟ اب اتنا پاگل تھوڑی ہوں، کچھ تحفے سجا کر جاؤ اپنے چہرے پر، تاکہ اپنی ماں کو دکھا تو سکو کہ دکھ کیا ہوتا ہے؟ اور پلیز! میں تم پر اس ٹائم کوئی غصہ نہیں کرنا چاہتا ہوں، کوآپریٹ کرو گی میرے ساتھ تو فائدے میں رہو گی، جتنا چیخو گی چلاؤ گی، میں اتنا ہی سکون محسوس کروں گا، اور تم کو جانے بھی نہیں دوں گا، اوکے، مائی سویٹ ہارٹ!''

''تم کو بہت ہی خوش فہمی ہے، ذرا بتاؤ تو کہ میری ماں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ اور مجھے تو آج تک یاد نہیں کہ ہم پاکستان کبھی کسی اور رشتہ دار سے ملے ہوں اور وہ بھی تمہارے جیسے، بدتمیز، انا پرست، خودغرض اور دوسروں کی عزت سے کھیلنے والے انتہائی بددماغ شخص ہو، تم ایک سائیکی کیس ہو، تم کو اپنے آپ کو کسی بہت ہی اچھے ڈاکٹر کو دکھانا چاہیے، معلوم نہیں تھا کہ یہاں مرد اس طرح سے کھڑے کھڑے لڑکیوں کو اغواء کر لیتے ہیں''۔ اس کے اتنا چیخ و پکار کرنے تک ہی اشعر انصاری نے جو گھر لیا تھا، کراچی کی حدود سے باہر، وہ آ گیا تھا۔

''بہت خوب گزرے گی ہماری اور تمہاری، چلو ذرا باہر تو نکلو، میں بتاؤں گا تم کو کہ میں کیا ہوں''۔ اس کی طرف کا دروازہ کھولا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکالا، وہ نکلنے کو راضی نہیں تھی، جبھی زبردستی کرنا پڑی تھی اشعر کو۔

''یہ لکھ کر لے لو طارم شاہ! کہ تمہارے نام کے ساتھ جب تک میرا نام نہیں لگ جاتا، تب تک تو میں تم کو جانے نہیں دوں گا''۔ وہ اسے کھینچتا ہوا اندر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

اندر بیڈ روم میں لے جا کر اسے بیڈ پر دھکا دیا تھا اور خود کسی سے باتیں کر رہا تھا، اس کے ملازموں نے کوئی بھی ارینجمنٹ نہیں کیا ہوا تھا اور نہ ہی یہاں کسی قسم کی تیاری ہوئی تھی، جس کی وجہ سے وہ سخت ہائپر تھا۔ اس کے دوست قاضی کو لے کر بھی نہیں پہنچے تھے اور اس کا غصہ آسمان کو چھونے لگا تھا، طارم اس کو اس حالت میں دیکھ کر بہت ہی حیران ہو گئی تھی، اور ڈر بھی گئی تھی، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کسی کا غصہ اتنا خراب بھی ہو سکتا ہے،

نجانے اس کو اس کی ماں سے کیا شکایت تھی، جس کی وجہ سے وہ ہر حد کراس کرنا چاہتا تھا۔

''جب تم کو میں کہہ چکا تھا یہاں مولوی صاحب کو لے کر پہنچ جاؤ، میں بس راستے میں ہوں تو تم آئے کیوں نہیں؟'' وہ بہت ہی بُری طرح سے فون پر کسی سے مخاطب تھا۔

''یار! سمجھنے کی کوشش کرو، او کے صرف ایک گھنٹہ ہے، تم جلدی آجاؤ''۔ وہاں سے حامی بھر دی گئی تھی، جبھی وہ سکون میں آ گیا تھا اور طارم کی طرف پلٹا تھا۔

''میں کہتی ہوں تم پاگل انسان ہو، مجھے جانے دو، تم کو کیا مل جائے گا یہ سب کر کے؟ اور کیا تمہاری کوئی بہن نہیں ہے جو میرے ساتھ اس طرح کا سلوک کرو گے؟ خدا سے بھی ڈر نہیں لگتا تمہیں؟''

''خبردار! جو میری بہن کو کچھ کہا تو''۔ اس نے اس کے گال پر ایک تھپڑ رسید کیا تھا۔

''اور ہاں، میں تمہارے ساتھ ہر وہ سلوک کروں گا جس کی تم مستحق ہو، کسی نہ کسی کی غلطی کا خمیازہ کسی نہ کسی کو تو بھگتنا پڑتا ہے ناں، اور اپنی ماں کے کیے کا تم بھگتو گی''۔ نہایت ہی غصے میں اس نے کہا تھا۔

''یہ تمہاری بہت بڑی بھول ہے کہ میں تم سے شادی کرنے کو راضی ہوں، اور ہاں زور زبردستی تو تم کر بھی نہیں مجھ سے، میں کوئی عام سی لڑکی نہیں ہوں، آئی سمجھ؟ تم کر لو اپنی مرضی، میں بھی نکاح نامے کو پھاڑ دوں گی، اور آنے تو دو مولوی صاحب کو، میں بھی تم کو دیکھ لوں گی، تم کو لگتا ہی نہیں ہے کہ تم ایک سائیکی مریض ہو''۔ وہ بھی بولنے پر آئی تو چپ نہ رہی۔

اشعر انصاری بہت غور سے اس کو سن اور دیکھ رہا تھا، اس کے گال پر پڑے نشان کو دیکھ کر اسے ایک لمحے بھی افسوس نہیں ہوا تھا، اور وہ ہنس رہا تھا۔

''بہتری تمہاری اسی میں ہے اگر سیدھے سے ہاں کر دو گی تو ٹھیک، اور تم واقعی میں عام سی ہی لڑکی ہو، جس کو خاص میں خود بناؤں گا، اب تک تو میں نکاح پر زور دے رہا ہوں، اگر تم نکاح کے بغیر رہنا چاہتی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، اور مجھے نہیں لگتا کہ اس سے آگے میں تم کو کچھ کہہ سکوں گا، شرافت کے دائرے میں رہ کر راضی ہو جاؤ، آگے تمہاری مرضی اور پھر مجھ سے شکایت مت کرنا''۔ وہ ہنس کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

''تم بہت بُرے انسان ہو، کیا تم کو عقل ہے، تم کیا کہہ رہے ہو؟ خدا کرے تم مر جاؤ''۔ اتنا کہہ کر اس نے اس کو تکیہ کھینچ کر مارا تھا اور رونے لگی۔

''رو لو، جتنا رونا ہے، آگے بھی تم کو یہی کام ہی کرنا ہے، سمجھو رخصتی تو ہو گئی ہے تمہاری اور ہاں، میں باہر ہوں، جا کر دیکھوں تو وہ لوگ آئے یا نہیں''۔ اس کو وارن کرتا ہوا وہ چلا گیا تھا۔

''یہ کیا ہو گیا، مجھے اتنی بڑی سزا کس چیز کی ملی ہے، میرا قصور کیا ہے؟ میں تو کسی کو جانتی بھی نہیں ہوں، اے اللہ! میری مدد کر''۔ وہ کھڑکی میں کھڑی رو رہی تھی اور اس کو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ یہ کون سا علاقہ ہے، انہی سوچوں میں تھی کہ 2 خواتین ہنستی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔

''اشعر بھائی کو بھی نجانے ہر کام کی اتنی جلدی کیوں رہتی ہے، مجھے لگتا ہے آپ کا حسن ہی ایسا ہے جس کے لئے وہ انتظار نہیں کر سکے ہیں، چلیں جلدی سے یہ ڈریس پہن لیں اور پھر یہ بیوٹیشن نے آپ کو تیار بھی کرنا ہے''۔ وہ دانیال کی بیوی تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہو گا، خدارا! میری آپ مدد کریں، مجھے یہاں سے نکال دیں، یہ آدمی مجھے دھوکے سے لایا ہے، میں اس کو جانتی تک نہیں ہوں''۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے مسز دانیال سے کہا تھا۔

''یہ کیا کر رہی ہو طارم! ایسے مت کرو، اور کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ اشعر بھائی جو کہہ دیں وہ کر کے رہتے ہیں، پلیز! مان جاؤ، اور تیار ہو جاؤ، وہ بہت ہی ضدی انسان ہیں''۔ مسز دانیال نے اس کو سمجھایا، لیکن وہ راضی نہیں ہوئی۔

''کیا بات ہے دانیال! بھابی کیا کہہ رہی ہیں؟ کس بات کی دیر ہو رہی ہے؟ سب دوستوں اور مہمانوں کو جانا بھی ہے، ان سے کہو جلدی سے طارم کو تیار کروا دیں وہ''۔ آخر کار اس نے اُکتا کر دانیال سے پوچھا تو اس نے اسے ساری بات کہہ سنائی تھی، طارم کی ضد سمیت۔

''ایک تو یہ محترمہ بھی....!'' ساری بات سن کر وہ طیش میں آ گیا۔

''بہر حال نکاح تو لازماً ہو گا، آپ چلو میں دیکھتا ہوں وہ کیا چاہتی ہے؟'' اپنے غصے پر کنٹرول کرتے ہوئے ان سے کہہ کر روم کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

''بات کرتے ہوئے خیال رکھنا کہ مولوی صاحب کو شک نہ ہو، ذرا سی بات کا بتنگڑ بن سکتا ہے''۔ دانیال نے محتاط رہنے کو کہہ دیا تھا۔ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اس نے دانیال کو دیکھ کر اثبات میں سر ہلا دیا، جبکہ دل و دماغ اس لڑکی کے پرخچے اُڑا دینا چاہتا تھا، وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا، اس کے پاس بیٹھیں مسز دانیال اور بیوٹیشن فوراً کمرے سے نکل گئی تھیں۔ طارم نے ایک لحظہ کو اشعر انصاری کے خطرناک حد تک بگڑے تیوروں کو دیکھا اور گردن جھکا لی، آنکھیں شدت گریہ سے لال ہو گئی تھیں، اشعر نے دونوں کے نکلنے کے بعد زور سے دروازہ بند کر کے لاک کیا، طارم کا سینے میں موجود دل بھی ایک لمحے کو بند ہوا تھا۔

''یہ کیا تماشہ لگا رکھا ہے تم نے، تم تیار کیوں نہیں ہو رہیں؟'' اس کا بازو دبوچ کر اپنے مقابل کھڑا کرتے چبا چبا کر پوچھنے لگا، جبکہ وہ تکلیف سے کراہ کر رہ گئی۔

''اُٹھاؤ یہ کپڑے اور جا کر چینج کرو''۔ بیڈ پر عروسی لباس، زیورات اور نجانے کیا الم غلم بکھرا پڑا تھا، اس نے اشارہ کیا تو وہ چیخ اُٹھی۔

''چھوڑو مجھے وحشی، جنگلی، درندے! میرا بازو چھوڑو، اور نہ ہی میں ان میں سے کچھ پہنوں گی''۔ وہ کمزور سی لڑکی تھی بہت کوشش کی، اپنا بازو چھڑا لینے کی، لیکن مقابل آہنی اعصاب کا مالک تھا، خود تو پاش پاش ہو سکتی تھی، لیکن اسے نہیں توڑ سکتی تھی، ساری مزاحمت بے کار گئی، منٹوں میں اس وحشی کے آگے بے بس ہو گئی، وہ اس کی بات اور مزاحمت پر کھولتا ہوا اسے باتھ روم میں دھکیل کر لے گیا، پھر کپڑے تھما کر اسے گھورنے لگا۔

''تم پیار کی زبان نہیں سمجھتی ہو؟ ویسے بھی لاتوں کے بھوت بھلا باتوں سے کہاں مانتے ہیں؟ اس سے پہلے کہ میں مزید کچھ کرنے پر مجبور ہو جاؤں، تمہارے حق میں صرف یہی بہتر ہے کہ تم فوراً کپڑے چینج کر کے باہر نکلو''۔

''تم یہ سب میرے ساتھ اچھا نہیں کر رہے ہو، کیوں اپنے لیے یہ اہتمام چاہتے ہو، تم کو مجھ سے کیا غرض ہے؟'' وہ زہر خند لہجے میں بولی۔

''شٹ اپ!'' اس نے گھورا، جیسے اس کے جسم سے روح ہی نکال لے گا، وہ اس کی پھنکار پر سہم سی گئی۔

''مجھ میں تھوڑی بہت تو شرافت ہے، آخر شریف خاندان کا وارث ہوں، مجھے تمہارے اس وجود و جسم سے کوئی لگاؤ نہیں، لیکن دنیاداری کا بھرم بھی تو رکھنا ہے اور ساس صاحبہ کو تصویریں بھی تو بھجوانی ہیں، تم کیا سمجھتی ہو اتنی آسانی سے چھوڑ دوں گا میں تم کو؟ بہت اکڑ اور غرور ہے ناں تم میں، بے فکر رہو، دل کھول کر نذرانہ پیش

کروں گا، فی الحال آرام سے کپڑے چینج کر کے باہر نکلو"۔ جس طرح اس نے اسے باتھ روم میں دھکیلا تھا جس طرح وہ کہہ رہا تھا، اس کے کچھ کرنے اور کہنے کی ساری جبلی طاقتیں سرد پڑ گئیں، اشعر کے انداز، لہجے اور آنکھوں سے چھلکتی وعیاں ہوتی وحشت بربریت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے عمل کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگائے گا، پھر جس طرح اس نے آگے بڑھ کر نل کھولا وہ سمجھ کر سہم گئی کہ یہ شخص کسی بھی حد تک جا سکتا ہے، جیسے ہی طارم کی آنکھوں میں موجود سرکشی مدھم پڑی تھی، ویسے ہی وہ باتھ روم کا دروازہ بند کر کے کمرے میں ٹہلنے لگا۔

اشعر کے سارے اعصاب پر ایک ایسی وحشت برپا تھی جیسے وہ ان لمحوں میں اس پارہ صفت لڑکی کو مسل کر رکھ دے گا، اپنے کھولتے دماغ کو قابو میں کرتے ہوئے پنکھا تیز کر کے وہ اس کے بستر پر گر کے اس کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگا، دماغ کی رگیں تنی ہوئی تھیں۔ جیسے ہی وہ کمرے کے وسط میں پہنچی، وہ اٹھ کھڑا ہوا، اس کے بالکل قریب آ کر شہادت کی انگلی سے اس کی ٹھوڑی اُٹھا کر اس کا چہرہ اونچا کیا۔

"تم اس قابل نہیں کہ تمہیں مزید رعایت دوں، لیکن پھر بھی زبان سے کہہ رہا ہوں آرام سے باقی تیاری بھی مکمل کروا لینا اور بھابی جو کہیں ان کی بات مان لینا نہیں تو.....! بصورت دیگر میں دوبارہ بھی آ سکتا ہوں، سمجھ رہی ہو ناں؟" ایک آخری طنز بھری نظر ڈال کر وہ باہر چلا گیا، اس کے کمرے سے نکلتے ہی وہ بُری طرح سسک اُٹھی تھی۔

"خدا کرے اشعر! تم مر جاؤ، تمہیں میرے ساتھ کسی قسم کا کوئی بھی کھیل کھیلنے کا موقع ہی نہ ملے، خدا تمہیں ایک لمحہ بھی نصیب نہ کرے، اللہ کرے تم مر جاؤ"۔ وہ بڑی شدت سے اسے بددعائیں دینے لگی، اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا، جس سے وہ اپنے آپ کو بچا سکتی، کسی قسم کا کوئی جذبہ نہیں تھا، سوائے نفرت کے، اور عورت جب نفرت کرنے پر آتی ہے تو اس کے سارے جذبے کہیں سو جاتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

نکاح ہو چکا تھا، بھاری دوپٹے کی وجہ سے اس کا سر جھکا جا رہا تھا، زیورات کی جھنکار اور پرفیوم کی مہک اسے بہت اجنبی لگ رہی تھی، وہ اس وقت جس گھر میں براجمان تھی وہ 5 کمروں پر مشتمل ایک شاندار گھر تھا جس کا ایک راستہ باغ میں کھلتا تھا اور دوسرا سڑک کی جانب جاتا تھا۔ یہاں اشعر اکثر اپنے دوست احباب کے ساتھ آتا تو قیام کرتا تھا، اس وقت کمرے میں مختصر سامان تھا، جس کو برائیڈل روم کے طور پر سجا کر ہر چیز نکھار کر رکھ دی گئی تھی، فرش پر دبیز قالین تھا، جس پر پھولوں کی پتیاں بکھری تھیں، اس کے پورے وجود میں اب تھکن پوری طرح سرائیت کر چکی تھی، وہ اپنے ماں باپ، ماموں ممانی کا سوچ کر ہی ہلکان ہو رہی تھی، ایک عام سی لڑکی بھی دلہن بن کر کس طرح مجبور و بے بس ہو جاتی ہے، وہ ایک لمحے ہی میں اس کا تجربہ کر چکی تھی۔ بے دلی سے بستر سے اُتر کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ بیٹھی، آئینے میں چھائے ہوئے اپنے عکس پر نظریں جمائیں تو بے بسی کا ایک اور ریلا اس کے وجود میں چٹکیاں کاٹنے لگا، روح تک گھائل ہو گئی جیسے وہ صدیوں کی مسافت طے کر کے یہاں تک پہنچی ہو، اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ قدرت نے اس کے ساتھ یہ کیا کھیل کھیلا ہے، اس کی ماں نے ایسا کیا کر دیا ہے، جس کی اس کو اتنی بڑی قیمت ادا کرنی پڑ رہی تھی؟ انہی لاتعداد آوازوں سے گھبرا کر اس نے ٹیبل پر رکھی بہت سی شیشیوں کو ہاتھ مار کر قالین پر گرا دیا تھا۔

"یہ میرے ساتھ ہی کیوں ہوا؟" وہ بے بسی کی انتہا کو چھو کر رونا چاہتی تھی، لیکن خشک آنکھیں ساتھ

نبھانے سے قاصر تھیں وہ دکھ سے کٹ کر رہ گئی، وہ دلہن بنی اس قدر حسین لگ رہی تھی، وہ خود بھی حیران تھی، یہ روپ اور سنگھار دل فریب موہ لینے والا حسن، اس وحشی درندے انسان کے لیے تھا، اسے یقین نہیں آ رہا تھا، اس کے اندر ایک تباہی سی مچی ہوئی تھی۔ نگاہیں انگلیوں میں پھنسی انگوٹھیاں، ہاتھوں کی پشت پر ڈالا گیا زیور اور کلائیوں میں پڑی چوڑیوں پر اٹک گئیں، اندر باہر وحشت سی اُتر آئی تھی، تیزی سے انگلیوں سے انگوٹھیاں اُتار کر ڈریسنگ پر پٹخ دیں، ابھی صرف بائیں بازو سے چند چوڑیاں ہی اُتاری تھیں کہ کمرے کا دروازہ کھول کر وہ داخل ہوا تھا، اسے بیڈ کے بجائے ڈریسنگ کے سامنے دیکھ کر بالکل بھی نہیں ٹھٹھکا تھا، متانت و تفخر بھری چال چلتے اس کے پاس آ کھڑا ہوا، اس کی آنکھوں میں موجود تنفر کو دیکھ کر طارم نے نظریں ہی پھیر لیں۔

"اتنی بھی کیا جلدی تھی، یہ سب اُتارنے کی؟ آخر کو مجھے یہیں آنا تھا، اتنی بے قراری تھی کہ چند منٹ بھی انتظار نہ کر سکیں طارم شاہ انصاری!" وہ طنزیہ مسکراہٹ سجائے کہہ رہا تھا، طارم نے بُری طرح ہونٹ کاٹے، وہ ایک بے بس بندھے ہوئے جانور کی طرح تھی، نہیں تو اب تک نجانے وہ کیا کر چکی ہوتی، زندگی اور موت اس کا مسئلہ نہیں تھا، لیکن اس کو وجہ بھی نہیں معلوم تھی کہ اشعر کی اس سے کیا دشمنی ہے؟ اس کو لگ رہا تھا کہ اشعر سے شادی کسی موت سے کم نہیں ہے۔

"خدارا! مجھے بس اتنا بتا دو کہ مجھے یہاں تک کیوں لائے ہو؟ میرا قصور تو بتاؤ؟" وہ بہت ہی رو کر دوبارہ پوچھ رہی تھی۔

"اتنی بھی کیا جلدی ہے، تمہاری اطلاع کے لیے بتاتا چلوں کہ میں اس ٹائم تو کسی بھی فالتو بات سننے کے موڈ میں نہیں ہوں، آج صرف میری اور تمہاری بات ہو گی، آج تو میں جشن مناؤں گا فتح کا، اور مجھے آج جیت کی بے حد خوشی ہے، تم میرا موڈ خراب مت کرو، اگر سیدھے طریقے سے تعاون کرو گی تو فائدے میں رہو گی"۔ اس نے بھی بغیر لحاظ کے کہا۔

"ایسا کبھی بھی نہیں ہو گا"۔ اور وہ جس تعاون کی بات کر رہا تھا طارم پوری طرح سے کھول کر رہ گئی تھی۔

"جب اتنا سفر طے کر لیا، سارا معرکہ سر انجام دے چکا ہوں، تو اس کام کو کرنے میں کیا ٹائم لوں گا؟ اور مجھے تمہاری یہ ہٹ دھرمی والی عادت بے حد پسند ہے"۔ اس نے اس کا بازو پکڑ کر قریب کیا۔

"دیکھو! مجھے چھوڑ دو، پلیز!" گھٹی گھٹی آنسوؤں سے تر آواز بمشکل اس کے حلق سے برآمد ہوئی، اشعر نے اسے دیکھا، عجیب طرح کا سکون رگ و پے میں سرائیت کرتا گیا۔ اس رات اس نے اس کے ساتھ نہایت ہی وحشیانہ سلوک کیا تھا۔

"تم کو رشتہ عزت سے بھیجا تھا، ہر دفعہ تم سب کا انکار سننے کو ملا تھا، شکر کرو نکاح کر لیا تم سے"۔ نفرت و حقارت سے وہ کہہ رہا تھا۔ وہ زندگی بھر کبھی نہیں روئی تھی، جتنا آج کی رات رو چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

سعد بخاری کے پاس اسلام آباد سے کال آئی تھی اور ان کو بتایا جا چکا تھا کہ طارم شاہ میٹنگ میں نہیں پہنچی ہیں، وہاں سب کو معلوم تھا کہ طارم نے آنا ہے، جبکہ فلائٹ بھی آ چکی تھی، طارم کا کوئی نام و نشان نہیں تھا، حرا کو بھی انہوں نے بہت بعد میں بتایا تھا اور انہوں نے تو فوراً کہہ دیا تھا۔

"یہ کام اشعر انصاری کا ہے، کچھ بھی ہو جائے آپ معلوم کیجیے، کل کی نکلی ہے طارم اور آج صبح 9 بجے کی میٹنگ تھی، اسلام آباد والوں نے آپ کو اب انفارم کیا ہے، ایسی بھی کیا بے خبری ہے، آپ اگر کہیں تو میں

سبحان شاہ کو بلواتی ہوں، کاشنہ کو اتنی جلدی بتانا ٹھیک نہیں ہوگا''۔

''اس کا یہ حل نہیں ہے، آپ ذرا کاشنہ کو کال کرو، معلوم ہو، وہاں تو کچھ معلوم نہیں ہوا، اگر یہ حرکت اشعر کی ہے تو اس نے ایسا کیوں کیا؟'' سعد نے افسوس بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''سعد بھائی!'' اتنے میں ہال میں کاشی کے زور سے رونے کی آواز آئی، تو یہ دونوں فوراً ہی باہر بھاگے تھے۔

''آپ نے تو کہا تھا طارم شاہ اسلام آباد جا رہی ہیں، لیکن وہ تو وہاں نہیں ہیں، انہیں تو اشعر نے کڈنیپ کرلیا ہے''۔ رونے کی وجہ سے اس سے زیادہ بولا نہیں جا رہا تھا، عالیہ بخاری نے بڑھ کر اس کو گلے لگایا تھا، اس کے شور سے وہاں پر فہد، نیہاں، احد اور سبیکہ بھی آ گئے تھے، اس طرح روتے دیکھ کر ہر آنکھ پُرنم تھی۔

''تم کو کیسے معلوم یہ سب؟ اور کس طرح معلوم چلا کہ اشعر نے کی ہے یہ حرکت؟''

''اشعر کی کال آئی تھی طارم کے سیل فون سے خدارا بھابھی کچھ مت پوچھیں، دیر مت کریں آپ کچھ کیجئے، مجھے کس بات کی سزا دی ہے احسن انصاری کی اولاد نے، میں نے تو کسی کا بھی کچھ نہیں بگاڑا ہے، آپ جائیں وہاں، معلوم کریں''۔ اس نے حرا کے آگے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

''کاشی پھپھو! یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟ اور اب آپ بے فکر رہیں، اشعر اگر دنیا کے کسی کونے میں چلا جائے، مجھ سے نہیں بچ سکتا ہے، مما مجھے تو کچھ بتایا ہوتا، اتنا کچھ ہو گیا اور آپ لوگوں نے ابھی تک چھپایا ہوا ہے''۔ فہد نے کاشی کو گلے سے لگا کر اپنی ماں سے غصے سے کہا۔

''بیٹا! اس میں حرا کا کیا قصور ہے، آپ جلدی جائیں، اس کو ڈھونڈیں، ہماری بے حد لاڈلی نواسی ہے اس کو لے کر آؤ، نجانے کہاں ہوگی''۔ عالیہ بخاری نے بھی نمی سے بھرپور آواز میں کہا تھا۔

''آپ سب لوگ ٹھہرو، میں اور سعد خود جائیں گے وہاں''۔ حرا نے سعد سے کہا تھا، چلنے کے لئے، صرف یہ دونوں میاں بیوی وہاں پہنچ گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

احسن اور یسریٰ مستقل انکار کر رہے تھے کہ ان کو نہیں معلوم اس بات کا اور ذکیہ بیگم نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

''اگر تم لوگوں کو نہیں معلوم تو کسے معلوم ہوگا؟ اس کو کال کرو اور بلاؤ، آج دوسرا دن ہے، نامعلوم کہاں لے کر چلا گیا ہے، ٹھیک پرورش کی ہے آپ سب نے اس کی میری تو سمجھ سے باہر ہے کہ کس بات کا بدلہ لیا ہے، جب ہم نے آپ لوگوں کو رشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا، تو پھر اغواء کیوں کیا اشعر نے اس کو؟'' حرا کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ احسن اور یسریٰ نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا، ارزل خان بھی وہیں بیٹھا تھا اور ساری بات اس کے سامنے ہی ہو رہی تھی، عشم نے کال ملائی لیکن اشعر نے کال پک نہیں کی تھی۔ احسن انصاری نے اپنے نمبر سے کال ملائی تو بہت مشکل سے اشعر کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

''ہیلو.....! کون ہے؟''

''اگر تم میں ذرا بھی عزت باقی ہے تو بتاؤ! طارم شاہ کہاں ہے؟ تم کو شرم آنی چاہیے ایسی حرکت کرتے ہوئے''۔ احسن نے اس کو فون پر ہی سرزنش کی۔

''بابا جان! پہلی بات تو وہ طارم اشعر انصاری ہے اور میرے پاس حفاظت سے ہے، آپ میں سے کسی کو

فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر طارم کے گھر والے آ جائیں تو ان کو بھی بتا دیں کہ میں نکاح کر چکا ہوں اور کسی صورت بھی اس کو ان لوگوں کے حوالے نہیں کروں گا، کہا تھا ناں کہ رشتہ عزت سے طے کر دیں، لیکن میری کسی نے نہیں سنی اور میں اب طارم کو کسی صورت بھی نہیں چھوڑوں گا''۔ اشعر انصاری نے احسن کی ہر بات کا جواب نہایت ہی ہٹ دھرمی سے دیا تھا۔

''ٹھیک ہے، مجھے اب تو آپ کو کوئی بات نہیں بتانی پڑے گی نا؟''

''مجھے دیں میں بات کرتی ہوں''۔ یسریٰ نے احسن کے چہرے کے بگڑے ہوئے تاثرات دیکھ لئے تھے۔

''ہیلو.....! اشعر.....پلیز! میری بات غور سے سنو، آپ طارم کو لے کر میرے پاس آ جاؤ، خدارا بُری بات ہوتی ہے کسی کی عزت سے کھیلنا، آپ کو معلوم بھی ہے طارم کے ماموں، ممانی آئے ہوئے ہیں کوئی کسی کے ساتھ اس طرح کیسے کر سکتا ہے؟ اور آپ نے اس معصوم بچی سے کس بات کا بدلہ لیا ہے؟'' یسریٰ بہت ہی رو رہی تھیں۔

''مما! آپ تو مجھے سمجھیں، کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ میں نے کہا تھا کہ بہو تو وہی آپ کی بنے گی، چاہے کچھ بھی ہو جائے، اور دیکھ لیں بنا بھی لیا''۔ اتنے میں طارم نے اس کے ہاتھ سے موبائل اچانک ہی چھین لیا تھا اور کان سے لگا کر روتے ہوئے صرف اتنا کہا تھا۔

''آپ جو کوئی بھی ہو پلیز! مجھے لے جاؤ یہاں سے''۔ وہ بہت ہی نڈر سے انداز میں کہہ رہی تھی اور رو بھی رہی تھی، اشعر نے اس کے ہاتھ سے سیل چھین کر اس کا ہاتھ نہایت ہی بے دردی سے پکڑا تھا اور فون کان سے لگا کر کہا۔

''اللہ حافظ.....مما! پھر بات کروں گا، ابھی آپ کی بہو صاحبہ کو تھوڑا اور سبق سکھا دوں''۔ اس نے بھی چبھتی ہوئی نظروں سے طارم کو گھور کر دیکھا تھا اور لائن ڈراپ کر کے سیل آف کر دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

سعد اور حرا ناکام لوٹ آئے تھے، حالانکہ احسن نے بہت معافی مانگی تھی، لیکن انہوں نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی، فہد تو بہت غصے میں تھا، اس نے ہر اُس شخص سے معلوم کروا لیا تھا، جس کا اشعر سے تعلق تھا، کسی نے بھی اس کی رہائش گاہ نہیں بتائی تھی۔

حرا نے کاشنہ کو گلے سے لگا کر تسلی دی تھی، لیکن وہ ماں تھیں ناں، کیسے سنبھلتی؟ اچھے خاصے ہنستے بستے گھر میں اشعر نے آگ لگا دی تھی، اچانک ہی ڈاکٹر نیہاں کے ذہن میں جھماکہ سا ہوا تھا اور انہوں نے اسپتال جانے کا کہا تھا، جس پر سب حیران رہ گئے، اس نے فہد کو ساتھ چلنے کو کہا تھا جس پر وہ راضی ہو گیا تھا، اسپتال پہنچنے کے بعد انہوں نے ڈاکٹر اسفند سے ملاقات ان کے روم میں کی تھی اور ان کو ساری بات بتا دی تھی، جس کا انہیں بے حد افسوس تھا اور انہوں نے اپنے آپ کو لاعلم بتایا تھا کہ وہ ان سب باتوں کو نہیں جانتے ہیں، انہوں نے اشعر کے نمبر پر کال کی، لیکن سیل آف جا رہا تھا۔

''آپ لوگ گھر چلے جائیں، میں پھپھو کے گھر جاتا ہوں، اگر وہاں سے کچھ معلوم ہو گیا تو میں آپ کو کال کر دوں گا، آئی۔ ایم سوری! اشعر کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا''۔ انہوں نے اپنے دل میں بہت ہی درد محسوس کیا تھا طارم کے لئے جس کو وہ پہلی ہی نظر میں پسند کر چکے تھے اور اشعر سے اس بارے میں کہہ بھی چکے تھے، ڈاکٹر

نیہاں اور فہد کے ساتھ ہی وہ بھی اسپتال سے گھر جانے کو نکلے تھے۔

☆.....☆.....☆

ادھر شام تک سروس کوریئر کے ذریعے طارم اور اشعر کی تصویریں بھیجی جا چکی تھیں، جس پر سب کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں کہہ رہا ہے، نکاح کر چکا ہے، ڈاکٹر سبحان شاہ کو تو دیکھتے ہی ہارٹ اٹیک ہو گیا تھا، فہد اور سعد فوراً ان کو لے کر گئے تھے، سب گھر والے اسپتال میں تھے، حرا نے وہیں سے یسریٰ کو کال کر کے ساری انفارمیشن دی تھی اور اصرار کیا تھا کہ خدارا! اشعر سے کہہ دو وہ طارم کو لے کر آ جائے، ڈاکٹر سبحان کے منہ پر صرف طارم کا ہی نام تھا اور وہاں ڈاکٹر اسفند بھی تھے، ان کو بے حد افسوس تھا، کیونکہ ڈاکٹر سبحان ایک ماہر ڈاکٹر تھے، ڈاکٹر اسفند جیسے ہی باہر نکلے انہوں نے ڈاکٹر نیہاں کو حوصلہ دیا اور کاشنہ پر ایک نظر ڈال کر باہر نکل گئے۔

☆.....☆.....☆

''یہ کیا حرکت کی ہے تم نے طارم اشعر! لگتا ہے تم کو بالکل میز نہیں ہیں کہ جب کوئی فون پر بات کرتا ہے تو اس طرح سے فون نہیں چھینتے ہیں''۔ اس نے اس کے بازو پر گرفت مضبوط کی تھی، جس پر وہ کراہ کر رہ گئی تھی۔

''اشعر! چھوڑ دو مجھے..... خدارا! میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں''۔ وہ بہت ہی بُری طرح سے پھر رہا کر اس کی قمیض کا کالر پکڑ کر رو رہی تھی۔

''تم جتنا روؤ گی مجھے اتنی ہی ٹھنڈک محسوس ہو گی، اور تمہارے گھر والے میرے گھر آئے تھے ان کو تصویریں بھی مل چکی ہیں اور معلوم ہو گیا ہے کہ تم سے میں نے نکاح کر لیا ہے، کہو مزہ آیا، ایک انکار کا یہ انجام دیا ہے میں نے اور تمہاری اطلاع کے لئے اتنا بتا دیتا ہوں کہ میں نے تمہاری ماں کا بدلہ تم سے لیا ہے، کیونکہ آج تک یہ بات کسی کو معلوم نہیں ہے، تم کو بتا رہا ہوں کہ تمہاری ماں میری پھپھو کے شوہر زین علی خان کو پسند کرتی تھیں اور میرے پھپھا نے آج تک یہ بات کسی کو نہیں بتائی، میں نے بھی رطابہ پھپھو کو دادو کو بتاتے ہوئے سن لیا تھا، جب سے میرے دل میں ہے کہ میں کاشنہ کو دیکھ کر رہوں گا اور ان سے اپنی پھپھو کا بدلہ لوں گا اور اپنے دل کی آگ کو ٹھنڈا کروں گا، کیونکہ نانو، نانا نے ان کی شادی صرف محبت میں کی تھی، ہمارے ہاں رشتے بچپن میں طے ہو جاتے ہیں اور یسریٰ میری ماں اور میری پھپھو کی کراس میرج ہے، اور میری دادی میرے نانا کی سگی بہن ہیں، میرے ماموں نے بھی اپنے ماں باپ کے حکم کے آگے سر جھکایا تھا، لیکن وہ صرف تمہاری ماں کی وجہ سے رطابہ پھپھو کو وہ مقام نہیں دے پائے جس کی وہ حقدار تھیں، کہو اب تم کیا کہتی ہو؟ یہ ہے وہ آگ جو میرے دل میں لگی ہے، جس کو ٹھنڈا کرنے کے چکر میں، میں نے تم کو مہرہ بنایا تھا، وہ تو تمہاری کزن کی شادی میں مجھے معلوم ہوا کہ کاشنہ کون ہے؟ اب تو کھیل میں اور مزہ آئے گا، مسز انصاری!'' اس نے اسے صوفے پر دھکا دینے کے بعد واش روم کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

☆.....☆.....☆

زین علی خان اور یسریٰ ملک سے باہر گئے ہوئے تھے اور آج ہی انہوں نے ایئر پورٹ سے ارذل خان کو کال کی تھی، اپنے کراچی پہنچ جانے کی، ارذل خان ان کو لینے جا چکا تھا اور بالکل ان کے سامنے جا کر کھڑا ہوا تھا اور محبت سے دونوں کے گلے لگا تھا۔

''اتنے دن لگا دیئے آپ دونوں نے اور بغیر اطلاع کے کیوں آئے ہیں؟ دادا جان کب سے آپ لوگوں

کا پوچھ رہے ہیں''۔ ارذل خان نے مسکرا کر ان دونوں کو چھیڑا تھا۔

''بہت ہی باتیں بنانے آ گئی ہیں آپ کو، بڑے ہو گئے ہو نا''۔ رطابہ نے ارذل کے کان کھینچ کر کہا۔

''گھر میں سب خیریت ہے نا، سب ٹھیک ہیں، آپ نے کافی دنوں سے کال نہیں کی اور اسفند کی بھی کال نہیں آئی تھی''۔

''ہاں مما! بھائی وہیں ہیں آج کل اور آپ گھر چلیں تو پھر معلوم ہو جائے گا''۔ زین نے ارذل کو بہت غور سے دیکھا ان کو لگ رہا تھا کہ کوئی بات ہے جو ارذل چھپا رہے ہیں۔

گھر میں صرف بابا جان تھے جو زین کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے اور رو بھی رہے تھے، انہوں نے آج سے پہلے ان کو روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، لیکن آج ان کی آنکھیں اشکبار تھیں، جن کا زین نے بہت ہی گہرائی سے نوٹس لیا تھا، اتنے میں وہاں اسفند کی آمد ہو گئی تھی اور وہ اپنی ماں اور باپ کو دیکھ کر ان سے گلے ملے تھے، وہ نہایت ہی تھکے ہوئے لگ رہے تھے۔

''اسفند! یہ آپ نے کیا حالت بنا رکھی ہے؟'' ماں نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں مما! آرام کروں گا، ٹھیک ہو جاؤں گا، پھر رات کو دوبارہ بھی جانا ہے''۔ وہ آرام کی غرض سے روم میں چلے گئے تھے۔

سب کی چپ دیکھ کر رطابہ کو بہت اُلجھن ہو رہی تھی۔

''بابا جان! سب خیریت ہے نا، کیا کوئی بات ہے جو آپ لوگ چھپا رہے.....؟'' ان کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ اتنے میں یسریٰ اور احسن آ گئے تھے۔

''السلام علیکم! کیسے ہیں آپ دونوں؟'' یسریٰ نے دونوں کو سلام کے بعد خیریت پوچھی تھی۔

''ٹھیک ہیں، تم سناؤ! عریشہ کیسی ہے، لے کر نہیں آئیں اُسے؟'' زین نے فوراً عریشہ کا پوچھا تھا۔

''ہاں، وہ ذکیہ پھپھو کے پاس ہے، پھر پھپھو اکیلی رہ جاتیں تو میں جبھی نہیں لائی ہوں''۔

''اشعر کو کال کی ارذل! تم نے، معلوم کیا کہ وہ کہاں ہے؟'' احسن نے خاموشی سے کہا تھا۔

''ماموں! وہ Receive ہی نہیں کر رہے ہیں اور آپ کو معلوم ہے طارم کے والد کی حالت بھی سیریس ہو رہی ہے اور وہ انہی کو یاد کر رہے ہیں، بھائی بھی ابھی آئے ہیں، آرام کر رہے ہیں''۔ اتنے میں اسفند اتنی عجلت میں روم سے باہر سیل فون کان سے لگائے نکلے تھے کہ احسن اور یسریٰ نے چونک کر دیکھا تھا۔

''اسفند بیٹا! سب خیریت ہے؟'' احسن کو کچھ ٹھیک نہ ہونے کا دھڑکا لگا تھا۔

''نہیں ماموں! کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے، ڈاکٹر سبحان کی طبیعت پھر خراب ہو گئی ہے اور مجھے بلایا جا رہا ہے، ایمرجنسی میں، آپ ان کے لئے دعا کریں کہ وہ ٹھیک ہو جائیں۔ پلیز! آپ اشعر کو واپس بلوائیں، اگر ان کو کچھ ہو گیا تو پھر کیا ہو گا؟'' اسفند نے کچھ بھی دیکھے بغیر بات ختم کر دی اور جلدی سے باہر چلے گئے تھے، ارذل خان بھی اس کے ساتھ اسپتال سے بھاگا تھا۔

اب یسریٰ نے پریشان ہو کر اپنے والد کو دیکھا تھا اور رونے لگی تھی۔

''بابا جان! آپ بتائیں مجھ سے کیا غلطی ہو گئی ہے جو ایسی نافرمان اولاد میرے نصیب میں تھی، میں کیا کروں کہ وہ بچی مجھ تک آ جائے، آپ اگر کچھ کر سکتے ہیں کریں، اس بچی کے والد کی زندگی کا سوال ہے''۔ وہ روتے ہوئے ہر بات عیاں کر گئی تھیں۔ زین نے اپنی لائف میں اس کو فرسٹ ٹائم اس طرح بلک بلک کر

روتے ہوئے دیکھا تھا اور احسن کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ رطابہ نے اُٹھ کر اس کا رُخ اپنی طرف کیا اور کہا کہ مجھے بھی ہر بات سچ بتاؤ۔ پھر احسن نے ہر بات زین اور رطابہ کو بتا دی تھی، جس کا ان دونوں کو افسوس ہوا تھا اور کاشنہ کی بیٹی کے ساتھ اس طرح کا سلوک کا سن کر ہی زین پریشان ہو گیا تھا، جس پر یسریٰ اور احسن نے ان کی شکل دیکھی تھی، جبکہ رطابہ نے اپنا منہ نیچے کر لیا تھا۔

''چلو مجھے بھی اسپتال لے کر چلو، میں ایک نظر اس کو دیکھنا چاہتا ہوں، کال کرو اشعر کو اور بلاؤ، وہ اس طرح نہیں کر سکتا ہے، اگر پسند تھی تو عزت سے رشتہ کرتے، کوئی کسی کی عزت سے اس طرح کھیلتا ہے؟'' انہوں نے آج پہلی بار غصہ کیا تھا، جس پر سب صرف حیران ہی ہو سکے تھے۔ پھر یہ سب مل کر اسپتال گئے تھے اور رطابہ تو حرا کے سامنے مزید شرمندگی محسوس کر رہی تھی اور سوچ رہی تھی قسمت ایسا بھی کرتی ہے؟

''تم نے اس طرح کیوں کیا اشعر! تم کو اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا، تم بات تو کر کے دیکھتے، میں ان لوگوں کو پھر منا لیتا، بیٹا! تم اس لڑکی کو ہمارے گھر لے کر آ جاؤ، اس کے والد کی حالت ٹھیک نہیں ہے، کسی کے ساتھ اس طرح نہیں کرتے ہیں''۔ احسن نے اشعر کو کال کی تھی اور اپنی طرف کی تمام پریشانی بتائی تھی۔

''اگر تم مجھے کچھ سمجھتے ہو تو آ جاؤ، میں اس ٹائم اسپتال میں طارم کے والد کے پاس ہوں بیٹا! سب رو رہے ہیں، اُسے لے کر آ جاؤ، ان کے بوڑھے والدین اپنے بیٹے اور پوتی کا غم نہیں سہہ سکتے''۔ بہت سمجھانے پر اس نے ہامی بھر لی تھی۔

''چلو محترمہ! پہلے کچھ کھا لو اور اپنا حلیہ درست کرو، تمہارے والد بیمار ہیں، اسپتال میں ان سے ملوا کر واپس اپنے ساتھ لے کر آؤں گا اور تم وہاں جا کر پھیل مت جانا''۔ آج ایک مہینے کے بعد اس نے اسے اس گھر سے نکلنے کا کہا تھا، جس پر بہت خوشی کے ساتھ وہ تیار ہونے جا رہی تھی، لیکن والد کے نام پر وہ پریشان ہو گئی تھی۔

''کیا ہوا ہے میرے فادر کو؟ بتاؤ نا..... اگر میرے فادر کو کچھ ہو گیا تو میں زندہ تم کو بھی نہیں چھوڑوں گی، تم بے حد بُرے آدمی ہو''۔ اس نے روتے ہوئے اشعر کے ہاتھ پیچھے کیے تھے جو اس کو کھانا نکال کر دے رہا تھا۔

''مجھے بالکل بھوک نہیں ہے اور نہ ہی میں کھاؤں گی، گھر چلو مجھے لے کر، میں کچھ نہیں جانتی''۔ اس نے ہٹ دھرمی سے کہہ کر اس کو گھورا تھا۔

''اوکے میں راضی ہوں لے کر جانے کے لئے، لیکن میری وارننگ مت بھولنا''۔ جیسے ہی اسپتال میں اس نے قدم رکھا تھا، فہد سے اس کی ملاقات ہو گئی تھی اور اس کی آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں، ان سب نے طارم کو دیکھ لیا تھا اور کاشنہ کو بھی اپنا کوئی ہوش نہیں تھا، ان کو بھی ڈرپ لگ رہی تھی، وہ بھی ڈاکٹر سبحان کی کنڈیشن سہہ نہ پائی تھیں۔

''بابا کہاں ہیں؟ فہد.....! مجھے لے کر چلو''۔ اس نے جلدی سے اندر کی طرف قدم بڑھائے تھے، طارم کو اشعر انصاری باہر سے ہی چھوڑ کر گیا تھا اور تنبیہہ کرنا نہیں بھولا تھا کہ میں رات کو لینے آؤں گا۔ حرا نے جلدی سے بڑھ کر اسے گلے سے لگایا تھا۔ i.c.u میں اس کے والد تھے، جن کے پاس نیہاں اور اسفند تھے اور وہ دونوں ایک ساتھ ہی باہر نکلے تھے، کیونکہ ڈاکٹر سبحان صاحب کی ہارٹ بیٹ بہت بڑھ رہی تھی، جس کا کنٹرول میں کرنا بہت ہی مشکل لگ رہا تھا، ان کے منہ پر صرف طارم کا نام تھا، ڈاکٹر اسفند کی نظر طارم پر پڑی تو وہ حیران رہ گئے تھے، جس طارم کو انہوں نے دیکھا تھا، یہ اس طارم سے بے حد مختلف تھی، بالکل ہی چیچ ہو گئی تھی،

کمزور بھی اور چہرہ پورا زرد ہو رہا تھا۔

''نیہاں! بابا کہاں ہیں؟ مجھے ملواؤ اُن سے خدارا! میں اور انتظار نہیں کر سکتی ہوں''۔ اسپتال کا پورا عملہ اس کو اس بُری طرح روتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور ہر ایک کی آنکھ اشکبار تھی اس کے رونے پر۔

''ڈاکٹر نیہاں ہم ان کو اتنی جلدی نہیں ملوا سکتے ہیں، کچھ بھی ہو سکتا ہے، آپ تو خود ڈاکٹر ہیں، سمجھ سکتی ہیں''۔ اسفند نے طارم کی ضد کو دیکھتے ہوئے نیہاں کو مخاطب کیا تھا۔ یسریٰ ہی آگے بڑھ کر طارم کو اپنے سے قریب رکھے صوفے پر بٹھا سکی تھیں اور رطابہ سے پانی منگوا کر پلایا تھا، جس کو اس نے پینے سے انکار کر دیا تھا۔

''بیٹا! حوصلہ رکھو، کچھ نہیں ہو گا آپ کے ماں باپ کو''۔ اتنے میں رطابہ نے اس کی ماں کا بھی ذکر کر دیا تھا اور پھر اس نے سعد بخاری کی طرف دیکھا تھا اور دوڑ کر ان کے گلے لگی تھی۔

''ماموں! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ آپ کچھ کریں''۔ اس کے اتنے لاتعداد سوالوں کا سعد کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، سعد اس کو لے کر کاشی کے کمرے کی طرف بڑھے تھے، وہاں کاشی کو ہوش آ گیا تھا اور کاشی، طارم کو دیکھ کر اُٹھ کر بیٹھی تھیں اور خوب روئی تھیں۔

''مما! مجھے کس بات کی سزا ملی، میں نے تو آج تک کچھ نہیں کیا تھا، پھر یہ سب میرے ساتھ کیوں ہوا ہے؟'' کاشی نے کوئی جواب نہ دیا تھا، بس اس کو مستقل روتے ہوئے دیکھ رہی تھیں اور اب کاشی کی حالت ٹھیک تھی، وہ باہر آ گئی تھیں، جہاں سب تھے لیکن انہوں نے کسی پر بھی نظر نہ کی تھی صرف طارم کو پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔

ڈاکٹر نیہاں عجلت میں ایک روم سے دوسرے میں چکر لگا رہی تھیں اور آخر میں وہ طارم کا ہاتھ پکڑ کر i.c.u کی طرف بڑھ گئی تھی، جہاں ان کے پاپا ان کو یاد کر رہے تھے اور آج تک یہ بات کسی کو نہیں معلوم ہو سکی تھی ڈاکٹر سبحان ہارٹ کے مریض ہیں، ان کے سامنے پہلے نیہاں گئی تھی اور پھر طارم کو لے کر گئی تو ان کی دھڑکن بڑھنے لگی تھی، وہ طارم کو گلے لگا کر بہت روئے تھے، ڈاکٹر اسفند یہ سب منظر دیکھ رہے تھے اور نیہاں سے طارم کو پیچھے کرنے کو کہہ رہے تھے، لیکن طارم بالکل بھی پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھی۔

''ڈاکٹر اسفند! ان کو ہٹائیں، ڈاکٹر سبحان کی طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے''۔ نرس نے فوراً ڈاکٹر اسفند کو متوجہ کیا تھا، نیہاں نے فوراً طارم کو باہر نکالا تھا اور اپنے والد کی طرف متوجہ ہو گئی تھی، ڈاکٹر اسفند کے ساتھ موجود تمام ڈاکٹر الرٹ ہو گئے تھے، ڈاکٹر نیہاں نے جب اس طرح کی کنڈیشن دیکھی تو وہ بھی روتے ہوئے باہر نکل گئی اور طارم سے لپٹ کر بہت روئی تھی۔

ڈاکٹر بالکل بھی پُر اُمید نہیں تھے اور انہوں نے یہیں زندگی کی بازی ہار دی تھی، جس کا کسی کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا بلکہ ایک نرس نے کہہ بھی دیا تھا کہ شاید وہ اپنی بیٹی کی وجہ سے یہ ابھی تک زندہ تھے۔

''کوئی مسئلہ ہو گیا ہے ان کے ساتھ جبھی تو یہ سہہ نہیں پائے، ایک ماہ سے ایڈمٹ تھے، ڈاکٹر سبحان، اور آج ان کی بیٹی آئی ہیں، تو ان کا انتقال ہو گیا ہے، یہ رکور نہیں کر پا رہے تھے''۔ اتنا کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی تھی۔

ان کی تدفین ہو چکی تھی، کاشی کو تو اپنا بالکل بھی ہوش نہیں تھا، عالیہ بخاری اپنی بیٹی کا اتنا بڑا صدمہ نہیں سہہ پا رہی تھیں، ان کو بھی بہت دکھ تھا، بوڑھے ماں باپ زندہ تھے اور جوان بیٹے چلے گئے تھے، سب اشعر کو بددعا دے رہے تھے کہ اس نے نامعلوم کس بات کا بدلہ لیا ہے؟ طارم نے بھی اشعر کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا، سب کام میں مصروف ہو چکے تھے اور آج چالیسویں سے بھی فارغ ہو گئے تھے، سعد نے کاشی اور اس کے

ساس، سسر کو اپنے گھر میں رکھ لیا تھا اور طارم کو بھی زندگی کی طرف لوٹنے میں ان سب نے مدد دی تھی، وقت کا کام گزرنا ہوتا ہے، گزر ہی رہا تھا، لیکن اشعر انصاری کی ایک فون کال ان کے گھر میں تہلکہ مچا دیتی تھی۔ فہد صرف اپنی ماں کی دی ہوئی قسم کی وجہ سے رُکا ہوا تھا، ورنہ وہ اشعر انصاری کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا، لیکن تربیت کا بھی بہت اثر ہوتا ہے، صدمہ گو چھوٹا نہ تھا اس کی پھپھو کا سہاگ چلا گیا تھا اور وہ اب تو بالکل بھی طارم کو وہاں بھیجنے کے حق میں نہیں تھا اور نہ ہی اس نے یہ بات جاننے کی کوشش کی تھی کہ اشعر نے ایسا کیوں کیا؟ یہ بات صرف طارم اور اشعر جانتے تھے، ورنہ تو سب یہی سمجھ رہے تھے کہ اس نے انکار کا بدلہ لیا ہے۔

☆.....☆.....☆

آج 2 مہینے کے قریب ہو گئے تھے، اشعر چپ تھا، لیکن رات میں ہی اس نے اپنی ماں سے کہہ دیا تھا کہ وہ طارم کو گھر لے کر آ جائیں، کہ اب وہ اور انتظار اس کا نہیں کر سکتا، یہ سب باتیں وہ یسریٰ سے ان کے بیڈ روم میں کر رہا تھا، یہ دیکھے بغیر کہ اس کی تمام باتیں احسن سن رہے ہیں۔

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے؟ ایک تو تم نے ان لوگوں کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور اوپر سے تم کو ابھی بھی اپنی پڑی ہوئی ہے؟ ہم کو کسی قابل نہیں چھوڑا کہ ہم حرا سے مل سکیں، میں تو اس قدر شرمندہ ہوں کہ دوبارہ وہاں قدم نہیں رکھ پایا اور تم بکواس کر رہے ہو، اس قدر چیپ حرکت کرنے کے بعد تم یہ سوچ بھی کیسے سکتے ہو کہ وہ لوگ اس کو تمہارے ساتھ بھیج دیں گے؟''

''مائنڈ اٹ بابا..... She is my wife! اور اگر آپ لوگ خود جائیں گے تو مجھے اچھا لگے گا، ورنہ مجھے اس کو وہاں سے لے کر آنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے اور نہ ہی مجھے کوئی روک سکتا ہے''۔

''اشعر! چپ کر جاؤ، ہر بات میں ضد بحث..... کیا طریقہ اپنا کر بیٹھ گئے ہو، کچھ شرم ہے تم میں؟ خدارا! اتنی معصوم پیاری بچی ہے وہ، اس کو بخش دو، ورنہ جو اس کی حالت ہے، میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آئی ہوں میں تو اپنے آپ سے بھی نگاہ ملانے کے قابل بھی نہیں ہوں، اس طرح کسی کے ساتھ نہیں کرتے، اور ابھی تو اس کی والدہ کی عدت بھی پوری نہیں ہوئی ہے، میں کس طرح سے اس کو لے آؤں، تم نے معاملے کو بہت بگاڑ لیا ہے بیٹا! تحمل سے مل کر کرنے دو سب کچھ اور آپ اب خاموش ہی رہو تو زیادہ بہتر ہے، آپ کی دادی اور بابا خود جا کر انہیں سمجھائیں گے، بیٹا! شریف لوگ ہیں جو چپ ہیں ورنہ اتنا کچھ ہو جانے پر تو وہ آپ کے ساتھ کچھ بھی کر سکتے ہیں، میں آپ کو مزید کوئی اجازت نہیں دوں گی کہ طارم کے ساتھ بدتمیزی کرو''۔ یسریٰ نے روتے ہوئے اس کو سمجھایا تھا، جس پر وہ چپ چاپ چلا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

''رطابہ! کیا آپ کو معلوم تھا یہ سب؟'' زین نے اس سے پوچھ لیا، جو اشعر نے کیا تھا، اس کو کاشی کو ایک بار پھر دکھی دیکھ کر دلی صدمہ ہوا تھا اور اوپر سے اس کے سر سے سبحان شاہ کا سایہ اُٹھ جانے کا بھی دلی صدمہ تھا۔

''نہیں، میں تو آپ کے ساتھ باہر ٹور پر گئی تھی، مجھے بھی اتنا ہی معلوم ہے جتنا آپ کو معلوم ہے، اور اگر اشعر نے اس طرح سے کیا ہے تو بہت غلط کیا ہے۔ مجھے بھی حرا کے سامنے بے حد شرمندگی ہے اور پھر طارم تو اب یسریٰ کی بہو بن گئی ہے، یسریٰ کی کال آئی تھی میرے پاس، وہ کہہ رہی ہیں کہ میں اس کے ساتھ حرا کے گھر چلوں، اشعر نے پھر سے ضد لگا رکھی ہے کہ اس کو طارم اپنے گھر میں نظر آئے، یسریٰ نے سمجھا تو دیا ہے، لیکن سب جانتے ہیں اشعر کو کہ وہ کس حد تک جا سکتا ہے، ممی بھی اشعر سے سخت کبیدہ ہیں کہ اس نے ایسی حرکت

کیوں کی؟ کسی سے بدلہ لینے کا مطلب یہ تھوڑی ہوتا ہے کہ آپ اس کی فیملی کو اس حد تک ٹارچر کرو کہ وہ خالق حقیقی سے جا ملے''۔ رطابہ کے منہ سے بات ہی بات میں وہ بات نکل ہی چکی تھی، جس کا انہیں پتہ بھی نہ چلا۔

''کیسا بدلہ..... کس قسم کا بدلہ؟ آپ مجھے کچھ بتانا پسند کریں گی؟ کیا کیا ہے ایسا کاشنہ سبحان شاہ اور اس کی بیٹی نے جس کا بدلہ لینے کے لئے اتنا بُرا طریقہ اپنایا اشعر انصاری نے؟ اور مجھے تو وہ شروع سے ہی بدتمیز لگتا ہے، ہم کچھ کہتے نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کی بدتمیزی کی خبریں ہم کو نہیں ملتیں، دور رشتے ہونے کی وجہ سے میں نے ان کو آج تک کچھ نہیں کہا، بات پوری کرو''۔ زین علی خان کے لہجے میں غصہ نمایاں تھا۔

''وہ..... بات..... یہ ہے کہ.....!''

''اگر آپ لفظوں کو ٹھیک سے ادا کر کے بیان کر دیں کہ آخر ایسا کیا ہو گیا تھا، تو بڑی ہی مہربانی ہو گی آپ کی''۔ زین علی خان بولے۔

''وہ بس میں اتنا جانتی ہوں کہ اس کو آپ کا اور کاشنہ بخاری کا شادی سے پہلے کا جو افیئر وغیرہ تھا وہ معلوم ہو گیا تھا، اور وہ سمجھتا ہے کہ آپ کا رویہ میرے ساتھ ٹھیک نہیں ہے، جبکہ ایسا بالکل نہیں ہے حالانکہ یہ تو بہت سالوں کی بات ہو گئی، جب آپ اپنے فرینڈ سے کاشنہ کا ذکر کر رہے تھے، تو میں نے سب سن لیا تھا کہ آپ اس لڑکی سے بہت محبت کرتے تھے اور کرتے رہیں گے، تو اس دن میں آپ کی خاموش رہنے والی عادت کی وجہ جان پائی تھی، شادی کو اتنے سال ہو گئے ہیں، لیکن آپ کا رویہ مجھے آج تک سمجھ نہیں آتا، اور میں نے اس بات کا ذکر آج سے پتہ نہیں کتنے سال پہلے ممی سے کر دیا تھا، یہ سوچے بغیر کہ میری ساری باتیں اشعر نے سن لی ہیں، میں سمجھی تھی کہ وہ یہ بات بھول جائیں گے، لیکن وہ تو بالکل بھی نہیں بھولے اور انہوں نے اس بات کو یاد رکھا، اور بہت بُرا انتقام لیا ہے، اس کی وجہ سے ان کے گھر میں بہت بُرا ہوا ہے، جس کا مجھے بے حد افسوس ہے، لیکن اب کیا کر سکتے ہیں، جو جس کی قسمت میں ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے، اور.....!''

''بس.....! خاموش ہو جاؤ، بے وقوف عورت! بالکل پاگل ہو تم، اگر مجھ سے شکایت تھی تو مجھے کہا ہوتا، تم کو شرم آنی چاہیے، تم کو خدا کے قہر سے ڈر نہیں لگتا؟ اگر اللہ نے تم کو بیٹی نہیں دی تو تم تو خود ایک عورت ہو، کسی بھی بیٹی کے ساتھ اگر ایسا ہو جائے تو وہ اس کی قسمت.....؟ مجھے زندگی میں دوسری بار پھر اپنی غلطی کا احساس ہو رہا ہے، ایک جب میں نے کاشی کو دھوکا دیا تھا اور ایک تم جیسی عقل سے پیدل عورت کے ساتھ شادی کر کے، بہت ہی پچھتا رہا ہوں میں آج اپنے آپ کو دیکھ کر، کاش! میں ایسا نہ کرتا''۔ وہ بہت زیادہ غصے میں تھے، آج تک ان کی کسی نے اتنی لاؤڈ لی آواز نہیں سنی تھی، ڈاکٹر اسفند، ارزل خان اور بابا جان تک جب آواز پہنچی تو وہ تینوں ان کے بیڈ روم میں بھاگے تھے، جہاں وہ ہر چیز زمین پر پھینک کر اپنا غصہ اُتار رہے تھے اور دیوار سے لگی ان کی بیوی کھڑی تھی۔

''بابا جان! دیکھیں آج اس عورت کو، آپ نے تو کہا تھا کہ یہ سیدھی سادی ہے، لیکن اس نے اپنی سادگی میں بھی کسی کا اتنا بڑا نقصان کر دیا کہ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ قسمت میرے ساتھ اس طرح کرے گی، آپ نے مجھے جو سبق دیا، میں نے پڑھ لیا، لیکن کیا والدین کو ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے فیصلے اولاد کے سر پر تھوپیں؟ کاش! ابی بی جان زندہ ہوتیں تو میں ان سے پوچھتا، معلوم نہیں میری محبت وفا میں کیا کمی اس عورت نے چھوڑی تھی، جو اتنی بڑی آگ لگ گئی اور مجھ بے خبر کو معلوم بھی نہ ہو سکا، نقصان تو ان بے قصور لوگوں کی زندگی کا ہوا ہے، ایک کے سر سے باپ کا سایہ گیا تو دوسری کا سہاگ چلا گیا، کیا کوئی اس قدر بھی بے وقوف ہوتا ہے، میں

نے ایسا کیا بگاڑا ہے کسی کا، جو ہر دفعہ اس عورت کا نقصان میرے ہی سے ہو جاتا ہے، بابا! اس دفعہ تو بڑا جان لیوا نقصان ہے اس کا خمیازہ کون بھگتے گا اور مزید ان لوگوں کی ہٹ دھرمی دیکھیں، طارم شاہ کو اس کے گھر سے اشعر صاحب کے گھر لانے کی، سیدھے سے معاملہ نمٹا لیا جاتا تو کیا ہوتا؟ اور میں ملک سے باہر تھا دنیا سے باہر نہیں چلا گیا تھا، جو یہاں اتنا سب ہو گیا مجھے انفارم تو کرنا چاہیے تھا، سمجھ نہیں آتی ہے کہ اب کیا ہو گا؟'' اتنا غصہ کر کے وہ ہانپنے لگے تھے اور بیڈ پر بیٹھ گئے۔

''بابا جان! ریلیکس، کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ اتنا غصہ نہیں کریں''۔ اسفند اور ارزل دونوں ان کے دائیں بائیں بیٹھے تھے اور زین صاحب نے اپنے بابا کو دیکھ کر کہا تھا۔

''آپ لوگوں نے میرا بہت بڑا نقصان کر دیا ہے، میں نے تو اپنے ماں باپ کے احترام میں ان کا کہا مانا تھا اور فرض کو چنا تھا، لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ جو میرے والدین کی پسند ہے اس کی وجہ سے میرا اتنا نقصان ہو گا، حالانکہ میرا 25 سال سے اس عورت سے کوئی تعلق نہیں، ہر کوئی اپنے وقت میں کسی نہ کسی کو پسند کرتا ہے، لیکن کیا یہ بات اتنی بڑی تھی، جو بغیر سوچے سمجھے اتنی بڑی سزا دی جائے؟''

''بابا پلیز! چپ ہو جائیں، آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، پانی لاؤ ارزل! جلدی سے''۔ اسفند نے اپنے والد کے ہاتھ تھام لئے اور ماں کو ایک خاموش نظر سے دیکھا تھا۔

''آج ابھی اور اسی وقت اشعر کو میرے سامنے لے کر آؤ، میں کچھ نہیں جانتا، میں ملوں گا اس سے، ذرا پوچھوں تو وہ کون ہوتا ہے کسی کو سزا سنانے والا؟'' انہوں نے فوراً اسفند کو حکم بھرے لہجے میں کہا تھا''۔

☆.....☆.....☆

اشعر کو آج ہی کورٹ سے خلع کا نوٹس ملا تھا، جس پر وہ آگ بگولہ ہوا تھا اور یسریٰ کو غصے سے کہہ رہا تھا۔

''آپ نے اتنی دیر کیوں کر دی طارم کو لے کر آنے میں؟''

''میرا اس میں کیا قصور، ان کی بیٹی ہے وہ جو چاہیں کریں اور آپ نے کون سا اچھا سلوک کیا ہے اس کے ساتھ؟'' وہ دکھ سے بولیں۔

''کچھ بھی ہو جائے، چھوڑوں گا تو میں نہیں، اس کو یہاں لا کر دکھاؤں گا''۔ وہ غصے سے بولا۔

''آپ کو کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، آئی سمجھ؟ اور جب بڑے موجود ہیں وہ خود دیکھ لیں گے، اور آپ میرے ساتھ زین بھائی کے گھر چلو، معلوم نہیں ان کے ہاں سے کال آئی ہے کہ آپ کو ساتھ لے کر آؤں، صرف آپ کی وجہ سے ہر کوئی پریشانی کی زد میں ہے، میں تو آپ کی دادو اور بابا کو بھی لے کر جاؤں گی''۔ وہ پریشان لہجے میں بولیں۔

''ان کو مجھے بلانے کا خیال کیسے آ گیا ہے، اب کون سا جذبہ جوش مار رہا ہے؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''بکواس مت کرو میرے بھائی کے خلاف اور ہاں! تیار ہو جاؤ بس، نکلنے والے ہیں ہم لوگ''۔ یسریٰ کہہ کر باہر چلی گئیں۔

''چلو آج تو face to face ملاقات ہو جائے گی، اتنے سالوں کا جو لاوا پک رہا ہے میں اس کو نکالنے میں ذرا بھی نہیں ہچکچاؤں گا''۔ ہنستے ہوئے طنزیہ لہجے میں خود سے کہا اور نوٹس کو ڈریسنگ پر رکھ دیا۔

☆.....☆.....☆

''مما! کیا وہ مجھے طلاق دے گا؟ اگر نہیں دی تو میں اس کے ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتی، آپ کو نہیں معلوم

وہ ایک سائیکی ہے، اس میں غصہ بھی بے حد ہے، اور اس نے میرے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا ہے، خدارا! آپ مجھے باہر بھجوا دیں، چلیں ہم سب دادی، دادا کے ساتھ چلتے ہیں، مما! آپ کو خدا کا واسطہ ہے، میرا اس جیسے شخص سے پیچھا چھڑوا دیں، میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں''۔ وہ بہت رو کر کہہ رہی تھی، جس پر کاشنہ نے اس کو گلے سے لگا لیا تھا اور چند قطرے آنکھوں سے ان کی نکل کر اس کی مانگ میں چلے گئے۔

''بیٹا! میں خود بے حد مجبور ہوں، مجھے خود نہیں معلوم کہ میں نے اشعر انصاری کا کیا بگاڑا ہے؟ بے فکر رہو، آج اس کو نوٹس مل گیا ہو گا، دیکھتے ہیں سعد بھائی کیا کرتے ہیں، صبر کرو''۔

''نہیں مما! مجھ سے صبر نہیں ہو گا، آپ کچھ کریں، اشعر کچھ بھی کر سکتا ہے، وہ بہت ہی نڈر ہے، اگر وہ مجھے یہاں سے لے گیا تو کیا ہو گا، میں تو اپنا فون بھی آف کر چکی ہوں، جس پر لاتعداد کالز اس کی آ چکی ہیں، آپ حرامی کو ان کے ہاں بھیجیں، وہ بات کریں، اگر آپ لوگوں نے کچھ نہ کیا تو میں خودکشی کر لوں گی''۔

''او کے بیٹا! میں کوشش کروں گی اور آپ ایسا کچھ نہیں کرو گی جس سے مجھے مزید تکلیف ہو''۔ وہ پیار سے اسے گلے لگاتے ہوئے بولیں۔

''مما! آپ کو معلوم ہے، اشعر نے مجھ سے آپ کا بدلہ لیا ہے، آپ کو اس کے ماموں پسند کرتے تھے''۔ اس نے پوری بات کاشنہ کے گوش گزار کر دی تھی۔ بات پوری کرنے کے بعد اس نے کاشنہ کی شکل دیکھی تھی جو سفید ہو رہی تھی۔

''بیٹا! آپ سے یہ سب کس نے کہا؟ یہ سب غلط ہے، مجھے بدنام کرنے کی کوئی چال ہے، جس کی زد میں آپ آ گئی ہو، میری جان! مجھے معاف کر دو، لیکن اشعر نے جھوٹ کہا ہے آپ سے، ان کے ماموں کے ساتھ میں نے پڑھا ہے بس، اور کچھ نہیں، آپ ایسا کچھ مت سوچو، جس سے آپ کو تکلیف ہو، آرام کرو، آپ کو کچھ نہیں ہو گا جب تک میں زندہ ہوں، میری عدت پوری ہو گئی ہے، ہم اپنے گھر چلیں گے''۔ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر پیار سے کہا تھا۔

☆.....☆.....☆

آج یہ سب لوگ زین سے ملنے گئے تھے، ان کو شام سے بلایا تھا، لیکن اشعر کے غصے اور نوٹس ملنے کی وجہ سے لیٹ ہو گئے تھے۔ زین نے بغیر لحاظ کئے ہی اشعر سے بات کی تھی اور کہا۔

''تم کون ہوتے ہو کسی کے معاملات میں مداخلت کرنے والے؟ اگر کوئی بات تھی تو ڈائریکٹ مجھ سے آ کر پوچھا ہوتا، یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کسی کو اس قدر اذیت دینا کہاں کا انصاف ہے، میری اور تمہاری پھپھو کا جو بھی مسئلہ ہو، تم کون ہوتے ہو کچھ کہنے سننے والے؟ ہم میاں بیوی کے درمیان آ کر تم نے کاشنہ کے گھر کو آگ لگا دی، کچھ شرم ہے تم کو؟'' وہ اس قدر اس پر غصہ ہو رہے تھے کہ سب سناٹے میں آ گئے تھے۔

''پہلی بات تو یہ میرا مسئلہ اور آپ کا مسئلہ تو رہنے دیں، آپ سے اتنے سالوں کے بعد بھی کوئی باز پرس نہ کرتا، جب آپ نے کسی کو شک ہی نہیں ہونے دیا تو پھر کوئی کیوں پوچھتا؟ اور میں آپ سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گا، مجھے کاشنہ شاہ کی بیٹی پسند تھی، میں نے عزت سے بہت دفعہ رشتہ بھیجا تھا، جب ہر دفعہ انکار آیا تو میں نے یہ انتہائی قدم اُٹھایا ہے، اور اب مجھے کچھ نہیں معلوم، میں طارم کو کسی صورت نہیں چھوڑوں گا، اور اس کو لے کر آؤں گا، آپ نے جو پھپھو کے ساتھ کیا آپ کا مسئلہ تھا، اب میں طارم کے ساتھ جو کروں گا وہ میرا مسئلہ

ہے، بات ختم''۔اس کی بات مکمل ہونے کے بعد ہی احسن نے اٹھ کر زوردار تھپڑ مارا تھا، جس پر وہ گال پر ہاتھ رکھ کر حیران سا دیکھ رہا تھا۔

''تمہاری اتنی جرأت کہ تم زین سے بدتمیزی کرو، ہم نے آج تک اس کی کوئی شکایت نہیں سنی اور نہ رطابہ نے آ کر شکایت کی، تو تم نے کس بات کو ایشو بنا کر پورے خاندان میں تہلکہ مچا دیا ہے؟ مجھے تو تم پاگل لگ رہے ہو، اور اگر اب بھی تم نہیں سدھرے تو مجھے کسی انتہائی قدم اُٹھانے پر مجبور مت کرو، جاہل لگ رہے ہو بالکل''۔معاملہ بگڑ گیا تھا، جبھی رطابہ آگے بڑھی تھیں، اور اس سے صرف اتنا کہا تھا۔

''اگر کوئی بات دل میں تھی تو اسے مجھ سے کلیئر کرتے، یہ نہیں کرنا چاہیے تھا، کیا میں اس عمر میں اپنا گھر برباد کر کے تمہارے در پر آ کے بیٹھوں تو اچھا لگے گا؟ خدارا! سب کو بخش دو، معافی مانگ لو تم سب سے، جو جس کے نصیب میں ہوتا ہے وہ اسی کو ملتا ہے اور مجھے زین سے کوئی شکایت نہیں ہے، میرا گھر برباد مت کرو''۔انہوں نے ہاتھوں کو جوڑ دیا تھا۔

''دکھ ہو رہا ہے ناں؟ جب اپنے پر بات آتی ہے، شرم کرو تم دونوں، عزت دار لوگوں کو اس طرح بدنام نہیں کرتے، اتنا تو کسی کو بھی نہیں ستانا چاہیے اور تم اپنے آپ کو اس طرح صاف رکھتے کہ نظر تو ملا سکو، میری تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، بہت خوب پرورش کی ہے یسریٰ نے تمہاری''۔انہوں نے اتنا کہہ کر کمرے سے باہر قدم نکالے تھے۔

''اور ہاں، آج کے بعد مجھے کبھی بھی اپنی شکل مت دکھانا، پھپھو کو لے کر جانا چاہتے تو لے جاؤ، مجھے رطابہ کی اب کوئی ضرورت نہیں ہے، اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے''۔اتنا کہہ کر وہ سب کو حیران و پریشان چھوڑ کر چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

''کاشنہ! اب کیسی طبیعت ہے تمہاری اور طارم کی؟ اب آرام ہے اس کو؟'' مسز بخاری اس کے روم میں داخل ہوئی تھیں۔

''ممی! میں تو لگتا ہے اب ٹھیک ہوں گی بھی کہ نہیں، لیکن طارم کا غم بہت بڑا ہے، آج اشعر کا فون آیا تھا وہ بے حد غصے میں ہے، میرا تو کوئی بھی جاننے والا نہیں ہے جس کے پاس میں طارم کو بھیج دوں، سبحان کے والدین بھی بہت پریشان ہیں، آپ بتائیں یہ سب حالات کیسے ٹھیک ہوں گے؟ اشعر نے دھمکی دی ہے کہ نوٹس واپس لیا جائے ورنہ وہ پوری کارروائی کے ساتھ آ کر طارم کو لے جائیں گے، آپ بتائیں نکاح ہو گیا ہے اور طارم پر اب صرف اسی کا حق ہے، ہم کیا کر سکتے ہیں؟ بدنامی اگر اور ہو گئی تو میرا تو دل بند ہو جائے گا سعد کو بھی بہت مشکل سے قابو میں کیا ہے، ورنہ وہ تو بالکل بھی سننے کو تیار نہیں ہیں، ان کے کوئی دوست ہیں ایس۔پی، وہ کہہ رہے ہیں ان سے بات کر لی ہے، وہ اشعر کو ضرور سبق سکھائیں گے، لیکن معاملہ بھی تو دیکھیں کورٹ میں پہنچ گیا ہے اور ہم لوگ مزید کوئی بدنامی افورڈ نہیں کر سکتے ہیں، آپ بھائی سے بات کریں ناں... نہیں تو میں شارجہ واپس چلی جاتی ہوں طارم کو لے کر''۔

''صبر کرو، کچھ نہیں ہوگا، دیکھ لیں گے اشعر کو، تم فکر مت کرو''۔عالیہ بخاری نے اس کو تسلی دی۔

☆.....☆.....☆

یسریٰ نے بابا جان سے بات کی تھی، لیکن وہ بھی چپ تھے اور احسن نے رطابہ کو اپنے ساتھ چلنے کو کہا تھا

اور کہہ دیا تھا۔

''جب غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا، تم کو بھی عقل استعمال کرنی چاہیے تھی''۔اتنا کہہ کر وہ اشارہ کر کے چلے گئے، ڈاکٹر اسفند اور ارزل بھی انہی کے ساتھ تھے، بابا جان کا ہاتھ پکڑے بیٹھے تھے۔رطابہ روتی ہوئی چلی گئی تھیں، ذکیہ بیگم نے اپنے بھائی کو افسردگی سے دیکھا تھا اور اپنی بیٹی کی حماقت پر جتنا افسوس کرتیں کم تھا، وہ اپنے بھائی کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں، انہیں زین خان بے حد عزیز تھا، لیکن اس وقت وہ خود کو بے بس محسوس کر رہی تھیں۔

''جو لوگ کسی کا بُرا صرف سوچتے ہیں قدرت ان کے ساتھ خود بُرا کر دیتی ہے''۔

''بابا! پلیز ریلیکس ہو جائیں، آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے''۔اسفند نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''تم بس میری مدد کرو، طارم شاہ کو اشعر سے چھٹکارا دلاؤ، کاشنہ کو بہت بڑا دکھ ملا ہے میری وجہ سے، جس میں اس کا کوئی قصور نہیں''۔

''او کے بابا! میں کوشش ضرور کروں گا، جو آپ کا حکم ہوگا وہی ہوگا''۔لیکن اس حکم کو ماننے سے پہلے وہ ہو گیا تھا جس کا یہ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے، قسمت کو تو کچھ اور ہی منظور تھا، طارم کے ساتھ ابھی اور بھی امتحان لینے باقی تھے، اس کے لئے اشعر نے زمین مزید تنگ کر دی تھی، جس کا ان کو علم نہ ہو سکا تھا۔

☆.....☆.....☆

یسریٰ اور ذکیہ بیگم حرا کے گھر میں تھیں، وہ بہت ہی سوچ بچار کے بعد آئی تھیں، اشعر کے مجبور کرنے پر۔

''پلیز حرا بھابی! آپ میری بات کاشنہ شاہ سے کروائیں، میں خود مل لیتی ہوں ان سے''۔کاشنہ کو جب معلوم ہوا کہ اشعر کی فیملی آئی ہوئی ہے، وہ طارم کے روم میں جا کر بند ہو گئی تھیں اور انہوں نے باہر آنے سے منع کر دیا تھا۔ڈرائنگ روم میں سب بیٹھے تھے، لیکن سب خاموش تھے، شاید یہ لوگ بہت زیادہ ہی سیدھے سادے تھے یا پھر بدنامی مزید نہیں چاہتے تھے، دکھ بھی تو بہت بڑا ملا تھا۔دادا، دادی تو بہت رو رہے تھے، کچھ کہہ نہیں رہے تھے، عالیہ بخاری نے صرف اتنا پوچھا تھا۔

''آخر بدلہ لیا بھی تو کس بات کا، میری بیٹی کا قصور بتاؤ؟'' ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، بہت سمجھایا تھا، ذکیہ بیگم نے کے طارم کا ہر طرح کا خیال رکھیں گے، لیکن سعد بخاری اور فہد نے طلاق کا مطالبہ کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا۔

''جتنی ایڑی چوٹی کا زور لگا لو، ہم طارم کو آپ کے ساتھ نہیں جانے دیں گے''۔یسریٰ کی منت سماجت کچھ کام نہ آئی اور نہ ہی ان کی کسی نے سنی تھی۔

''اچھا مجھے طارم سے ملوا دیں''۔انہوں نے افسردگی کے ساتھ کہا تھا۔

''ٹھیک ہے، اگر طارم اجازت دیتی ہے آپ سے ملنے کی تو ٹھیک ہے، آپ خود جا کر اس سے مل سکتی ہیں تو مل لیں''۔حرا نے آخر میں اجازت دے ہی دی تھی جس پر شوہر اور بیٹا غصہ ہوئے تھے۔یسریٰ نے ڈور ناک کر کے اندر داخل ہونے کی اجازت لی تھی اور طارم اور کاشنہ کو دیکھ کر ایک بار دل پھر دکھ سے بھر گیا تھا، طارم نے اس کو دیکھ کر اُٹھنا چاہا تھا، لیکن کمزوری کے باعث اُٹھنے سے قاصر تھی۔

''السلام علیکم! کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' طارم کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

''وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں اب''۔یسریٰ کو دیکھ کر طارم کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اشعر کی ماں، اتنی اچھی،

ہیں، بہت مشکل سے اس نے اپنی بات مکمل کی تھی۔

"بیٹا! میں تم سے کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں، لیکن پھر بھی میری بھی ایک بیٹی ہے بالکل تمہاری طرح، اور میں تمہارا درد محسوس کر سکتی ہوں، لیکن اگر تم ایک موقع مجھے دو تو میں تمہاری اُمید پر پورا اُتروں گی، اشعر نے جو بھی کیا میں اس کی تم سے معافی مانگتی ہوں، میں اس کی حرکتوں پر بہت شرمندہ ہوں"۔

"معاف کیجئے، لیکن میں نہیں چاہوں گی کہ طارم، اشعر کی زندگی میں رہے، میں آپ کی اور آپ کے بھائی کی ممنون رہوں گی، اگر اشعر اس کو ڈائیورس دے تو، خدارا! اس سے ہمارا پیچھا چھڑوا دیں، روزانہ اس کی دھمکی آمیز کال آتی ہے، کیسی پرورش ہے آپ کی جو اس کو کسی بڑے سے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے، اگر ہم نے اس کی کسی حرکت کا کوئی ایکشن نہیں لیا تو وہ یہ نہیں سمجھے کہ ہم ڈر گئے ہیں، یہ ہماری شرافت ہے اور اُمید کرتی ہوں آپ اس کو جا کر سمجھائیں گی اور تمیز سکھائیں گی کہ کسی بڑے سے کس طرح بات کرتے ہیں"۔ کاشنہ نے غصے سے بھرے لہجے میں کہا تھا۔ طارم اٹھ کر رونے لگی تھی کہ اتنے میں کمرے میں حرا داخل ہوئی تھیں، اور طارم کی طرف بڑھی تھیں۔

"نہیں رو اس طرح میری جان! طبیعت اور خراب ہو جائے گی"۔ حرا نے اس کو پانی پلایا تھا۔

"مجھے ڈر لگتا ہے، مجھے معلوم ہے اشعر مجھ کو یہاں سے لے جائے گا اور آپ لوگ کچھ نہیں کر سکو گے، کل میری بات ہوئی تھی اس سے، وہ کہہ رہا تھا کہ میری ماں کے ساتھ شرافت سے گھر آ جاؤ، ضد مت کرو، مما! میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں، آپ مجھے لے کر جائیں یہاں سے کہیں بھی، اشعر کی پہنچ سے دور، میں جانا چاہتی ہوں، اور آنٹی! آپ کو خدا کا واسطہ ہے، آپ اشعر کو کچھ نہیں بتائیں گی، میں نے اس کے ساتھ بہت بُرا وقت گزارا ہے، وہ مجھے نہیں چھوڑے گا"۔ اس کا رخ یسریٰ کی طرف ہو گیا جو اس کی یہ حالت دیکھ کر کچھ بھی کہے بغیر باہر کی طرف چلی گئیں۔

☆.....☆.....☆

یسریٰ نے اشعر کی ساری شکایت احسن کے سامنے کر دی تھی اور دھمکیوں کا بھی بتایا تھا، جس پر احسن بہت ہی آگ بگولہ تھے اور رطابہ سے کہنے لگے تھے۔

"دیکھ لو اپنے بھتیجے کو، ان کو اس طرح زیب دیتا ہے"۔ لیکن رطابہ تو خود مجبور تھیں، کیا کہتیں؟ کوئی بھی اشعر کو کچھ سمجھانے کو تیار نہیں تھا، وہ کسی کی بھی نہیں سن رہا تھا۔

"او کے مما! میں سمجھا آپ جا کر طارم کو لے کر آ جائیں گی، لیکن وہ لوگ اپنی ضد نہیں چھوڑ سکتے تو پھر میں بھی کسی سے کم نہیں ہوں، اب میں وہ کروں گا جو مجھے سوٹ کرے گا، اور کوئی مجھے نہیں روک سکتا"۔ وہ نہایت ہی غصے اور بے ادبی سے کہہ رہا تھا۔

"تم ایسا کچھ نہیں کرو گے، طارم کی حالت ٹھیک نہیں ہے، میں اور آپ کی دادی مل کر آئے ہیں، آپ سمجھتے کیوں نہیں ہو؟ وقت گزرنے دو تھوڑا بیٹا! سب ٹھیک ہو جائے گا، یہ کیسی آپ کی محبت ہے جو اس کو اتنی تکلیف دے رہے ہو؟ پاؤں دھرنے کو زمین تو دو، بیٹا! میرے بھی آگے ایک بیٹی ہے، تم سمجھو میری بات کو"۔ یسریٰ نے بے بسی سے کہا تھا اور عشم اور عریشہ کو دیکھنے کے بعد احسن کی طرف رخ کیا جو بہت خاموش تھے۔

"بس مما! جتنا ٹائم دینا تھا دے دیا اور میں بھی دیکھ لوں محترمہ کو ایسی کون سی بیماری لگ گئی ہے جو وہ ٹھیک نہیں ہو رہی ہے، میں وہ کروں گا جو میرا دل چاہے گا، آپ بے فکر رہیں، اس کو اتنی آسانی سے نہیں چھوڑوں گا"۔ اتنا کہہ کر وہ رُکا نہیں، فون کان سے لگا کر باہر چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

"پہلے میں جاتا ہوں اگر کوئی ایسی بات ہوئی تو آپ لوگ آنا"۔ لیکن اس کا دوست ایس۔ پی نہیں مان رہا تھا وہ سب کو ساتھ لے کر گیا تھا، گھر میں صرف کاشنہ، طارم، حرا اور عالیہ بخاری کے علاوہ کوئی نہیں تھا، سب اپنے اپنے کام پر تھے کہ اشعر انصاری لیڈی پولیس کے ساتھ ان کے گھر طارم کو لینے آیا تھا، اس طرح سے اس کو دیکھ کر سب حیران رہ گئے تھے اور حرا نے اشعر کو بہت سمجھایا تھا کہ کسی کی عزت سے اس طرح نہیں کھیلا جاتا، لیکن وہ بالکل بھی نہیں سن رہا تھا۔ لیڈی پولیس فوراً طارم کے روم میں چلی گئی تھی اور اس کو احتیاط سے باہر لے کر آئی تھی، اشعر کی جیسے ہی اس پر نظر پڑی تو ایک لمحے کو وہ بھی چونک گیا تھا، بالکل زرد اور کمزور آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے، جو اس کی آنکھوں پر نمایاں تھے، وہ واقعی میں اس طارم سے مختلف لگ رہی تھی جس کو دیکھ کر اس نے پسند کیا تھا، پھر بدلہ لینے کا سوچا تھا۔

"میں آپ کو اسے لے کر جانے نہیں دوں گی، خدارا! یہ بہت بیمار ہے، میں مر جاؤں گی اس کے بغیر، میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں، اس کا اور میرا تو کوئی قصور نہیں ہے، مت دو ہم کو اتنی سزا"۔ کاشنہ نے اس کو بہت سمجھایا تھا، طارم بھی رونے لگی اور اپنی ماں کو دیکھ کر صرف اتنا کہا تھا۔

"میں آپ کو کہہ رہی تھی ناں کہ یہ شخص کچھ بھی کر سکتا ہے، مامی! آپ بھی کچھ نہ کر سکیں ناں؟" اتنا کہہ کر وہ بے ہوش ہونے لگی تو لیڈی پولیس اس کو سہارا دے کر باہر لے گئی۔

"میں صرف اتنا کہوں گا بے فکر رہیں، میں اس کا ہر طرح سے خیال رکھوں گا، لیکن میں اس کو چھوڑ نہیں سکتا"۔ اتنا کہہ کر وہ اپنی گاڑی کی طرف چلا گیا، جہاں طارم کو بٹھایا جا چکا تھا۔

"رُک جاؤ اشعر! خدارا....!" اتنا کہہ کر کاشنہ گر پڑی تھیں اور حرا دوڑتی ہوئی اس تک پہنچی تھیں، مگر وہ گاڑی آگے بڑھا چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

طارم شاہ کو وہ اپنے اسی گھر میں لے کر آ گیا تھا اور نہایت ہی آرام سے لٹا دیا تھا پھر ڈاکٹر کو کال کر کے بلوا لیا تھا، وہ انجکشن لگا کر چلا گیا تھا۔ اشعر تھوڑی دیر طارم کی شکل دیکھتا رہا تھا، پھر کسی کام سے روم سے باہر جا کر بیٹھ گیا تھا۔

ڈاکٹر نیہاں جو کہ ابھی راؤنڈ لے کر آئی تھی، ان کو اطلاع مل گئی تھی، ایمرجنسی میں ڈاکٹر اسفند ان کو بلا رہے ہیں، لیکن جب اس نے اپنی ماں کو دیکھا تو ایک بار پھر اپنے آپ کو ٹوٹتا ہوا فیل کر رہی تھی، اس کے کولیگ نے اس کو سہارا دیا تھا اور ڈاکٹر اسفند نے بھی اس کو سائیڈ میں کرنے کے بعد ٹریٹ کیا تھا، ان کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا باہر سب ایک مرتبہ پھر پریشان کھڑے تھے۔ ڈاکٹر نیہاں بُری طرح روتی ہوئی باہر نکل کر عالیہ کے گلے لگی تھی۔

"نانو! ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ ہم کو اور کتنے دکھ ملنے ہیں؟ ہم میں اب مما کو کھونے کا حوصلہ نہیں ہے"۔ اس کو اس طرح روتے دیکھ کر تمام عملہ آ گیا تھا اور اس کو تسلی دے رہا تھا۔ فہد بخاری کسی کو بھی بتائے بغیر یسریٰ کے گھر میں موجود تھا اور احسن سے طارم کو اسپتال لے جانے کو کہا تھا، جس پر انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔ فہد نے ساری بات بتائی تھی اور اشعر کو جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی، رطابہ نے آگے بڑھ

کرازذل خان کو دیکھا تھا، جو دروازے میں کھڑا سب سن رہا تھا۔

''فہد! اب تم مجھے بتاؤ، کیا کیا ہے اشعر نے؟'' ارذل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا تھا، اور دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران رہ گئے تھے، کیونکہ دونوں نے ایک ساتھ ہی پڑھا تھا، اور دوست رہ چکے تھے، کافی عرصے کے بعد مل رہے تھے، ارذل اس کو باہر لے کر چلا گیا تھا اور فہد نے اپنی پھپھو کی پوری اسٹوری سنا دی کہ اشعر نے کیسے ان لوگوں کو تنگ کیا تھا۔ ارذل اس کو گھر لے کر آ گیا اور زین سے ملوایا تھا، جس نے فہد کو ہر بات سچ بتا دی تھی، اتنے میں فہد کے پاس حرا کی کال آئی تھی، وہ اسے فوراً بلا رہی تھیں۔

''ارذل! اگر تم کو طارم کا معلوم ہے کہ اشعر نے اس کو کہاں رکھا ہے تو اسے پھپھو سے ملوانے کے لئے لے آؤ، ان کی طبیعت بہت خراب ہے ان کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا ہے''۔ اپنا نمبر دے کر وہ چلا گیا۔

''ارذل! اشعر، طارم کو کہاں لے کر جا سکتا ہے، تم کو معلوم ہے کچھ؟'' زین نے سوالیہ نظروں سے اس کو دیکھا تھا۔

''بابا! آپ فکر مت کریں، میں کچھ کرتا ہوں''۔ ارذل ان کو تسلی دیتے ہوئے بولا۔

☆.....☆.....☆

طارم کی آنکھ کھلی تو اس کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ کہاں ہے، اور اس نے اُٹھنے کی جیسے ہی کوشش کی چکر کی وجہ سے دوبارہ لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔

''اُٹھ گئیں تم، اور کیسی طبیعت ہے اب؟ اور پلیز کچھ کھا لو، پھر دوا لو، تاکہ جلد سے جلد ٹھیک ہو جاؤ''۔ اشعر انصاری نے اس کے برابر میں بیٹھ کر کہا تھا اور اسے سہارا دینا چاہا تھا، لیکن طارم نے اس کے ہاتھ کو جھٹک دیا تھا۔

''اُف..... اتنا غصہ..... ابھی تک غرور ختم نہیں ہوا، اتنا کچھ ہو گیا ہے، لیکن تم ماں بیٹی کا طنطنہ ختم نہیں ہوتا، تمہیں معلوم ہے کہ میں زیادہ نخرے برداشت نہیں کرتا ہوں اور اب آج کے بعد آپ یہاں سے نہیں جا سکتی ہو، اب ہمیشہ کے لئے ادھر ہی رہو گی، اُٹھو اور کچھ کھاؤ''۔

''نہیں کھاؤں گی، چاہے مر ہی کیوں نہ جاؤں، تم مجھے چھوڑ کر آؤ گھر، ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہو گا''۔ اتنا ہی کہہ کر اس کا سانس اُکھڑنے لگا تھا۔

''پلیز! یہ بیمار رہ کر لڑنے میں کوئی مزہ نہیں ہے، مزہ تو برابری میں آتا ہے، میں بوا کو بھیج رہا ہوں ان سے دوا کھا لینا، ورنہ تم کو معلوم ہے اگر میں نے زبردستی کچھ کیا تو تمہیں اچھا نہیں لگے گا کہ میں خود آپ کو اپنے ہاتھوں سے کھلاؤں''۔ اتنا کہہ کر وہ اس کے گال تھپتھپا کر چلا گیا۔ بوا آ چکی تھیں اور وہ بے حد کوشش کر رہی تھیں کہ وہ کچھ کھا لے، لیکن وہ مسلسل انکاری تھی۔

''بوا! میں آپ کی احسان مند رہوں گی، آپ کو پیسے بھی دوں گی، بس آپ مجھے یہاں سے نکال دیں، آپ مجھے اپنی بیٹی سمجھیں، میری ماں بہت بیمار ہے، وہ یہ صدمہ نہیں سہہ سکتی ہے، میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں، مجھ پر رحم کھائیں''۔

''نہیں بیٹا! ایسا نہ کرو، ہم مجبور ہیں، ہم یہ سب نہیں کر سکتے ہیں، جب تک کچھ کھاؤ گی نہیں تو ٹھیک کیسے ہو گی؟ اگر مقابلہ کرنا بھی ہے تو کچھ کھا تو لو، تاکہ صحت یاب ہو جاؤ''۔ بوا نے اس کو بہلا کر کھانا بھی کھلایا اور دوا لے کر سُلا کر چلی گئی تھیں۔

''بوا کچھ کھایا اس نے، دوادی آپ نے؟'' اس کے لہجے میں بے قراری جھلک رہی تھی۔

''ہاں بیٹا! کھلایا ہے، اب آپ بے فکر رہو، ٹھیک ہو جائے گی وہ''۔ بوا اُسے تسلی دیتے ہوئے بولیں۔

☆.....☆.....☆

اسفند، زین کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا اور کاشنہ کی طبیعت کا بتا رہا تھا، جس کو سن کر زین کو بے حد افسوس بھی ہوا تھا۔

''بابا! آپ کو معلوم ہے طارم کو پہلی نظر میں پسند کیا تھا میں نے اور یہ بات اشعر کو معلوم ہو گئی تھی، اس کے باوجود اس نے طارم سے نکاح کیا اور اب تو حد ہی کر دی، اس کو دوبارہ معلوم نہیں کس جگہ لے گیا ہے، طارم کے گھر والے بہت پریشان ہیں، لیکن اشعر کسی کی بھی نہیں سُن رہا ہے اور صرف اپنی کر رہا ہے، بابا! اگر مما بھی اس سب کام میں ملی ہوئی ہیں تو انہوں نے بھی بہت بُرا کیا ہے، مجھے دلی افسوس ہے، میری دعا ہے کہ طارم کو کچھ نہ ہو''۔ اس کے لہجے میں طارم کے لئے بے حد احترام اور محبت تھی۔

''بیٹا! اگر ایسا تھا تو آپ نے کیوں کسی سے کچھ نہ کہا؟ آپ کو بات تو کرنی چاہیے تھی اور کیا کسی کو معلوم نہیں کہ اشعر نے طارم کو کہاں رکھا ہے؟'' انہوں نے اس سے پوچھا تھا۔

''نہیں بابا! ارذل، فہد، عشم، احسن انکل سب کوشش میں لگے ہوئے ہیں، کچھ معلوم نہیں کہ کہاں لے کر گیا ہے اشعر اُسے''۔

''او کے بیٹا! اگر آپ سب بے خبر ہو تو میں نہیں، میں نے اپنی ایک جاننے والے سے سب معلوم کر لیا ہے کہ وہ کہاں ہے، شاید اشعر کی یہ ناسمجھی ہے کہ ہمارے وفادار گاؤں کے ملازم اس کی رکھوالی کریں گے، ابھی صرف میں جاؤں گا اور آپ کسی کو نہیں بتائیں گے کہ میں کہاں ہوں، یہ بات راز میں رکھنا اور مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ اشعر کی بہت سے لوگوں سے دشمنی بھی ہے، وہ ہر کسی سے تو لڑ پڑتے ہیں، اب آپ فکر مت کرو، میں طارم کو لے کر آؤں گا اور کاشنہ کے حوالے ضرور کروں گا، ابھی مجھ میں بہت دم ہے''۔ انہوں نے اسفند کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

☆.....☆.....☆

کاشنہ کو آج ڈسچارج کیا جا چکا تھا، وہ نہایت ہی افسردہ تھیں کسی سے بھی بات نہیں کر رہی تھیں، حراسب نے کوشش کر لی کہ وہ کچھ باتیں کریں، لیکن انہوں نے اپنے ساس، سسر کے ساتھ اپنے گھر شفٹ ہونے کی اجازت مانگی تھی، جس پر سب ہی بہت مشکل سے راضی ہوئے تھے۔ فہد تو روز ان سے ملنے جاتا تھا، اور ارذل سے کانٹیکٹ میں بھی تھا، لیکن کچھ معلوم نہ ہو رہا تھا، جیسے اشعر انصاری سب کے لئے چیلنج بنتا جا رہا تھا، کسی کو اس کے گھر کا پتہ نہ چل سکا، سوائے ایک فرد کے، جو بہت ہی مشکل سے اس تک پہنچے تھے کہ راستے میں ان کو ایک لڑکی سامنے سے بھاگتی ہوئی نظر آئی اور ان کی گاڑی سے ٹکرا کر تھوڑی سی دور جا کر گری تھی۔

''ارے کون ہو آپ، اور اتنی سنسان جگہ پر اکیلی کیا کر رہی ہو؟'' زین علی خان جو کہ اشعر کے گھر تک پہنچنے والے تھے، لیکن وہاں ایک لڑکی کو دیکھ کر رک گئے۔

''پلیز! آپ میری مدد کریں، مجھے یہاں سے نکال کر لے چلیں، میں جانا چاہتی ہوں یہاں سے دور، آپ کو واسطہ ہے خدا کا، میں آپ کو سب بتا دوں گی''۔ اس نے عجلت میں کہہ کر پیچھے دیکھا اور گاڑی میں بیٹھ

گئی تھی۔ زین علی خان اس کو دیکھ کر پہچان گئے تھے کہ یہی طارم ہے، لیکن انہوں نے کچھ کہا نہیں تھا، اس کے پورے نقوش کاشنہ کی طرح تھے۔

''اوکے بیٹا! آپ آؤ میرے ساتھ''۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر اس کو بیٹھنے کو کہہ کر گاڑی کا رُخ اپنے گھر کی طرف کر دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

آج ڈاکٹر نیہاں نے ڈاکٹر اسفند کے روم میں داخل ہونے کی اجازت لی اور بات شروع ہی کی تھی کہ ڈاکٹر اسفند نے ان کو اپنے بابا کی کال کے بارے میں بتایا اور راز میں رکھنے کو کہا تھا۔

''آپ ابھی کسی سے ذکر مت کیجئے گا، طارم بابا جان کے ساتھ راستے میں ہے اور میں آپ کو اس سے ملوانے لے کر جاؤں گا''۔ ڈاکٹر نیہاں نے فہد بخاری کے ساتھ ان کے گھر شام کو آنے کا کہا تھا کیونکہ ابھی وہ ڈیوٹی پر تھیں۔

''اوکے، آپ شام کو یہیں سے میرے ساتھ چلیئے گا، کیونکہ میں ابھی یہیں پر ہوں''۔ ڈاکٹر اسفند بولے۔

☆.....☆.....☆

زین علی خان اس کو نہایت ہی محبت سے اپنے گھر لے کر آ گئے تھے اور اس کو تھوڑا سا ریسٹ کرنے کو کہا تھا، لیکن اس کی طبیعت بہت خراب تھی، اس لئے وہ منع کر رہی تھی، زین کے والد سے بھی اس کی ملاقات ہوئی تھی، جس پر وہ طارم کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے اور اشعر پر بے حد غصہ محسوس کر رہے تھے، ان لوگوں کو اسفند کا انتظار تھا، کیونکہ وہ ڈاکٹر نیہاں اور فہد کے ساتھ آ رہا تھا۔

''طارم جو کچھ بھی کھا پی نہیں رہی تھی، زین علی خان نے اس کو بتا دیا تھا کہ وہ کون ہے، جس پر وہ حیران نظروں سے ان کو دیکھ رہی تھی۔

''پلیز انکل! آپ اشعر سے میرا پیچھا چھڑوا دیں، وہ ذہنی مریض ہے، اس کا Behaviour میرے ساتھ بالکل بھی اچھا نہیں ہے، اس نے مجھے بہت ٹارچر کیا ہے کہ مجھے زندگی سے نفرت سی ہونے لگی ہے، لیکن میری مما مجھے بہت عزیز ہیں، وہ میرا انتظار کر رہی ہوں گی اور ان کی طبیعت بابا جان کے انتقال کے بعد سے ٹھیک نہیں رہتی ہے، آپ کی بہت مہربانی ہوگی آپ مجھے گھر چھوڑ دیں''۔

''اوکے بیٹا! آپ گھبراؤ نہیں، آپ کو کچھ نہیں کیا جائے گا، میں آپ کو چھڑوا دوں گا، آپ کی بہن اور بہنوئی آنے والے ہیں''۔ اتنے میں پورچ میں اسفند کی گاڑی آ کر رکی تھی، ان کے پیچھے فہد کی گاڑی تھی۔

''لو بیٹا! آ گئے وہ لوگ''۔ زین علی خان نے دروازے کی طرف دیکھ کر اس کو کہا، طارم کی نظر جیسے ہی ان دونوں پر پڑی وہ دوڑ کر ان تک پہنچی تھی، اس کی بے قراری ڈاکٹر اسفند نے واضح طور پر دیکھی تھی۔

''نیہاں! مجھے لے کر چلو یہاں سے، اشعر کی پہنچ سے بہت دور، پاکستان میں تو سب ایک دوسرے کو تنگ کرتے ہیں، فہد! چلو مجھے لے کر تم، یہاں سے جلدی چلو، اشعر کو معلوم نہ ہو جائے، کیونکہ یہ لوگ اسی کے رشتہ دار ہیں''۔ اس نے روتے ہوئے رُخ اپنا اس کی طرف کیا اور بے ہوش ہو گئی تھی، اس نے فوراً ہی اسے سہارا دے اور صوفے پر لٹا دیا تھا، نیہاں نے اسفند کی طرف رخ کیا اور اس کو دیکھنے کو کہا تھا۔

''یہ کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہیں، انجکشن لگا دیا ہے میں نے، ان کو تھوڑی دیر میں ہوش آ جائے گا، بابا

انہوں نے کچھ کھایا تھا؟ آپ نے کچھ کھلایا تھا ان کو؟'' اپنے بابا کو مخاطب کرنے کے بعد انہوں نے ایک نظر طارم کو دیکھا تھا۔

''نہیں بیٹا! بے حد ڈری ہوئی ہے، اس وجہ سے کچھ نہیں کھایا، آپ کچن میں جا کر بوا سے ان بچوں کے لئے کچھ منگواؤ''۔ زین نے نیہاں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں انکل! اب ہم چلیں گے، اور حالات اتنے ٹھیک نہیں ہیں کہ ہم طارم کو لے جائیں، اشعر کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، اگر آپ بُرا نہ مانیں تو اس کو یہیں رکھیں، تاکہ ہم پر اشعر کو شک نہ ہو، ہم کچھ نہ کچھ تو کریں گے، میں پھپھو کو لے کر آؤں گا طارم سے ملوانے تاکہ ان کو سکون مل جائے''۔ فہد نے افسردگی سے بات مکمل کی۔

''نہیں، میں آپ کو اس طرح نہیں جانے دوں گا، اور آپ تھوڑا انتظار کرو طارم کو ہوش میں آنے دو، تاکہ اس کو بھی آپ پوری بات سمجھاؤ اور کچھ کھلا دو''۔ طارم کو ہوش آیا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور گھر چلنے کی ضد کر رہی تھی، سب اس کو دیکھ رہے تھے، فہد نے ہی اس کو سمجھایا تھا اور پھر وہ یہاں رُکنے کو تیار ہو گئی تھی، کھانا بھی آرام سے کھا لیا تھا، اور وہ لوگ اس کو تسلی دے کر چلے گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

فہد نے سعد اور یسریٰ کو یہ بات بتانے سے منع کیا تھا، وہ صرف اور صرف کاشنہ کو بتانا چاہتے تھے اور ان کو بتا بھی دی تھی، کاشنہ ملنا بھی چاہتی تھیں، لیکن منہ سے بول نہ پائیں کہ وہ زین کے گھر کی پناہ میں تھی۔ زین نے اس کی فون پر بات کروا دی تھی، جس سے سب تسلی میں تھے اب اشعر کا کچھ کرنا تھا۔

☆.....☆.....☆

اشعر بالکل پاگل ہو رہا تھا اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ طارم چلی جائے گی، جبکہ وہ تو بہت بیمار تھی اور دونوں میاں بیوی جو ملازم تھے وہ بھی غائب تھے، ان کو بھی وہ ڈھونڈ رہا تھا، لیکن وہ دونوں اس کی پہنچ سے دور تھے، اس نے اپنے لوگوں کو طارم کو سب جگہ دیکھنے کا کہا کہ شاید ابھی راستے ہی میں ہو، اس کو تو راستے کا علم بھی نہیں تھا، اشعر نے سوچ لیا تھا۔

''طارم! ایک دفعہ مجھے مل جاؤ، میں تمہارا وہ حال کروں گا کہ تم خود اپنے لئے موت مانگو گی''۔ وہ بے حد غصے میں پاگل ہو رہا تھا، اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، اس نے ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کو کہا اور گھر کی طرف گاڑی کا رُخ کر لیا، کم از کم اس کو 2 سے 3 گھنٹے لگے تھے کراچی پہنچنے میں، وہ بے حد غصے میں اندر داخل ہوا تھا، جہاں پر سب ہی بیٹھے تھے اور اس کو انتہائی غصے میں دیکھ کر چونک گئے تھے۔

''مما! جلدی بتائیں طارم کہاں ہے؟ اگر مجھ سے کسی نے بھی جھوٹ کہا تو میں چھوڑوں گا نہیں''۔ اس کے منہ میں جو آ رہا تھا وہ بغیر سوچے سمجھے بول رہا تھا۔

''یہ کس طرح تم سب سے بات کر رہے ہو؟ ہم سے یہ سب ڈرامہ کرنے کا مقصد بتاؤ؟ جبکہ طارم کو تم لے کر گئے ہو اور ہم سے ہی جھوٹ بول رہے ہو، کہاں رکھا ہے تم نے اس کو؟ اس کے گھر میں کیا قیامت برپا کی ہے تم نے، کبھی سوچا ہے تم نے؟ انتہائی گھٹیا انداز اپنایا ہے تم نے، اگر سب کچھ تمیز کے دائرے میں کر لیتے تو کیا جاتا؟ لیڈی پولیس کی کسٹڈی میں تم طارم کو لے کر گئے ہو، نامعلوم کس جگہ پر اور ہم سے بکواس کر رہے ہو''۔ احسن نے بھی بھرپور غصہ دکھایا تھا کہ ان کو عثمم نے ہی پیچھے کیا تھا۔

''بابا! آپ تو بات ہی مت کریں، ہر وقت طنز کرتے رہتے ہیں، میں کوئی جھوٹ تھوڑی بول رہا ہوں،

طارم میرے پاس نہیں ہے، وہ میرے گاؤں والے گھر سے کہیں چلی گئی اور معلوم نہیں کہاں ہے، میں بہت پریشان ہوں اور اوپر سے آپ کی طنزیہ گفتگو.....!'' اس کا رُخ اپنی ماں کی طرف ہوا۔

''آپ معلوم کریں طارم کے گھر والوں سے کہ وہ کہاں ہے؟ اگر وہ اب مجھے مل جائے تو میں اس کا وہ حال کروں گا کہ دنیا دیکھے گی''۔ وہ بھناتا ہوا باہر چلا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

طارم بالکل خاموش بیٹھی ہوئی تھی اور دادا جان اس کے برابر میں بیٹھے T.V دیکھ رہے تھے، اتنے میں زین طارم کے برابر میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔

''کیا سوچ رہی ہو میری بیٹی! اور اتنی چپ کیوں ہو؟ کیا کسی نے کچھ کہہ دیا ہے؟''

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے، وہ میں سوچ رہی تھی کہ اگر اشعر یہاں بھی آ گیا تو کیا آپ مجھے جانے دیں گے اس کے ساتھ؟'' اتنا کہہ کر اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔

''فضول باتوں پر دھیان مت دو، اچھا اچھا سوچو، کچھ نہیں ہوگا آپ کو، اور میں وعدہ کرتا ہوں آپ کو اس کے ساتھ نہیں جانے دوں گا''۔ اسفند جو اپنے روم سے نکل رہے تھے انہوں نے بھی اس کا ڈر محسوس کیا تھا اور اسی کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ ارذل خان گرم گرم چائے اور اس کے ساتھ بہت سارے لوازمات سجا کر لایا تھا۔

''لیجئے طارم! یہ میں نے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں، صرف آپ کے لئے، انہیں کھائیں اور بتائیں کیسے بنے ہیں؟''

''یہ کام کب سے شروع کیا تم نے؟ اور کون سی شاپ پر بیٹھ کر بناتے ہو؟ اور گھر بھی لاتے ہو''۔ اسفند نے مسکرا کر اس کی پول کھولی تھی۔

''بھائی! آپ سے تو کوئی بات بھی ہضم نہیں ہوتی ہے، اگر میں نے کہہ دیا تھا تو آپ کو اتنی گہرائی میں جانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''بری بات بیٹا! اگر یہ باہر سے آئے ہیں تو ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کیا؟ کہ بازار اور گھر کی چیزوں میں کچھ تو فرق ہوتا ہے''۔ زین نے ہنس کر طارم کو پلیٹ بنا کر دی۔

''نہیں انکل! میں یہ اتنا سب نہیں کھا سکتی ہوں''۔

''ارے میری بچی! کچھ نہیں ہوتا، کھا لو، جان بناؤ''۔ دادا نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

''چلو بھئی طارم! اب بات ختم، اب جلدی سے کھاؤ، پیو اور مجھے دعا دو''۔ ارذل نے جلدی سے زین سے پلیٹ لے کر اس کے ہاتھ میں تھمائی تھی۔

☆.....☆.....☆

کاشنہ کو جب سے معلوم ہوا تھا کہ طارم خیریت سے ہے تو وہ بہت خوش تھیں، ان کی بہت بار طارم سے بات ہو چکی تھی۔ اشعر انصاری نے آج پھر خود حرا کو کال کی تھی، جس پر اس نے بھی لاعلمی ظاہر کی تھی، اس نے ڈاکٹر اسفند کے پیچھے اپنا آدمی چھوڑا ہوا تھا، جو نیہاں کو لے کر اپنے گھر آج گئے تھے اس کی خبر ان کے ساتھی نے دے دی تھی، اور پھر نہایت ہی غصے میں خود ڈرائیو کرتا ہوا جا رہا تھا اور اس قدر عجلت اور وحشیانہ انداز تھا ڈرائیونگ کا کہ ہر سگنل کو توڑتے ہوئے کراس کر رہا تھا، لیکن شاہد یہی اس کی جلد بازی، اس کی جان لے گئی تھی

اور انتہائی بُرا ایکسیڈنٹ ہوا تھا، ہائی وے پر ایک ٹرک سے اس کی جان نہ بچ سکی تھی، ہاسپٹل لے کر جانے والا بھی کوئی نہیں تھا، وہیں موقع پر ہی جان نکل گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

آج اشعر انصاری کو گزرے ہوئے 3 دن ہو گئے تھے اور یسریٰ کا تو بہت ہی بُرا حال تھا، لیکن اشعر نے جو دکھ سب کو دیا تھا اس کا کوئی مداوا نہیں کر سکتا تھا، ہر آنکھ اشکبار تھی، لیکن کہنے والوں نے کہہ دیا تھا کہ ''برے کا انجام بُرا ہی ہوتا ہے'' اشعر ایک سائیکی مریض تھا، بدلہ لینے کی دھن میں وہ اس قدر دیوانہ ہو گیا تھا کہ اس نے کچھ بھی نہیں سوچا تھا، رطابہ کو بھی دلی افسوس تھا کہ چھوٹی سی بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

طارم کی عدت میں 10 دن باقی تھے اور وہ اپنی ماں ہی کے پاس تھی، اس کی ماں کو بھی افسوس تھا، جو اللہ تعالیٰ کرتا ہے بہتری کے لئے ہی کرتا ہے، سب اسی میں صبر کر کے بیٹھے تھے، زین نے بھی طارم کی پوری فیملی سے معافی مانگی تھی اور ہر کوئی ان سب کو معاف کر چکا تھا، زین علی خان نے طارم کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہہ بھی دیا تھا کہ یہ آج کے بعد سے میری بیٹی ہے اور اس کا ہمیشہ خیال رکھنے کا وعدہ بھی کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

فہد اور نیہاں کو بھی طارم کی فکر لگ گئی تھی اور نیہاں نے گھر میں ذکر کر دیا تھا کہ ڈاکٹر اسفند، طارم سے شادی کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہ کس طرح سے رشتہ بھیجیں؟ لیکن یہ مسئلہ کوئی بھی حل نہ کر سکا تھا، کیونکہ کاشنہ، طارم کو اب اپنے سے جدا نہیں کرنا چاہتی تھیں، ان کا بھی ٹھیک کہنا تھا کہ ابھی وہ بہت بڑے کرائسس سے گزری ہے اور مزید وہ اشعر کے خاندان کو کوئی بھی موقع نہیں دینا چاہتی تھیں۔

☆.....☆.....☆

زین نے کاشنہ سے بات کرنے کا سوچا تھا، لیکن ان کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، پھر بھی آج وہ خود طارم سے ملنے کے بہانے آ گئے تھے اور آج وہ دونوں 26 سال کے بعد روبرو تھے ایک دوسرے کے۔

''السلام علیکم! کیسی ہو کاشنہ؟'' زین نے ان کو احترام سے مخاطب کیا۔

''وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں، آپ یہاں کیسے آئے ہیں، کوئی کام تھا کیا؟ ایک بار پھر تم مجھے کیوں آزمانہ چاہتے ہو، اتنی بھی زمین مجھ پر تنگ مت کرو، پہلے ہی ایک ناکردہ گناہ کی سزا بھگت کر بیٹھی ہوں، جس کا مجھے علم بھی نہیں تھا، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ پاکستان میں مجھے اس قدر تنگ کیا جائے گا تو میں کبھی اس سرزمین پر قدم نہ رکھتی، لیکن آج بھی یہاں دلوں میں دھوکے ہیں، نفرت ہے، بیچ راستے میں ہاتھ کو چھوڑ کر آرام سے گزر جانا تو دستور ہے آپ جیسے لوگوں کا''۔ اس نے بہت ہی گہری بات کی تھی۔

''میں تم سے بہت شرمندہ ہوں، جتنی بھی معافی مانگوں کم ہے، میں تمہاری تکلیف کا مداوا تو نہیں کر سکتا، لیکن اگر قدرت نے مجھے ایک موقع جو دیا ہے میں اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں، تمہارا میں نے بہت نقصان کیا اور میرے بھانجے نے، لیکن وہ تو اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے، کیا تم نے سوچا کے طارم کا اب کیا ہوگا؟ اس کی محبت مجھے آج تمہارے سامنے لے کر آئی ہے، میں تم سے دست سوال ہوں، خدارا! مجھے مایوس مت کرنا، اگر اسفند نے مجھے یہ بات بہت پہلے بتا دی ہوتی تو میں ضرور اشعر سے پہلے یہاں آ جاتا، میں بہت اُمید لے کر یہاں تک آیا ہوں، رہ گئی میری بیوی کی بات، تو بے فکر رہو، وہ اب صرف میری کاغذی بیوی رہ گئی

ہے اور اپنے میکے میں ہے، میں اس سے اب کوئی تعلق بھی نہیں رکھنا چاہتا ہوں، میں نے بھی اپنی بہن ماں باپ کی محبت میں آ کر قربانی دی تھی، یہ بات میں تم کو بتانا چاہتا تھا، لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی، میں چاہتا تھا کہ تم مجھے بے وفا، دھوکے باز سمجھو، تاکہ مجھ سے نفرت ہی کے چکر میں تم اپنی زندگی ڈاکٹر سبحان کے ساتھ اچھی گزارو، لیکن شاید ڈاکٹر صاحب کا ساتھ یہیں تک تھا اور میں آج بھی تمہارا احترام کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا، تم نے اپنی دونوں بیٹیوں کی پرورش بہت اچھی کی ہے، دیکھ لو میں نے تم کو دھوکہ دیا تھا جبھی رب نے مجھے بیٹی جیسی نعمت سے محروم رکھا ہے، میں تم کو مجبور نہیں کروں گا، لیکن میں طارم کو تم سے مانگتا ہوں، میں پھولوں کی طرح اس کو رکھوں گا، انکار مت کرو، کیونکہ میں اس کو اپنے گھر میں اسفند کی دلہن کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہوں، میں نے اپنے ساتھ انصاف نہیں کیا، لیکن اسفند کو انصاف ضرور دلواؤں گا، تم جو کہو گی کروں گا، اور مجھے معاف ضرور کرنا تاکہ جو میری روح پر بوجھ ہے وہ ختم ہو جائے''۔ انہوں نے بہت ہی مان سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

''تمہاری بیوی کیوں نہیں آئی؟ میں اپنے پر کوئی الزام برداشت نہیں کروں گی، جب عمر کا آخری حصہ ہے، جس میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کی بے حد ضرورت ہوتی ہے تو تم نے اسے کیوں چھوڑا؟ اور میں نہیں چاہوں گی کہ میری بیٹی کو عمر بھر تمہارے اور میرے حوالے سے طعنے پڑیں''۔

''غلط، بالکل غلط، ہمارے ہاں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اس طرح کی حرکت کرے، تم مجھے یہ آخری اعتبار سونپ دو، میں یقین دلاتا ہوں تمہاری ہر امید پر پورا اتروں گا''۔ زین کو وہ نیم رضامند سی نظر آ رہی تھیں، لیکن بہت مشکل مرحلہ لگ رہا تھا ان کو۔

''اوکے! میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتی ہوں، طارم ہی فیصلہ کرے گی اور جو اس کا فیصلہ ہوگا مجھے منظور ہے''۔ انہوں نے بھی آخر ہتھیار ڈال دیئے۔

''پہلی بات یہ کہ تم رطابہ کو معاف کر دو اور گھر لے آؤ اور جو عزت دیتے تھے اس کو ویسے ہی دو، وہ مجھ سے اپنے کیئے کی معافی مانگ چکی ہے، اور میں نے اس کو دل سے معاف کر دیا ہے، تم بھی معاف کر دو، ہر کسی سے غلطی ہوتی ہے، انسان تو خطا کا پتلا ہے''۔ اس نے بھی بہت امید سے کہا تھا۔

''اگر یہ تمہاری خواہش ہے تو میں ضرور پوری کروں گا، میں طارم سے ملنا چاہتا ہوں، تم بھی میری اس خواہش کو پورا کر دو''۔

''تم طارم سے اس کے کمرے میں جا کر مل لو، طبیعت تھوڑی سی خراب ہے اس کی، ڈاکٹر کو بھی دکھانے نہیں گئی ہے، ضدی بہت ہے وہ، جب تک میں کھانے کا انتظام کرتی ہوں''۔ وہ کہہ کر کچن کی طرف چلی گئیں۔ طارم نے ساری بات سن لی تھی اور زین کا اپنے کمرے میں آنا بھی دیکھ چکی تھی، اس لئے فوراً ہی وہ اپنے بیڈ پر لیٹ گئی، دروازہ نوک ہوا تو طارم نے یس کی اجازت دی تھی، زین کا چہرہ دکھائی دیا۔

''ارے انکل! آپ آج یہاں کیسے آ گئے، اور کیسے ہیں آپ؟'' اس نے ہنس کر ان سے سوالات شروع کر دیئے۔

''بیٹا! کیسی ہو؟ سنا ہے طبیعت بہت خراب کر لی ہے آپ نے آج اور ڈاکٹر کے بھی نہیں گئیں؟ کیوں بھئی! کیا ٹھیک ہونے کا ارادہ نہیں ہے؟ اگر آپ اپنا خیال خود نہیں رکھ سکتی ہو تو میں آپ کو خیال رکھنے والا ایک عدد ڈاکٹر ہی نہ لا دوں؟ کیا خیال ہے؟''

''انکل! آپ بھی بس، بالکل بابا کی طرح کہتے ہیں، وہ بھی آپ ہی کی طرح مجھ سے اس طرح بات

کرتے تھے اور.....!'' آگے وہ بول ہی نہ سکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے، اس نے چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا تھا۔

''ارے بیٹا! اس میں رونے کی کیا بات ہے، میں بھی تو آپ کے بابا کی طرح ہوں اور اگر آپ مجھے کچھ سمجھتی ہو تو پھر میرا کہنا ضرور مانو گی، کہو منظور ہے؟''

''انکل! آپ کا حکم سر آنکھوں پر، لیکن مجھے شادی کرنے کا نہیں بولیں، میں نہیں کروں گی شادی، کیونکہ مجھے ڈر لگتا ہے آپ کے خاندان کے لڑکوں سے، آپ میرے بڑے ہیں، لیکن اس بات کو جانے دیں''۔ زین نے اس کی طرف محبت سے دیکھا تھا اور گلے سے لگا لیا تھا۔

''اور اگر میں اپنے بیٹے کی گارنٹی دوں، تو کیا تب بھی تم کو یقین نہیں آئے گا؟ تم کو جو بھی شکایت ہے مجھ سے کہو، کیا تم نہیں چاہتی ہو کہ آپ کی مما اس عمر میں اپنے آپ کو ہر غم سے آزاد کر دیں؟''

''نہیں انکل! ایسی بات نہیں ہے، اگر اشعر کو مجھ سے مستقل بچھڑنا ہی تھا تو وہ میری راہ میں کیوں آئے؟ اور میں تو ایک بیوہ ہوں، آپ کے بیٹے کو مجھ سے بھی اچھی لڑکی مل جائے گی، آپ ان کے ساتھ زبردستی مت کریں، میں آپ کی ہمیشہ بیٹی رہوں گی، میں آپ سے ملنے آتی رہوں گی''۔

''اوکے، بیٹا! جیسے آپ کی مرضی، ٹھیک ہے، جس میں آپ خوش اس میں، میں خوش''۔

☆.....☆.....☆

حرا آج کاشنہ اور طارم سے ملنے آئی تھیں، انہوں نے بھی طارم کو راضی کرنا چاہا تھا، لیکن طارم کا خوف کوئی بھی نہیں نکال سکا تھا، ہر کوئی اس کو سمجھا سمجھا کر تھک چکا تھا، ڈاکٹر اسفند نے یہاں سے پہلے بات کی اور طارم سے ملاقات کرنے کا کہا تھا، یہاں نے ان کو طارم کی طبیعت کی خرابی کے بارے میں بتا دیا تھا اور یہ بھی کہہ دیا تھا۔

''کل وہ گھر میں اکیلی ہوگی، مما، دادا اور دادی ہمارے گھر آئیں گے، آپ ان سے مل لیجئے گا''۔

''اوکے! آپ کسی سے ذکر مت کیجئے گا، میں طارم کو ہر حال میں راضی کرنے کی کوشش کروں گا''۔ اسفند نے بڑی اُمید سے یہاں کی طرف دیکھا۔

''Best of Luck!'' اتنا کہہ کر وہ چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

''طارم! اگر آپ بھی چلتیں ہمارے ساتھ تو.....!''

''نہیں مما! آپ میری فکر مت کریں، میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ جائیں اور جلدی آ جایئے گا''۔

''اوکے بیٹا! اگر کوئی پرابلم ہو تو کال کر لینا، میں جلدی ہی آؤں گی''۔ گھر میں ملازم تھے اور بوا بھی موجود تھیں۔ طارم اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی تھی، اکیلی دور خلاؤں میں نجانے کیا دیکھ رہی تھی کہ اتنے میں دروازہ تو ناک کرنے کی آواز آئی تھی، جس پر اس نے جھنجھلا کر دیکھا تھا اور یس کہہ کر پھر کھڑکی میں دیکھنے لگی تھی۔

''بوا! میں نے آپ کو منع بھی کیا تھا کہ مجھے ڈسٹرب نہیں کیجئے گا، لیکن آپ سنتی ہی نہیں ہیں، پلیز! مجھ سے کچھ کھانے کو نہیں پوچھیئے گا، میں کچھ بھی نہیں کھاؤں گی''۔ اس کی آواز سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ رو رہی تھی اور اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

''بوا! آپ کچھ بولتی کیوں نہیں.....!'' اتنا کہہ کر اس نے پلٹ کر دیکھا تو بالکل ساکت رہ گئی تھی۔ تازہ پھولوں کا گلدستہ تھامے، روشن اور جگمگاتی آنکھوں والا، ڈاکٹر اسفند سامنے کمرے کے وسط میں کھڑا امید کے

ڈھیروں جگنو لیے وہ اسے منانے آخر آ ہی گیا تھا۔ طارم ایک لمحے کے لئے جیسے اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی تھی، ڈاکٹر اسفند اس کے سامنے تھے، اسے یقین نہیں آ رہا تھا اور ڈاکٹر اسفند کے مسکراتے لب اس روئی روئی، بکھری بکھری سی لڑکی کو اتنے دنوں بعد اپنے روبرو دیکھ کر بے ساختہ سمٹے تھے، وہ اس کو اس طرح ٹوٹا ہوا دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے۔

''آپ یہاں کیسے آ گئے، کیوں آئے ہیں؟ میں آپ سے ملنا نہیں چاہتی ہوں''۔ طارم نے بے ساختہ ان کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر کہا تھا۔

''ایک ہی وقت میں بغیر سلام و دعا کے اتنے سارے سوالات آپ نے کر لئے، خیریت بھی نہیں پوچھی اور آپ بے فکر رہو، میں آپ کو خوفزدہ کرنے نہیں آیا ہوں، صرف چند باتیں کروں گا''۔

''لیکن میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی''۔ ڈاکٹر اسفند نے پھولوں کا گلدستہ ٹیبل پر رکھ کر اس کی طرف رُخ کو دوبارہ کیا تھا۔

''مجھے یہ بتائیں آپ اور کب تک سوگ منائیں گی؟ کیوں سب کو پریشان کر رہی ہیں؟ کسی ایک فرد کے جرم کی سزا پورے خاندان اور اپنے آپ کو دینا کہاں کا انصاف ہے؟ آپ مجھے صرف اتنا بتا دیں''۔

''میں آپ کے کسی بھی سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں، آئی سمجھ؟ اور چلے جائیں یہاں سے، مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی ہے''۔ اس نے بھی بات ختم کی۔

''اس طرح تو میں بھی نہیں جاؤں گا، یہ آپ کی بھول ہے اور آپ کو میں اپنا پابند بنا لوں گا، آپ ساتھ دینے پر راضی تو ہوں، آپ کو معلوم ہے کہ آپ کو میں نے پہلی ہی نظر میں نیہاں کی شادی میں پسند کیا تھا جس کا اظہار میں نے اشعر سے کر دیا تھا، یہی مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی تھی اسے بتا کر، لیکن چلیں ابھی بھی کوئی ایسا وقت نہیں گزرا ہے کہ مجھے پچھتانا پڑے اور آپ کون ہوتی ہیں بابا کو مشورہ دینے والی کہ مجھے آپ سے اچھی لڑکی مل سکتی ہے؟ ضرور مل سکتی ہے، لیکن آپ جیسی تو نہیں ہو گی ناں وہ؟ اور مجھے آپ سے بے حد محبت ہے، اس کا اظہار تو میں کر دیتا، لیکن وقت نے موقع نہ دیا مجھے، میں آج آپ کو پرپوز کرتا ہوں، پلیز! ہر ایک کو ایک ہی ترازو میں مت تولو، میں بالکل سب سے الگ ہوں اور اس کا یقین آپ کو میرے ساتھ رہ کر ہو گا''۔

''نہیں، کبھی نہیں، میں آپ سے شادی نہیں کروں گی، مجھے اور مت آزمائیں آپ لوگ، میرے زخم ابھی تک تازہ ہیں اور آج بھی میں اشعر کو سوچتی ہوں تو خوف محسوس کرتی ہوں، میں آپ لوگوں میں سے کسی پر بھی اعتبار نہیں کر سکتی، آپ لوگ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں''۔ اتنا کہہ کر وہ مزید رونے لگی تھی۔

''پلیز طارم! رو نہیں، میں اب تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا ہوں، بہت رو لیا، اب اور نہیں، اپنے آپ پر رحم کرو، تمہاری طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے، اتنی ضد اچھی نہیں ہوتی ہے''۔ اس نے طارم کے چہرے سے دونوں ہاتھوں کو ہٹا کر اپنے ہاتھ میں لے لیا، اس کا وجود ہچکیوں کی زد میں تھا اور پھر اس نے اس کے وجود میں پناہ بھی لی تھی، اس کے سینے پر سر رکھ کر خوب رونے لگی تھی، اسفند نے اس کو رونے دیا تھا اور کچھ نہیں کہا تھا، صرف اس کو غور سے سن اور محسوس کر رہا تھا۔

''میرے ساتھ بہت بُرا کیا اشعر نے، آپ سب نے اس بات کا بدلہ لیا جس کا مجھ سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا، میرا کیا قصور تھا، مجھے بتاؤ! اور میں کس سے کہوں؟ میری تو اب کچھ سمجھ میں نہیں آتا''۔ اتنا سب کہہ کر وہ رو رہی تھی اور جب بہت سا رو چکی تو خود ہی اسفند سے دور ہو گئی اور شرمندگی کے باعث نظر اُٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔

''بس رو چکیں یا اور بھی رونا ہے؟ اگر ایسا کوئی پروگرام ابھی باقی ہے تو میں یہیں کھڑا ہوں، میری تو عقل حیران ہے کہ تمہارے پاس اتنے آنسو کہاں سے آتے ہیں، جبھی کہوں یہاں بارش کیوں نہیں ہو رہی ہے، سارا پانی تو تم اپنی آنکھوں سے برسا رہی ہو اور تم کو بخار کتنا ہو رہا ہے، کوئی میڈیسن لی یا نہیں؟ اب اچھے بچوں کی طرح سدھر جاؤ اور مجھ پر رحم کر لو، خدارا! میں بھی انسان ہوں، میرے سینے میں بھی دل ہے، جو صرف تمہارا ہی راگ الاپ رہا ہے، میں تم کو اب کسی بھی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا ہوں، اس وقت کو، ان لمحات کو میں اپنے ہاتھوں میں سمیٹنا چاہتا ہوں، اب تم راضی ہو جاؤ، میں تم کو بہت ہی زیادہ محبت، چاہت اور اعتبار دوں گا''۔ اس نے طارم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا۔

''مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے، کیا آپ میری بات مانیں گے؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے اسفند کی طرف دیکھا تھا۔

''ہاں، کہو میں تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں، تم مجھ سے بے فکر ہو کر ہر بات کہہ دو اور اپنے دل سے ہر خوف نکال پھینکو''۔

''اب ہمارے درمیان کبھی بھی اشعر کا ذکر نہیں ہو گا، میں سب کچھ بھول جانا چاہتی ہوں، آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ آپ مجھے زندگی کے کسی بھی موڑ پر طعنہ نہیں دو گے؟ مجھے یقین ہے وقت بدلے گا، لیکن مجھے امید بھی تو دلاؤ کہ تم میری امیدوں پر پورے اُترو گے؟'' طارم یک دم اپنی نازک سی ہتھیلی کو اس کے آگے پھیلاتے ہوئے بولی تو اسفند نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھاما۔

''جب تم میرے پاس آؤ گی تو تبھی تو میں یہ وعدہ پورا کر سکتا ہوں، میں تم سے بے حد محبت کروں گا، جب تم میرے قریب تمام حقوق کے ساتھ آؤ گی، میں تو کہتا ہوں، قاضی کو ابھی بلوا کر نکاح پڑھوا لیتا ہوں، بعد میں تمہارا کیا بھروسہ، مکر جاؤ؟ اتنی مشکل سے تو راضی کیا ہے''۔ وہ آنکھوں میں شوقِ جہاں سموئے انتہائی معنی خیزی سے بولا تو حیا کے مارے طارم کے گال دہک اُٹھے۔

''ڈاکٹر اسفند! آپ ناں.....! کچھ زیادہ نہیں فری ہو گئے؟'' وہ بمشکل اپنی شرم پر قابو پا کر بولی۔

''ارے، فری کی کیا بات ہے؟'' ان کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ نیہاں اور بابا کی کمرے میں انٹری ہوئی تھی۔

''صبر نہیں ہوا ڈاکٹر نیہاں سے بالکل اور بابا جان! شکر ادا کریں، یہ محترمہ راضی ہو گئی ہیں، بہت مشکل سے، میں تو کہتا ہوں ابھی رخصت کروا کر لے چلیں ان کو''۔ اس نے طارم کو محبت بھری نظروں سے دیکھا تھا اور طارم اس سے اپنا ہاتھ چھڑا کر زین علی خان کی بانہوں میں سما گئی تھی، شرم کے مارے، جس پر اسفند اور نیہاں کا زندگی سے بھرپور قہقہہ نکلا تھا۔

''خبردار! جو میری بیٹی کو تنگ کیا، یہ مجھے تم سب سے زیادہ عزیز ہے اور میں خوب دھوم دھام سے رخصت کروا کر لے جاؤں گا''۔ انہوں نے بھی طارم کو چھیڑنا اپنا فرض سمجھا تھا۔

''بابا! آپ بھی ان دونوں کے ساتھ مل گئے؟ جائیں میں اب کسی کی بات نہیں مانوں گی''۔

''ارے.....رے..... بابا! یہ تو پھر اڑ گئی ہیں، کہہ دیں کہ آپ مذاق کر رہے ہیں''۔ اسفند گھبرا کر بولا۔

''تو میں کون سا سیریس ہوں؟'' اتنا کہہ کر وہ باہر بھاگی تھی۔

☆.....☆.....☆

مصباح مسکان رؤف

ناولٹ

رحمت یا زحمت

انگلش کا فرسٹ پیریڈ شروع ہو چکا تھا، لڑکیاں اسمبلی سے واپس کلاس میں آ رہی تھیں، وہ بھی خاموشی سے آ کے اپنی سیٹ پہ بیٹھی اور انگلش کی بک کھول لی، تمام لڑکیاں حسب عادت زور و شور سے باتوں میں مصروف ہو گئی تھیں، وہ اکیلی تھی اس کلاس میں اس لیے ٹیچر کے آنے تک وقت گزاری کے لیے کتاب پڑھنے لگی تھی مگر شور کی وجہ سے کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا پڑھ رہی ہے، وہ تنگ آ کے بک بند کر کے بیٹھ گئی اور ارد گرد باتوں میں مگن لڑکیوں کو دیکھنے لگی، وہ چونکہ آخری لائن میں بیٹھی تھی اس لیے ساری کلاس کی لڑکیوں کو با آسانی دیکھ سکتی تھی، شاید پوری کلاس میں دو ہی لڑکیاں خاموش بیٹھی تھیں ایک وہ خود اور ایک اس سے دو کرسیاں چھوڑ کے بیٹھی لڑکی جو کافی اداس بھی لگ رہی تھی، اس نے اکتا کے جوش و خروش سے باتیں کرتی لڑکیوں کو دیکھا۔

"پتہ نہیں ایسی کون سی باتیں ہیں ان لڑکیوں کی جو ختم ہی نہیں ہو رہیں، توبہ مسلسل بولے جا رہی ہیں، تھکتی بھی نہیں"۔ اس نے دل میں سوچا اور دوبارہ سے بک کھول لی، اتنے میں ایک شوخ سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"ہائے امبر! کیسی ہے تُو؟" اس نے سر اٹھا کے دیکھا تو ایک نک سک سے تیار شوخ سی لڑکی نزاکت سے چلتی ہوئی اسی طرف آ رہی تھی، کلر ڈبال، کچھ کٹے ہوئے چہرے کے دونوں سائیڈوں پہ لہرا رہے تھے باقی کو کیچر لگا کر تھوڑا سمیٹا ہوا تھا، کاجل اور مسکارے سے سجی آنکھیں، لپ اسٹک لگے لب، نیل پالش سے سجے ناخن، کلائیوں میں بریسلیٹ، انگلیوں میں دو رنگز بھی پہنی ہوئی تھیں، بیگ بازو میں لٹکایا ہوا اور

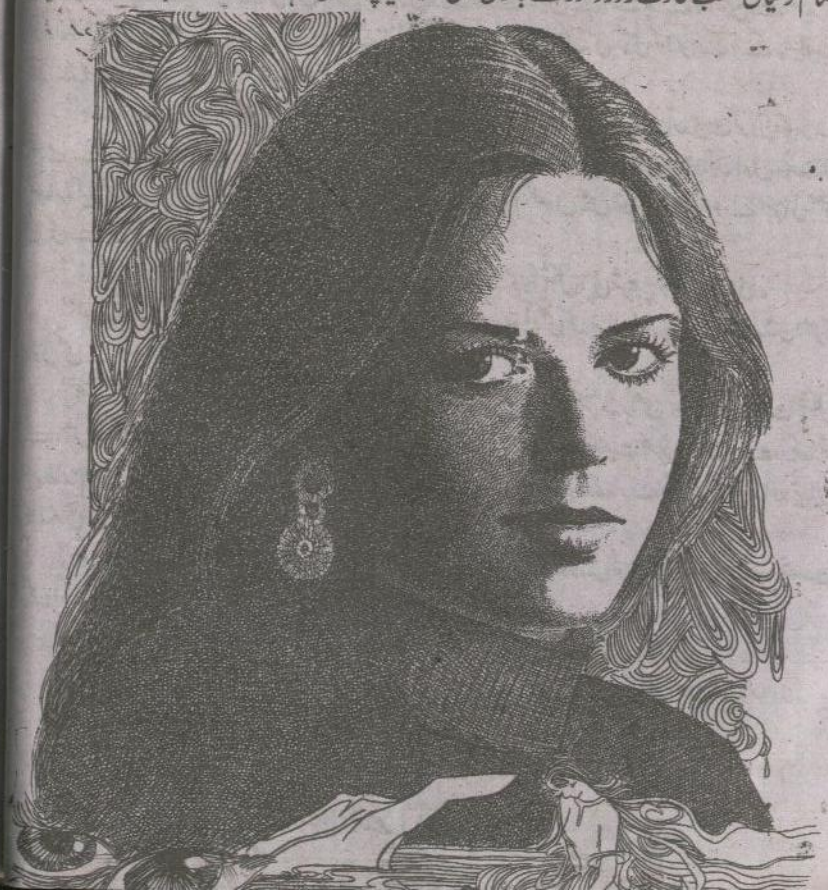

پٹی بنا کے دوپٹہ کندھے پہ ڈالا ہوا تھا، وہ آ کے اس اکیلی بیٹھی لڑکی کے پاس بیٹھ گئی، وہ دونوں سہیلیاں تھیں۔

''امبر! اب ایسے تو مت کرنا یار! روز تو ٹائم پہ آتی ہوں، اگر آج تھوڑی لیٹ ہوگئی تو کیا ہوا، پلیز یار! دیکھ میں نے سوری بھی کیا ہے، اب تو تُو موڈ ٹھیک کرلے''۔ وہ مسلسل بول رہی تھی مگر امبر نامی لڑکی بالکل چپ بیٹھی تھی۔

''پلیز! دیکھ اس میں میری تو کوئی غلطی نہیں ہے، وہ ڈفر رکشے والا ہی لیٹ آیا، میں کیا کرتی، مگر تجھے پتہ ہے میں نے اچھی خاصی کلاس لی تھی پھر اس ایڈیٹ کی، اب تُو بول نا یار!'' اس نے کہتے ہوئے اس کا چہرہ اوپر کیا تو حیران رہ گئی امبر کی آنکھیں نم تھیں۔

''اے امبر! کیا ہوا، تُو رو کیوں رہی ہے؟'' امبر کچھ بھی نہ بولی۔

''امبر پلیز! کچھ تو بول ناں، بتا تو سہی کیوں رو رہی ہے تُو، آخر ہوا کیا ہے، تجھے میری قسم بول نا یار!'' اس نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا تو امبر کے آنسو اور روانی سے بہنے لگے۔

''اس نے انکار کردیا ہے حنا!'' آخر کار امبر روتے روتے بولی۔

''کس نے؟'' حنا نے حیرانگی سے پوچھا۔

''عثمان نے، وہ کہتا ہے میں نے امبر سے شادی نہیں کرنی، حنا! تُو تو جانتی ہے میں اس کے بغیر مرجاؤں گی اور وہ کہتا ہے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا''۔ اس نے روتے ہوئے بتایا۔

''اگر اس نے تجھ سے شادی نہیں کرنی تھی تو پھر وعدے کیوں کرتا تھا، وہ SMS، کالز اور گفٹس... وہ سب کیا تھا، کیا مطلب تھا ان سب کا؟'' حنا حیران ہوئی۔

''پتہ نہیں یار! کہتا ہے انکل نے اس سے پوچھا کہ تم اپنی مرضی سے شادی کروگے یا ہماری پسند سے، تو اس نے فیصلہ ان پہ چھوڑ دیا اور کہہ دیا کہ میں آپ کی مرضی سے ہی شادی کروں گا، جہاں آپ دونوں چاہیں گے، اور مجھے کہتا ہے کہ مجھے بھول جانا میں بھی کسی سے تمہارا ذکر نہیں کروں گا، سمجھنا کہ ہمارے درمیان کبھی کوئی بات تھی ہی نہیں''۔ امبر پھر رونے لگی۔

''وہ ایسا کیسے کرسکتا ہے، وہ تو بڑا فیئر تھا تیرے ساتھ''۔ حنا کو تو یقین ہی نہیں آیا تھا۔

''پتہ نہیں یار! وہ کہتا تھا میں صرف تمہیں چاہتا ہوں، تمہارے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا، اور اب تجھے پتا ہے اس کی منگنی ہورہی ہے''۔

''کس سے؟''

''اس کی خالہ کی بیٹی سے، اسی کمینی کنول سے، جس کے خلاف وہ ہمیشہ بولتا تھا کہ پینڈو ہے، جاہل ہے، بور ہے اور اب اسی سے منگنی کروا رہا ہے، مجھے سمجھ نہیں آتی کہ میں کیا کروں، میں اس کے بغیر کیسے رہوں گی اور وہ.... وہ تو میری آنکھ میں ایک آنسو بھی برداشت نہیں کرسکتا تھا، کہتا تھا تم روتی ہو تو مجھے تکلیف ہوتی ہے، اب مجھے دکھ دے رہا ہے کیا اب اسے میرے رونے سے تکلیف نہیں ہوتی؟'' امبر کے لہجے میں دکھ اور بے یقینی تھی۔

''امبر! تُو میری ایک بات مانے گی؟'' حنا بغور امبر کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولی۔

''حنا! تجھے تو پتا ہے میں تیری کوئی بات نہیں ٹالتی، تُو بول کیا بات ہے؟''

''تُو اسے بھول جا''۔ حنا کی بات پہ امبر نے بے یقینی سے حنا کو دیکھا۔

''حنا....! میں اسے کیسے بھول سکتی ہوں؟''

''تجھے بھولنا ہوگا، کیونکہ اسے تیری پرواہ نہیں ہے اور جب اسے تیری پرواہ نہیں، تیری فکر نہیں تو

تجھے کیوں اس کا خیال ہے، تُو کیوں اس کے لیے تڑپتی رہے اور وہ مزے کرتا رہے، نہیں امبر! وہ تجھے بھول گیا ہے تُو بھی اسے بھول جا، اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے، اب کم از کم اس کی وجہ سے تم عمر بھر کا روگ تو لگا کے نہیں بیٹھ سکتیں اور نہ ہی میں تجھے اس کی بے وفائی کا سوگ منانے کے لیے چھوڑوں گی، آج کے بعد تُو اس کا ذکر نہیں کرے گی، بالکل بھی اسے یاد نہیں کرے گی سمجھی؟'' حنا نے اسے سمجھایا۔

''مگر مجھے تھوڑا وقت تو لگے گا اسے بھولنے میں''۔ امبر منمنائی۔

''ہاں وقت تو لگے گا، مگر جلدی ہی، کیونکہ جب تُو اسے بھول جائے گی تو سب ٹھیک ہوجائے گا''۔ حنا نے امبر کو تسلی دی تو امبر نے بھی خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ خاموش سی بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھی، گو کہ یہ غیر اخلاقی حرکت تھی مگر ان کی باتوں نے اسے سننے پر مجبور کردیا تھا، کیونکہ وہ اس کے پیچھے بیٹھی تھیں اور ان کی باتیں باآسانی اس تک پہنچ رہی تھیں اور اس کی توجہ بٹ رہی تھی، اتنے میں ایک لڑکی نے آ کے خبر دی۔

''انگلش کی ٹیچر آج غیر حاضر ہیں''۔ سب لڑکیاں کلاس سے جانا شروع ہوگئیں وہ بھی اٹھی اور بیگ اٹھا کر کلاس سے باہر آ گئی مگر اس کے ذہن میں ابھی تک ان دونوں کی باتیں گردش کررہی تھیں، وہ حیران ہورہی تھی۔

''آج کل کی لڑکیوں کو آخر یہ کیا ہوگیا ہے، کسی چیز کا خوف ڈر ہی نہیں رہا انھیں''۔

☆.....☆.....☆

کچھ دن بعد اتفاقاً اسے حنا اور امبر کے آگے والی Row میں سیٹ ملی، ابھی ٹیچر نہیں آئی تھیں اس لیے حسب معمول ہر لڑکی خوش گپیوں میں مگن تھی، زیادہ تر لڑکیوں کے زیر گفتگو لڑکوں کا ہی ٹاپک تھا، اس نے سوچا۔

''جتنے میں ٹیچر آتی ہیں، میں سائیکالوجی کا ٹیسٹ ریوائز کرلوں، بجائے فارغ بیٹھنے کے''۔ مگر حنا اور امبر کی باتوں سے اس کی توجہ بٹنے لگی، آج امبر پہلے کی نسبت کافی چہک رہی تھی، اس دن والے غم کا تو شائبہ تک نہ تھا، اسے حیرت ہوئی کہ کہاں تو اس دن عثمان کے بغیر مری جارہی تھی اور اب کتنی خوش ہے، ابھی بھی وہ حنا کو رات اس کے سیل پہ آنے والی Unknown کالز کے بارے میں بتا رہی تھی۔

''یار! پہلے تو میں اس کی کال ریسیو ہی نہیں کر رہی تھی، مگر جب بار بار کالز آتی رہیں تو میں نے سوچا کہ چیک تو کروں کہ کون ہے اور کیا مسئلہ ہے اتنے میں اسی نمبر سے SMS آ گیا''۔

''پہلی نظر میں کیسا جادو کردیا
تیرا بن بیٹھا میرا جیا''

''میں تو حیران ہوگئی، میں نے Reply کیا کہ آپ کون ہیں تو آگے سے Reply آیا کہ ''آپ کے حسن کا گھائل''۔ پھر ساتھ ہی کال آ گئی، میں نے ریسیو کی اور پوچھا ''کون؟'' تو کہنے لگا ''آپ کا طلبگار، جب سے آپ کو دیکھا ہے، ہوگیا ہے میرا سکون محال، زندگی دشوار اور جینا بے حال، آنکھیں بند کرتے ہی آپ کا حسین چہرہ دل کو بے چین کردیتا ہے، آپ کے خیال کے بغیر رات کو نیند نہیں آتی''۔ قسم سے یار! اس کی آواز اتنی زبردست تھی اور اس کا انداز، اوہ مائی گاڈ! کیا بتاؤں تمہیں، پھر کہنے لگا:

''میری کہانی میرا قصہ ہو تم
میری سانس میری دنیا ہو تم
تجھے کیسے میں بھلا دوں، کیسے دل سے مٹا دوں
میری ہر اک سانس کا حصہ ہو تم''

آپ مجھ سے دوستی کریں گی؟ پلیز یہ میری ریکوئیسٹ ہے، رفیوز مت کیجیے گا''۔

"پھر تُو نے انکار کر دیا ہوگا، ہے ناں؟" حنا نے فوراً اپنا اندازہ ظاہر کیا۔

"میں نے کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی"۔ امبر نے بتایا تو حنا نے اسے گھورا۔

"تُو بھی بہت بڑی ڈفر ہے یار! اس بے وفا کے لیے مر رہی ہے جسے تیری فکر ہی نہیں اور جسے تیری فکر ہے، جو تجھ سے دوستی کرنا چاہ رہا ہے، اسے تُو اگنور کر رہی ہے، بے وقوفی مت کر یار! اب اگر اس کی کال آئے تو بات کرنا اور فوراً دوستی کر لینا"۔ حنا نے اسے سمجھایا تو امبر نے سر ہلا دیا۔

"یا اللہ! یہ کیسی لڑکی ہے، ذرا بھی شرم نہیں ہے اس میں، بجائے اسے سمجھانے کے اسے غلط راستے پر ڈال رہی ہے"۔ اس نے ان کی باتیں سن کر دل میں سوچا اس کا دل تو چاہا کہ مڑ کے اس کا دماغ درست کرے کہ وہ کتنا غلط کر رہی ہے، مگر پھر سر جھٹک کر اپنی بک پڑھنے لگی، حنا اور امبر B.A پارٹ ون کی اسٹوڈنٹ تھیں، ان کی دوستی یہیں کالج میں ہوئی تھی، وہ دونوں ہر وقت ساتھ ساتھ رہتیں، اکثر و بیشتر کلاسز بنک کر کے کینٹین میں بیٹھی رہتیں، امبر، حنا سے ہر بات شیئر کرتی تھی اور اس کے ہر مشورے پر بلا سوچے سمجھے عمل کرنا اپنا فرض سمجھتی تھی۔ امبر کے دو بڑے بھائی اسد، احمد اور ایک چھوٹی بہن تھی، امبر تیسرے نمبر پر تھی، بڑی بیٹی ہونے کی وجہ سے وہ ماں باپ کی بے حد لاڈلی تھی، بھائی تو دونوں بہنوں سے بہت پیار کرتے تھے اور ان کا بہت خیال رکھتے تھے، چھوٹی بہن سادہ مزاج تھی، وہ میٹرک میں تھی اور زیادہ وقت پڑھنے میں گزارتی کیونکہ وہ ڈاکٹر بننا چاہتی تھی، مگر امبر بہت نخروں والی تھی، ہر وقت نت نئی فرمائشیں کرتی، ابو اور بھائی اس کی ہر فرمائش فوراً پوری کرتے تھے۔ امبر کافی عرصے سے اپنے ایک کزن عثمان سے موبائل پر باتیں کرتی تھی وہ امبر سے پیار و محبت کے دعوے کرتا تھا، مگر جب شادی کی بات ہوئی تو اس نے فیصلہ اپنے والدین کی مرضی پر چھوڑ دیا اور امبر کو کہا کہ اسے بھول جائے۔ اس کی اس حرکت پر امبر بہت آزردہ ہوئی، مگر حنا کے سمجھانے پر اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا، حنا چونکہ خود بھی موبائل اور فیس بک پر لڑکوں سے چیٹ کرتی تھی، اس لیے اس نے امبر کو بھی اس Unknown سے دوستی کرنے کا مشورہ دیا، جس پر امبر نے فوراً عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا، امبر نے موبائل چوری چھپے رکھا ہوا تھا، اس کے پاپا نے اس کے دونوں بھائیوں کو B.A کے بعد سیل فون دیا تھا اور اس کو بھی یہی کہا تھا، مگر امبر کی حنا سے دوستی ہوئی تو اس نے حنا کے اصرار پر اپنے جمع شدہ پیسوں سے حنا سے سیل منگوایا تھا اور گھر میں بھی سب سے چھپ کے اپنے کمرے میں لاک ہو کے سیل فون استعمال کرتی تھی تاکہ کسی کو پتہ نہ چلے وہ بیلنس بھی حنا سے ہی منگواتی تھی، امبر اپنے آپ کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھتی تھی کہ اس کو حنا جیسی مخلص اور ہمدرد دوست ملی ہے۔

☆.....☆.....☆

رات کا وقت تھا، امبر نے کمرے میں آ کے دروازہ لاک کیا اور سیل نکالا، اس پر اسی Unknown نمبر سے ڈھیروں مسز کالز تھیں، اور 3,4 ایس ایم ایس بھی تھے، امبر نے SMS اوپن کیا۔

"وہ شخص میری جان بنا رہتا ہے
اس کا پیار میری پہچان بنا رہتا ہے"

یہ SMS پڑھ کر امبر کو حنا کی بات یاد آئی۔

"تُو بے وقوفی مت کر، جسے تیری فکر ہے، جو تجھ سے دوستی کرنا چاہتا ہے اسے اگنور مت کرنا، فوراً دوستی کر لینا"۔ امبر نے فوراً حنا کی نصیحت کے مطابق اس نمبر پر "ہیلو" کا SMS کیا جس کے نتیجے میں فوراً کال آئی، جیسے وہ امبر کے SMS کا ہی منتظر تھا،

امبر نے خوشی خوشی کال ریسیو کی، شروع میں امبر تھوڑی جھجکی مگر پھر اس کی حوصلہ افزائی پر جلد ہی امبر بھی اس سے بے تکلف ہو گئی۔ اس کا نام یاسر تھا، اس نے امبر کو بتایا کہ اس نے امبر کو کالج کے باہر دیکھا تھا، جب سے اس نے اسے دیکھا ہے اسے اپنی زندگی اچھی لگنے لگی ہے، اور وہ امبر کو بہت پسند کرتا ہے، اس نے بتایا کہ اس کے والدین کی ڈیتھ ہو چکی ہے اور وہ اپنے انکل آنٹی کے ساتھ رہ رہا ہے، ان کے گھر میں اس کی حیثیت ایک ملازم سے بڑھ کر نہیں ہے، وہ نوکروں کے ساتھ سرونٹ کوارٹر میں رہتا ہے، پہلے تو وہ ان کا ہر ظلم برداشت کرتا تھا، مگر جب سے اسے نوکری ملی ہے وہ الگ ہونے کا سوچ رہا ہے اور جلد ہی الگ ہو جائے گا، اس کی دکھوں بھری زندگی میں امبر خوشی کا پیغام بن کر آئی ہے"۔ امبر کو اس کی باتیں سن کر اتنی خوشی ہوئی کہ وہ کسی کے لیے اتنی اہم ہے، کسی کی زندگی میں اس کی وجہ سے خوشی آئی ہے، یاسر کو اس پر اتنا اعتماد ہے کہ اس نے اپنی پرسنل باتیں اس سے شیئر کی ہیں، لہٰذا اس نے بھی اپنے بارے میں ہر بات اس سے شیئر کی اور عثمان کے بارے میں بھی بتایا، جس پر یاسر نے اسے کہا کہ وہ امبر کا نصیب نہیں تھا اس لیے اسے نہیں ملا، پھر یہ سلسلہ شروع ہو گیا، امبر روز رات کو گھنٹہ دو گھنٹہ یاسر سے باتیں کرتی، دن بھر کی روداد سناتی، کچھ وہ اپنی باتیں کرتا کچھ وہ مستقبل کے خواب بنتے، سونے سے پہلے دونوں ایک دوسرے کو "Good Night" کا ایس ایم ایس کرتے اور امبر کی صبح بھی یاسر کے SMS سے ہوتی، کالج سے آ کے بھی وہ اسے کال کرتی، کالج میں وہ ہر بات حنا سے ضرور شیئر کرتی تھی، امبر کا اس نئی ایکٹیویٹی کی وجہ سے پڑھائی کی طرف سے دھیان بھی ہٹتا جا رہا تھا۔ یاسر اکثر کالج کے باہر کھڑا ہوتا، دونوں کے درمیان گفٹس کے تبادلے ہوتے، پھر امبر لوگوں نے گھر چینج کر لیا۔ یہ گھر کالج سے نزدیک تھا، پہلے امبر رکشے میں کالج جاتی تھی مگر کالج گھر سے قریب ہونے کی وجہ سے پیدل جانے لگی، راستے میں اکثر یاسر اس کے ساتھ ہوتا اور وہ دونوں باتیں کرتے کالج پہنچتے، واپسی پر بھی یہی روٹین تھی، گھر آ کے وہ کبھی یہ بہانہ کرتی کہ کالج میں رش بہت ہوتا ہے، لائنز بنا کر لڑکیاں نکالی جاتی ہیں اس لیے وہ لیٹ ہو جاتی ہے، کبھی ٹریفک جام ہوتا تو کبھی کوئی اور بہانہ۔ اس کے ماں باپ کو اپنی بیٹی پر بہت اعتبار تھا، خاص طور پر اکرام صاحب کو۔ سو وہ اپنی بیٹی کی ہر بات پر یقین کر لیتے، طاہرہ تو اکثر امبر کو ڈانٹ بھی دیتی تھیں مگر اکرام صاحب نے تو کبھی اسے غصے سے بھی نہ دیکھا تھا، انھیں اپنے سب بچوں میں سب سے زیادہ پیار اور اعتبار امبر پر تھا، انھیں کیا خبر تھی کہ ان کی "لاڈلی بیٹی" ان کا اعتبار کب کا خاک میں ملا چکی ہے، ان کے اعتماد و پیار کی دیوار کو گرا کے اس کے ملبے پر اپنی محبت کی عمارت کی بنیادیں رکھ چکی ہے وہ عمارت جو پائیدار نہ تھی۔

☆.....☆.....☆

آج امبر کی برتھ ڈے تھی، امبر یاسر کے اصرار پر گھر سے کالج جانے کا کہہ کر یاسر کے ساتھ چلی گئی، وہ دونوں خوب گھومے، ڈھیروں باتیں کیں، یاسر نے امبر کو شاپنگ کروائی، اس کی پسند سے برتھ ڈے گفٹ بھی لے کے دیئے۔ آج کا دن امبر کی زندگی کا شاندار دن تھا، کالج کی چھٹی کی ٹائمنگ کے مطابق وہ گھر آ گئی، اس نے سب گفٹس اپنی فرینڈ حنا کے نام سے منسوب کر کے دکھائے۔ امبر، یاسر کی محبت پا کر بہت مسرور تھی، اگلے روز وہ کالج آ کے بے صبری سے حنا کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔

"ہائے امبر! کیسی ہے تُو؟" وہ یاسر کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی، اچانک حنا کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"میں ٹھیک ہوں اور بہت خوش ہوں"۔ حنا امبر

سے گلے ملی تو امبر چہکی۔

''اچھا، یعنی کل کا دن بہت اچھا گزرا تیرا؟'' حنا ذومعنی لہجے میں مسکرائی تو امبر کے گال لال ہو گئے۔

''ہاں یار! میں تجھے کیا کیا بتاؤں، اتنا مزہ آیا کل، 8:00 بجے یاسر آیا، یہاں سے ہم اس کے فلیٹ پر گئے جو ابھی کچھ ہی دن پہلے لیا ہے وہاں میں نے چینج کیا، اتنا زبردست فراک لایا تھا میرے لیے، پھر ہم خوب گھومے پھرے، پارک میں گئے، یاسر نے اتنی شاپنگ کروائی مجھے، اور پتہ ہے اس نے اتنے مہنگے اور قیمتی گفٹس دیے مجھے، میں نے کہا میں یہ گھر کیسے لے کر جاؤں گی تو کہنے لگا کہ کہہ دینا میری فرینڈز نے گفٹ کیے ہیں، میں نے تو بہت منع کیا مگر وہ کہنے لگا کہ میرے ساتھ یہ تمہاری پہلی برتھ ڈے ہے اور میں اسے یادگار بنانا چاہتا ہوں، تاکہ تمہیں یہ دن کبھی نہ بھولے، پھر ہم واپس اس کے فلیٹ پر گئے، میں نے یونیفارم پہنا اور 2:15 اس نے مجھے کالج کے پاس گلی میں چھوڑ دیا اور میں گھر آ گئی، یار حنا! یہ میری زندگی کی سب سے قیمتی اور یادگار برتھ ڈے ہے''۔ امبر خوشی سے حنا کو کل کی روداد سنا رہی تھی اور محبت خوشی بن کر اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی، اتفاقاً آج بھی وہ لڑکی ان دونوں کے آگے بیٹھی تھی، ان کی انگلش کی ٹیچر اکثر لیٹ آتی تھیں اس لیے لڑکیوں کو باتیں کرنے کا کافی ٹائم مل جاتا تھا، وہ امبر کی باتوں سے سوچنے لگی کہ زمانہ تو ترقی کر رہا ہے، مگر ہماری ینگ جنریشن کس طرف جا رہی ہے، اس قدر پستی اور تنزلی کا شکار ہو رہی ہے ہماری قوم، میڈیا اور سیل فونز نے ینگ جنریشن کو غلط راستے پر ڈال دیا ہے وہ بے راہ روی کے رنگ میں اس قدر رنگ چکے ہیں کہ انھیں اچھے برے کی تمیز نہیں رہی، پکڑے جانے کا یا بدنامی کا خوف تک نہیں انھیں، وہ اپنے ماں باپ کی عزت کو داؤ پر لگا کر اس مصنوعی محبت جو کہ صرف ٹائم پاس ہے، کو بڑھا رہے ہیں۔

اس نے امبر کو اس برے فعل سے روکنے کا فیصلہ کیا، جب اس نے پہلی بار امبر کو دیکھا تو اسے امبر بہت اچھی لگی تھی، معصوم سی نازک سی لڑکی اور اب اس کو غلط راہ کا انتخاب کرنے سے روکنے کے لیے وہ کچھ کرنا چاہتی تھی، اسے انسانیت کے ناتے اس معصوم صورت امبر سے بہت ہمدردی تھی، اور اسے جلد ہی اپنے فیصلے پر عمل کرنے کا موقع بھی مل گیا، وہ لوگ انگلش کی کلاس لے رہی تھیں جب پیغام آیا کہ حنا کے والد اسے لینے آئے ہیں، اس کے دادا کی ڈیتھ ہو گئی ہے پھر حنا روتی ہوئی گھر چلی گئی۔ حنا کے رونے پر اس لڑکی نے سوچا۔

''جس کو کسی کی عزت کا پاس نہیں، کسی رشتے کا خیال نہیں تو پھر یہ آنسو کیوں.... ہونہہ... دکھاوا''۔ اس نے تنفر سے سر جھٹکا، بریک میں اس نے امبر کو گراؤنڈ میں دیکھا، وہ اکیلی بیٹھی تھی، وہ اسے سمجھانے کے خیال سے اس کی طرف بڑھی۔

''ایکسکیوزمی... امبر! کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟'' وہ امبر کے بینچ کے قریب جا کے بولی تھی۔ امبر جو کسی خیال میں کھوئی ہوئی تھی چونک کے اسے دیکھنے لگی، وہ مسکرائی تو امبر نے اثبات میں سر ہلا دیا، وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''امبر! آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں''۔ اس نے اپنے دل کی بات بتائی تو امبر مسکرائی اور ''تھینک یو'' کہا، اس نے دیکھا بلاشبہ امبر کی طرح اس کی آواز اور مسکراہٹ بھی حسین تھی۔

''امبر! مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے''۔ اس نے اصل بات کی طرف آنے سے پہلے تمہید باندھی۔

''جی کریں''۔ امبر آہستگی سے بولی۔

''دراصل میں یاسر کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں''۔ اس کا اتنا کہنا تھا کہ امبر چونکی۔

''کیا مطلب؟'' امبر نے عجیب سی نظروں سے

اسے دیکھا۔

''امبر! میں آپ کو یہ سمجھانا چاہتی ہوں کہ آپ نے غلط راستے کا انتخاب کیا ہے، آپ ایک غلط قدم اٹھا کے اپنے پیرنٹس کے اعتبار اور مان کو ٹھیس پہنچا رہی ہیں، وہ آپ پر اتنا ٹرسٹ کر کے آپ کو پڑھنے کے لیے بھیجتے ہیں، اور آپ ایک غلط صحبت میں گمراہ ہو رہی ہیں، ابھی بھی وقت ہے آپ اپنے بڑھتے قدموں کو روکنا چاہیں تو روک سکتی ہیں، ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا''۔

''جسٹ آ منٹ! آپ یہ سب کیسے جانتی ہیں؟'' امبر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کڑے تیوروں سے پوچھا۔

''اکثر انگلش کی کلاس میں آپ کے آگے سیٹ ملتی ہے مجھے اور میں نہ چاہتے ہوئے بھی آپ کی اور آپ کی فرینڈ حنا کی باتیں سننے پر مجبور ہو جاتی ہوں مگر....!''

''مجھے سمجھانے آئی ہو، پہلے اپنی حرکتیں تو دیکھو، تمہیں شرم نہیں آتی چھپ کر ہماری باتیں سنتے ہوئے؟'' امبر آگ بگولہ ہو کر آپ سے تم پر آ گئی۔

''ہاں، شرم تو بہت آتی ہے، آپ دونوں کی باتیں سن کر اور افسوس بھی بہت ہوتا ہے کہ تم جیسی بیٹیاں، تم جیسی لڑکیاں کتنا غلط امپریشن ڈال رہی ہیں، ساری لڑکیوں کا دوسروں پر، تم دونوں جیسی لڑکیوں کی وجہ سے ہی لوگ سب لڑکیوں کو ایک جیسا ہی سمجھتے ہیں، خدارا امبر! اپنی ذات کو اتنا ارزاں مت کرو کہ لڑکے ہر لڑکی کے بارے میں غلط خیال رکھیں، ہر لڑکی کو ایک جیسا سمجھیں اور سب کو ایک ہی غلط نظر سے دیکھنے لگیں کیونکہ ہر لڑکی بری نہیں ہوتی، اس کا ماحول، اس کی کمپنی اسے اچھا یا برا بناتی ہے''۔ اس نے امبر کو سمجھایا جبکہ امبر غصیلے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔

''پلیز امبر! اپنے بڑھتے قدموں کو روک لو، کیونکہ لڑکی کے کردار کے دامن پر لگا بدنامی کا داغ بارہا کوششوں سے بھی نہیں دھل....!'' اس کی بات پوری نہ ہو سکی امبر نے غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے زوردار تھپڑ اس کے گال پر دے مارا تھا، اردگرد کی لڑکیاں ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

''جسٹ شٹ اپ!'' امبر کے لہجے میں حقارت و نفرت تھی۔

''مجھے تھپڑ مار کے تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو امبر! کہ تم صحیح ہو اور یہ سب غلط ہے؟'' وہ سوالیہ نظروں سے امبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے دیکھ رہی تھی۔

''آخر ایسا کیا غلط کیا ہے میں نے؟ آج کل سب یہی کچھ کر رہے ہیں، تم بھی کرتی ہو گی یقیناً کیونکہ آج کل سیل فون ہر ایک کے پاس ہے، تمہارے پاس بھی ضرور ہو گا، تم صرف میرے پیچھے کیوں پڑی ہو آخر؟'' امبر پھٹ پڑی، اسے یہ لڑکی سخت زہر لگ رہی تھی جو اس کی پرسنل لائف میں مداخلت کر رہی تھی، اور خوامخواہ نصیحتیں دے رہی تھی۔

''ہاں سیل میرے پاس بھی ہے، مگر میں نے کبھی اس کا غلط استعمال نہیں کیا، لڑکوں سے کبھی دوستیاں نہیں کیں اور نہ ہی کبھی اپنے ماں باپ کے اعتماد کو دھوکہ دیا ہے، کیونکہ میں جانتی ہوں کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا؟ تمہیں میں اس لیے روک رہی ہوں کہ مجھے تم اچھی لگتی ہو اور میں تمہارے ساتھ کچھ برا ہوتا نہیں دیکھ سکتی، مجھے ہمدردی ہے تم سے اور رہی بات کہ کیا غلط کر رہی ہو تم، تو سنو! تم اپنے ماں باپ کی عزت کو رسوا کرنا چاہ رہی ہو، تمہیں اپنے گھر والوں کا اور اپنی عزت کا ذرا بھی خیال نہیں ہے، تم خود اپنے ہاتھوں سے اپنی عزت کو داغ دار کرنے پر تلی ہوئی ہو، میرا ابھی بھی یہی مشورہ ہے کہ تم اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرو، اور اس سراب کے پیچھے مت بھاگو، یہ نہ ہو کہ یہ محبت جس کی خاطر تم اپنے والدین کو دھوکہ دے رہی ہو،

تمہارے لیے عمر بھر کے پچھتاوے اور رسوائی کا باعث بن جائے اور پھر تم....!" امبر اس کی نصیحت پر نفرت سے سر جھٹک کر اسے اگنور کرتی وہاں سے اٹھ کر چلی گئی، وہ لڑکی امبر کی اس حرکت پر صرف افسوس سے سر ہلا کے رہ گئی۔

"یا اللہ! اس کو نیک ہدایت دیں اور اس کی حفاظت کریں (آمین)"۔ وہ دل ہی دل میں دعا مانگتی وہاں سے اٹھ کر اپنی کلاس کی طرف بڑھ گئی۔

☆.....☆.....☆

امبر نے اگلے روز حنا کو بتانے کا ارادہ کیا، مگر حنا دو دن کالج ہی نہ آئی، دو دن بعد جب وہ کالج آئی تو امبر نے اس کی ہر بات حنا کو بتائی، حنا نے اس لڑکی کی کلاس لینے کا فیصلہ کیا، مگر وہ لڑکی انھیں کہیں نظر نہ آئی، ان کے پروموشن ٹیسٹ ہونے والے تھے اور اکثر لڑکیاں تیاری کے لیے فری ہوگئی تھیں، شاید وہ لڑکی بھی فری ہوگئی تھی، امبر نے چونکہ یاسر سے ملنا ہوتا تھا، اس لیے وہ پیپروں تک آتی رہی، گھر میں کالج جانے کا کہہ کر وہ یاسر کے ساتھ چلی جاتی، اس دوران اس کے امتحان آئے اور گزر گئے، امبر نے لاپرواہی سے پڑھا اور امتحان دے دیئے، اس دوران وہ مسلسل یاسر سے رابطے میں تھی، جب اس کا رزلٹ آیا تو اس کی تین مضامین میں کنڈیشن تھی، جس کی وجہ سے وہ پرائیویٹ ہوگئی تھی، اس کی بہت انسلٹ ہوئی، اس کی ممانے اسے بہت ڈانٹا مگر اس کے بابا نے حسب معمول اس کی سائیڈ لی اور کہا کوئی بات نہیں۔ امبر کے امتحانوں کے دنوں میں اس کا ایک رشتہ آیا تھا، وہ لوگ ان کے محلے میں ہی دو چار گلیاں چھوڑ کے رہتے تھے، کیونکہ فیملی اچھی تھی اور لڑکا بھی بہت اچھا تھا، اس لیے جلد ہی رشتہ پکا ہوگیا تھا، اور امبر کے امتحانوں کے بعد کی منگنی کی ڈیٹ فائنل ہوگئی تھی۔ اب جب منگنی میں ہفتہ رہ گیا تھا تو طاہرہ نے امبر کو بتایا، امبر کو ماما کی بات سن کر بہت شاک لگا، اسے دکھ ہوا کہ پاپا نے اس کی رضامندی نہیں پوچھی اور خود ہی فیصلہ کرلیا، وہ یاسر کے علاوہ کسی اور کا ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی، اس نے تو سوچا تھا کہ جلد ہی موقع دیکھ کر ماما کو یاسر کے بارے میں بتا دے گی، اسے امید تھی کہ پاپا جو اس کی ہر فرمائش فوراً پوری کرتے ہیں اس کی یہ خواہش بھی ضرور پوری کریں گے، مگر انھوں نے اس کا رشتہ اس کی مرضی پوچھے بغیر طے کرکے اس کے ارمانوں پر پانی پھیر دیا تھا، وہ بہت پریشان تھی اور اس دوران سارا وقت اپنے کمرے میں ہی گزارتی کیونکہ اسے باہر ہونے والی منگنی کی تیاریوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی، اس نے یاسر سے ذکر کیا تو اس نے اسے تسلی دی۔

"صرف منگنی ہی تو ہے، کرنے میں کیا حرج ہے، کچھ نہیں ہوتا، بعد میں توڑ دینا"۔ امبر کو یاسر کی بات سے کچھ حوصلہ ہوا اور پھر وہ سب کے سامنے ایسے بی ہیو کرتی جیسے وہ راضی ہے، اسی طرح منگنی کا دن آ گیا، رات جب امبر یاسر سے بات کررہی تھی تو وہ کچھ نروس تھی، اسے ڈر لگ رہا تھا، منگنی کی صبح یاسر کا فون آیا کہ وہ اسے گفٹ دینا چاہتا ہے اور وہ اس کے گھر کے پاس ہے وہ باہر آئے، امبر موقع دیکھ کر گھر سے نکلی، کچھ ہی فاصلے پر یاسر کھڑا مل گیا، یاسر نے اسے ایک لفافہ دیا۔

"تمہارے لیے اسپیشل گفٹ ہے، گھر جا کر کھولنا"۔ امبر جلدی سے گھر آ گئی، اپنے کمرے میں آ کے اس نے فوراً دروازہ لاک کیا اور بے تابی سے لفافہ کھولا وہ بے چین تھی آخر کیا اسپیشل گفٹ ہے، لفافے میں سے جو "اسپیشل گفٹ" نکلا اسے دیکھ کر وہ ساکت رہ گئی، اسے لگا جیسے ساتوں آسمان اس کے سر پر آ گرے ہوں، اپنے ہاتھوں میں موجود اپنی تصویریں دیکھ کر اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا، امبر کی یہ تصویریں یاسر کے فلیٹ کی تھیں اور یہ کب لی گئی تھیں امبر نہیں جانتی تھی، اتنے میں اس کا سیل بجا،

اس نے تکیے کے نیچے سے سیل نکالا، یاسر کی کال تھی، امبر نے ریسیو کرکے فون کان کے ساتھ لگایا۔

"ہیلو جان! کیسی ہو؟" یاسر کی خوبصورت چہکتی آواز امبر کے کانوں میں پڑی، وہ ہمیشہ ایسے ہی بولتا تھا مگر آج اسے یاسر کا لہجہ طنزیہ لگا۔

"کیسا لگا میرا اسپیشل گفٹ؟" اس کی آواز میں کمینگی چھلک رہی تھی۔

"یاسر.....یہ.....!" امبر کے حلق سے آواز ہی نہ نکل رہی تھی۔

"یہ میرے پیار کا ثبوت ہے، ویسے تو میں نے یہ سب کچھ خط میں لکھ دیا ہے، مگر سوچا شاید خط میں لکھے گئے الفاظ پر تمہیں یقین نہ آئے، اس لیے تمہیں خود بتا بھی دوں، تاکہ تم کسی قسم کے دھوکے یا خوش فہمی میں نہ رہو، جان! یہ گفٹ اس لیے ہے تاکہ تم مجھے کبھی نہ بھولو اور اس منگنی کو صرف منگنی ہی سمجھو، اس سے آگے کچھ بھی نہیں اور جلد ہی اسے توڑ بھی دو کیونکہ تم میری ہو صرف میری اور جو چیز میری ہے، وہ کسی اور کی نہیں ہوسکتی، اگر تم میری نہ ہوئیں تو کسی اور کے قابل بھی نہیں رہو گی، لہٰذا اس بات کو یاد رکھنا، اور ہاں! جلد ہی مجھے میری اس محبت کا صلہ بھی چاہیے، کل تم میرے فلیٹ پر آ رہی ہو، میرے لیے 5 لاکھ لے کر، ورنہ یہ تصویریں تمہارے پیرنٹس کو بھیجنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا، اور نیٹ پر لگانے میں تو ایک منٹ بھی نہیں لگے گا، امید ہے تم سمجھ گئی ہوگی جان! صرف تمہارا یاسر! او کے ٹیک کیئر!" یاسر کے الفاظ اس کے حواسوں پر بم کی طرح پھٹے۔ اس کی اس کمینگی نے امبر کو پاتال میں دھکیل دیا تھا، کال ڈسکنیکٹ ہوچکی تھی، امبر بے جان سی ہوکر بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

"میں آپ کو سمجھانا چاہتی ہوں کہ آپ نے غلط راستے کا انتخاب کیا ہے"۔

"پلیز امبر! اپنے بڑھتے قدموں کو روک لو، کیونکہ لڑکی کے کردار کے دامن پر لگا بدنامی کا داغ بارہا کوششوں سے بھی نہیں دھل سکتا"۔

"تم خود اپنے ہاتھوں سے اپنی عزت کو داغدار کرنے پر تلی ہوئی ہو"۔

"میرا ابھی بھی یہی مشورہ ہے کہ تم اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرو اور اس سراب کے پیچھے مت بھاگو، یہ نہ ہو کہ یہ محبت جس کی خاطر تم اپنے والدین کو دھوکہ دے رہی ہو، تمہارے لیے عمر بھر کے پچھتاوے اور رسوائی کا باعث بن جائے اور تم....!" اس لڑکی کی باتیں امبر کے کانوں میں گونجنے لگیں، وہ سر پکڑ کے بیٹھ گئی۔

"انسان ہمیشہ ٹھوکر کھا کے ہی کیوں سنبھلتا ہے؟ کیوں وہ کسی کے سمجھانے پہ سمجھتا نہیں، کاش! میں اس کی باتوں پر پہلے غور کرتی تو آج یہ سب نہ ہوتا"۔ امبر تاسف و پچھتاوے میں گھری سوچ رہی تھی۔

"اب کیا ہوگا، کیا کروں میں یا اللہ!" امبر نے حنا کو کال ملائی مگر اس کا نمبر بند ملا، اتنے میں دروازہ ناک ہوا تو اس نے برق رفتاری سے سیل فون اور اس اسپیشل گفٹ کو میٹرس کے نیچے رکھا۔ وہ ہمیشہ سیل فون یہیں چھپایا کرتی تھی، اپنے آنسو پونچھے اور دروازہ کھول دیا۔ طاہرہ، امبر کو تیار کرنے آئی تھیں، امبر کی روتی نم آنکھیں دیکھ کر وہ سمجھیں کہ وہ ماں باپ سے دور ہونے کے خیال سے رو رہی ہے، اس نے طاہرہ کے لائے کپڑے خاموشی سے پہن لیے پھر انھوں نے اسے تیار کیا، اتنے میں لڑکے والے آ گئے، وہ اپنے کمرے میں ہی تھی، لڑکے کی چاروں بہنیں اور والدہ اندر داخل ہوئیں۔

"امبر بیٹا! یہ میری دونوں چھوٹی بیٹیاں ہیں، یہ پہلے نہیں آئی تھیں"۔ امبر کی ہونے والی ساس نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پیار سے دونوں لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا، ایک لڑکی آگے بڑھی جبکہ دوسری دروازے میں ہی رک گئی تھی۔

"یہ خضریٰ ہے، کچھ ہی مہینے پہلے شادی ہوئی ہے اس کی، یہ دونوں گھومنے گئے ہوئے تھے اس لیے پہلے نہیں آئے اور یہ.... ارے منتہیٰ بیٹا! وہاں کیوں کھڑی ہو، یہاں آؤ ملو اپنی بھابی سے، یہ منتہیٰ ہے، اس کے ایگزامز ہو رہے تھے اس لیے یہ اب آئی ہے"۔ امبر کی ساس دونوں بیٹیوں کا تعارف بڑے شوق اور پیار سے کروا رہی تھیں، انھیں تو امبر بہت اچھی لگی تھی، معصوم سی پیاری سی امبر انھیں اپنی اکلوتی بہو کے طور پر پہلے روز ہی پسند آ گئی تھی۔

منتہیٰ نے اپنی اماں اور دونوں باجیوں سے اکلوتی بھابی کی بہت تعریفیں سنی تھیں، اسے بھی بڑا اشتیاق تھا کہ وہ بھی جلد از جلد اپنی بھابی سے ملے، ابھی وہ لوگ پہنچے تھے تو وہ فوراً اپنی امی اور بہنوں کے ساتھ بھابی سے ملنے ان کے کمرے میں آئی تھی، کھلے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی اس کی نظر سامنے بیڈ پر نظریں جھکائے بیٹھی لڑکی پر پڑی تو وہ ساکت رہ گئی۔

"امبر....!" اس لڑکی کا نام منتہیٰ کے لبوں سے سرگوشی کی صورت میں نکلا، اس کے کانوں میں امبر کی روتی اور چہکتی آوازیں گونجنے لگیں۔

"عثمان کی محبت، میں اس کے بغیر مر جاؤں گی، میں اسے کیسے بھولوں گی؟"

"یار! اس کی آواز اتنی زبردست تھی کہ کیا بتاؤں؟" یاسر کی محبت میں سرشار اور خوشی سے جگمگاتا امبر کا چہرہ، یاسر کی تعریفیں، اس کے ساتھ اس کے فلیٹ پر گزارے گئے وقت کی روداد، اس کے تحفوں کی تعریف، اس کی باتیں، اس کی محبت کے قصیدے، اس کا ایک ایک لفظ.... منتہیٰ کی امی اسے پکار رہی تھیں، ایک دم سے وہ جیسے ہوش میں آئی اور سنجیدہ چہرے کے ساتھ آگے بڑھی۔

"السلام علیکم امبر!" اس نے سپاٹ چہرے کے ساتھ نظریں جھکائے بیٹھی امبر کو نام لے کے سلام کیا تو اجنبی آواز کے درمیان اس مانوس اور پہلے سنی ہوئی آواز پر امبر نے نظر اٹھا کے مقابل کو دیکھا تو شاکڈ رہ گئی، اسے لگا کہ آج اس کی کڑی آزمائش کا دن ہے وہ لڑکی جو اس کی خیر خواہ تھی، اس سے ہمدردی کرتی اور اسے سنبھلنے کا مشورہ دیتی تھی، اس کے سامنے کھڑی تھی، امبر نے شرمندگی سے اس کے سلام کا جواب دیا اور نظریں جھکا لیں، آج وہ اس کے سامنے اپنے آپ کو گرا ہوا محسوس کر رہی تھی، اسے یوں لگ رہا تھا کہ وہ سر بازار کھڑی ہے اور اب اگر اس نے امبر کے بارے میں سب کچھ اس کے والدین کو بتا دیا تو کیا عزت رہ جائے گی اس کی سب کی نظروں میں۔

"امبر! منتہیٰ بھی تمہارے کالج میں پڑھتی ہے"۔ امبر کی ماما نے جیسے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"آنٹی! ہم نہ صرف کالج فیلوز ہیں بلکہ ہم کلاس فیلوز بھی ہیں، اکثر میں انگلش کی کلاس میں امبر اور ان کی فرینڈ حنا کے آگے والی رو میں بیٹھتی تھی، ہے ناں امبر!" منتہیٰ نے طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے آخر میں امبر سے تصدیق چاہی تو امبر کے حلق سے بمشکل "جی" نکلا۔

"امبر! اپنا سیل نمبر مجھے دینا، میں تمہیں کال کیا کروں گی"۔ امبر کی نند خضریٰ نے امبر سے کہا۔

"بیٹا! امبر کے پاس سیل نہیں ہے"۔ امبر کی بجائے اس کی ماما نے بتایا۔

"نہیں ہے.... حیرت کی بات ہے، آج کل تو ہر ایک کے پاس سیل ہوتا ہے"۔ منتہیٰ نے امبر کی ماما کے جواب میں حیرت سے امبر کے چہرے کی طرف دیکھا اور طنزیہ لہجے میں اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا، تو امبر مزید شرمندہ ہوئی، خضریٰ نے حیرانگی اور کچھ الجھن سے منتہیٰ کو دیکھا۔

"دراصل اس کے پاپا کہتے ہیں سیل فون B.A

کے بعد دیں گے، وقت سے پہلے بچوں کو سیل فون دے دیں تو بچے بگڑ جاتے ہیں"۔ طاہرہ نے وضاحت دی۔

"جی ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ، سیل فون سے ہی تو بچے بگڑتے ہیں، خاص طور پر لڑکیاں، پھر وہ ماں باپ کی عزت کی بھی پرواہ نہیں کرتیں"۔ منتہیٰ کے لہجے میں نفرت و طنز کی کاٹ تھی، امبر نے شرم سے آنکھیں بند کر لیں، منتہیٰ کے الفاظ اسے کانٹوں کی طرح چبھ رہے تھے کیونکہ وہ اسے سنانے کے لیے ہی تو بول رہی تھی، اتنے میں خضریٰ کی کال آئی تو وہ اٹھ کے باہر چلی گئی، کچھ دیر بعد اس نے منتہیٰ کو باہر بلایا۔

"جی آپی!" منتہیٰ فوراً باہر آئی۔

"منتہیٰ! مجھے تم سے ایک بات پوچھنی ہے"۔ خضریٰ سنجیدگی سے مخاطب ہوئی۔

"جی آپی! پوچھیں"۔ وہ متوجہ ہوئی۔

"میں نے نوٹ کیا ہے کہ امبر سے ملنے سے پہلے بلکہ یہاں آنے سے پہلے تمہارے اندر جو جوش تھا بھابی سے ملنے کا، وہ ختم ہو گیا ہے، تم عجیب طنزیہ لہجے میں بول رہی ہو، کچھ عجیب سا انداز ہو گیا ہے تمہارا یہاں آ کے، اس کی وجہ کیا ہے آخر؟" بالآخر آپی نے بھی اس کا انداز نوٹ کر لیا۔

"آپی! مجھے خود سمجھ نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں؟" وہ بے بسی سے بولی تو خضریٰ حیران ہوئی۔

"بات کیا ہے، کیا پرابلم ہے؟" خضریٰ نے فکرمندی سے پوچھا۔

"آپی! امبر ہماری بھابی نہیں بنے گی"۔ اس نے اچانک کہا تو خضریٰ نے حیرت سے اس کا سنجیدہ چہرہ دیکھا۔

"کیوں؟" انھوں نے حیرانگی سے سوال کیا۔

"دراصل آپی! یہ امبر وہی امبر ہے جس کے بارے میں، میں نے آپ کو بتایا تھا، جو میری کلاس فیلو تھی"۔ منتہیٰ نے خضریٰ کو امبر کے بارے میں سب بتایا ہوا تھا۔

"اوہ.... اچھا تو اسی لیے مجھے امبر کا چہرہ دیکھا سا لگا تھا، پھر میں نے سوچا شاید میرا وہم ہے"۔ خضریٰ کو یاد آ گیا تھا، ابھی کچھ ہی روز پہلے وہ دونوں بازار گئی تھیں، راستے میں روڈ پر ٹریفک جام تھی، ان کے قریب ایک بائیک آ کے رکی تھی، اس پر ایک لڑکی بڑی بے تکلفی سے لڑکے کے کندھے پر ہاتھ رکھے مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہی تھی، اس وقت منتہیٰ نے خضریٰ کو بتایا کہ یہ لڑکی میری کلاس فیلو ہے اور گھر والوں سے چھپ کر اس لڑکے سے فون پر باتیں بھی کرتی ہے، وہ دونوں چونکہ نقاب میں تھیں اس لیے امبر نے انھیں دیکھا بھی تھا مگر منتہیٰ کو پہچانا نہیں تھا۔

"منتہیٰ! ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے اور فوراً ماما کو بتانا چاہیے، کیونکہ ایسی لوز کریکٹر لڑکی کو تو ہم ہرگز اپنے بھائی کی زندگی میں شامل نہیں کر سکتے"۔ وہ دونوں فیصلہ کر کے اندر کی طرف بڑھیں اور ماما کو لے کے باہر آئیں اور ساری بات ماما کے گوش گزار کر دی وہ تو حیران پریشان رہ گئیں کہ اس جیسی معصوم لڑکی بھی ایسا کر سکتی ہے، وہ تو یقین ہی نہیں کر رہی تھیں، باقی دونوں بہنوں کو جیسے ہی پتہ چلا انھوں نے فوراً رشتہ توڑنے اور پاپا کو بتانے پر زور دیا، اتنے میں امبر کی امی (طاہرہ) باہر آ گئیں۔

"کیا بات ہے بہن جی! آپ لوگ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟" طاہرہ نے منتہیٰ کی ماما سے پوچھا۔

"بس ہم اندر ہی آ رہے تھے"۔ انھوں نے فوراً وضاحت دی اور بات شروع کرنے کے لیے الفاظ جوڑنے لگیں۔

"دراصل مہمان انتظار کر رہے ہیں کہ رسم کب ہو گی؟" طاہرہ نے سادگی سے اپنے آنے کی وضاحت دی۔

"طاہرہ بہن! دراصل بات یہ ہے کہ.... ہم یہ

رشتہ نہیں کر سکتے"۔ منتہیٰ کی ماما نے آہستہ آواز میں سنجیدگی سے معذرت کی تو طاہرہ کا رنگ فق ہوگیا، انھیں تو سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں؟

"یہ.... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" طاہرہ نے بمشکل پوچھا، کیونکہ کچھ دیر قبل تو وہ لوگ بہت خوش تھے مگر اب اچانک.... جواباً منتہیٰ کی ماما نے ساری بات طاہرہ کو بتادی۔

"میری امبر ایسی نہیں ہے، بالکل بھی نہیں، وہ تو....!" طاہرہ کے لبوں سے بمشکل یہ جملہ ادا ہوسکا، انھیں تو ان لوگوں کی باتوں پر یقین ہی نہیں آرہا تھا۔

"اپنی اولاد پر تو سب کو ہی اعتبار ہوتا ہے، مگر طاہرہ بہن! یہ سب سچ ہے"۔

"بیٹا! ہوسکتا ہے تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو، میری امبر وہ لڑکی نہ ہو جو تم سمجھ رہی ہو"۔ طاہرہ نے منتہیٰ سے بے بسی سے پوچھا، وہ چاہ رہی تھیں کہ کاش منتہیٰ کہہ دے جی آنٹی! امبر وہ نہیں ہے مجھے ہی غلط فہمی ہوئی ہے، مگر منتہیٰ کی خاموشی نے انھیں اس تلخ حقیقت پر یقین کرنے پر مجبور کردیا۔

"آنٹی! میں نے خود کئی بار امبر اور اس کی فرینڈ حنا کی باتیں سنی ہیں، امبر روز کبھی اس لڑکے کی باتیں تو کبھی اس کے ایس ایم ایس حنا کو سنا رہی ہوتی تھی اور یہ سب غلط فہمی نہیں ہے"۔ منتہیٰ نے سنجیدگی سے بتایا۔

"مگر.... امبر کے پاس تو موبائل نہیں ہے"۔ طاہرہ نے امبر کی صفائی دینا چاہی۔

"آنٹی! آپ لوگوں نے نہیں دیا، مگر اس کے پاس موبائل ہے، وہ اتنی بار تو کالج بھی لاچکی ہے، وہ چھپا کے یوز کرتی ہے، مجھے یاد ہے ایک بار امبر نے حنا کو بتایا تھا کہ وہ کبھی کپڑوں کی الماری میں تو کبھی میٹرس کے نیچے سیل چھپاتی ہے اور....!" منتہیٰ کی بات سنتے ہی طاہرہ فوراً کمرے کی طرف بڑھیں، امبر کو میٹرس سے اترنے کو کہا اور امبر کے اترتے ہی جلدی سے میٹرس اٹھایا، سامنے ہی سیل فون، ایک ادھ کھلا کاغذ اور ایک لفافہ پڑا دیکھ کر طاہرہ کی ٹانگیں لرز گئیں، اس سے پہلے کہ وہ ان تینوں چیزوں میں سے کچھ اٹھاتیں، ایک دم کسی نے آگے بڑھ کر وہ ادھ کھلا کاغذ اور لفافہ تیزی سے اٹھالیا، طاہرہ نے سر اٹھایا تو ششدر رہ گئیں کہ اکرام صاحب وہ ادھ کھلا کاغذ پڑھ رہے تھے اور ساتھ ہی ان کے چہرے کے تاثرات بھی غضب ناک ہو رہے تھے، امبر جو حیرانگی سے ساری کارروائی دیکھ رہی تھی، پاپا کو تیزی سے کمرے میں آتا اور وہ خط اٹھاتا دیکھ کر کانپنے لگی، اس نے بمشکل اپنے بے جان وجود کو بیڈ کی بیک سے سہارا دیا تھا، سب کے سامنے اتنی ذلت کا تو وہ کبھی تصور بھی نہ کرسکتی تھی، اکرام صاحب تو اندر یہ کہنے آئے تھے کہ رسم شروع کی جائے مگر اندر ان سب کے درمیان ہوتی باتوں نے انھیں ٹھٹکنے پر مجبور کردیا، خط پڑھتے ہوئے ان کا ہاتھ لرزا اور ان کے ہاتھ سے لفافہ نیچے گر گیا، گرنے سے اس کے اندر موجود تصاویر کارپٹ پر بکھر گئیں، انھوں نے صرف ایک نظر اپنی لاڈلی کی تصویر دیکھیں مگر انھیں لگا کہ ان کی دماغ کی نس پھٹ جائے گی۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا، تم نے ہماری عزت خاک میں ملادی، بے غیرت.... بے حیا!" اکرام صاحب خطرناک تیور لیے امبر کی طرف بڑھے اور اس کی گردن دبوچ لی، اپنی "محبت خاص" کے تحفے کی وجہ سے امبر کے پاپا جنھوں نے کبھی اسے غصے سے بھی نہ دیکھا تھا، آج جان سے مارنا چاہ رہے تھے، اس ذلت پر امبر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے مگر اس نے ایک بار بھی پاپا کے ہاتھوں سے اپنی گردن چھڑوانے کی کوشش نہیں کی، شاید وہ بھی اس ذلت کی زندگی سے آزادی چاہتی تھی۔

"انکل.... انکل! پلیز کیا کر رہے ہیں آپ پلیز چھوڑیں اسے"۔ منتہیٰ فوراً آگے بڑھی، طاہرہ کو تو

سکتہ ہوگیا تھا اپنی بیٹی کا یہ روپ تو انھوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا، ان کی نازوں پلی لاڈلی مہمانوں کے سامنے انھیں ایسے رسوا کروائے گی، یہ تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، اور امبر کی چھوٹی بہن کومل حیران پریشان اصل معاملے سے لاعلم کارپٹ پر بکھری اپنی آپی کی تصاویر کو بے یقینی سے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کیا یہ امبر آپی ہیں؟

"چھوڑ دو مجھے، میں اس بے حیا کو جان سے ماردوں گا، چھوڑ دو....!" منتہیٰ نے اکرام صاحب کے ہاتھوں سے امبر کی گردن چھڑانی چاہی مگر انھوں نے اس کے ہاتھ جھٹک دیے، امبر کے لب مقفل تھے، اس لمحے امبر کا جی چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے، سب کی نظروں سے وہ کسی طرح دور ہوجائے، ایسی جگہ چلی جائے جہاں اس کی "محبت کی عنایتوں" کے بارے میں کوئی کچھ نہ جانتا ہو۔

اتنے میں امبر کے دونوں بھائی پاپا کی اونچی آواز پر اندر آئے تو سامنے کا منظر دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھے مگر راستے میں کمرے کے عین درمیان کارپٹ پر گری تصویروں نے ان کے قدم روک لیے، بڑے بھائی نے وہ گرا ہوا کاغذ اٹھایا، اسے پڑھتے ہی اس کے تاثرات بھی تبدیل ہوگئے، اس نے غصے اور نفرت سے امبر کی طرف دیکھا۔

"پاپا! چھوڑیں اسے، کیوں اسے مار کر آپ اس کے ناپاک خون سے اپنے ہاتھ ناپاک کرنا چاہتے ہیں، یہ تو نفرت کے بھی قابل نہیں ہے، چھوڑیں اسے، پلیز پاپا! آپ کی طبیعت خراب ہوجائے گی، چلیں یہاں سے"۔ دونوں بھائیوں نے پاپا کے ہاتھوں سے امبر کی گردن چھڑائی تو امبر ایک جھٹکے سے بیڈ پر گری، وہ دونوں بمشکل پاپا کے بے جان ہوتے وجود کو سہارا دیتے ان کے کمرے میں لے گئے۔

"ہمیں معاف کردیجیے گا بہن! ہم یہ سب نہیں چاہتے تھے، ہم اگر اس سب کو امبر کی نادانی اور بھول سمجھ کر نظر انداز بھی کردیتے تو بعد میں کبھی بات کھلنے پر دونوں خاندانوں کی بدنامی ہوتی، ہم بھی بیٹیوں والے ہیں اس سے ہماری بیٹیوں کی زندگیوں پر بھی اثر پڑتا، اور پھر بہو تو آئندہ نسلوں کی امین ہوتی ہے، ہمارا تو ایک ہی بیٹا ہے، ہم کم از کم ایسی بہو کو لے جا کر اپنی آئندہ نسلوں کو خراب نہیں کرسکتے، جو رشتوں کا تقدس نہ سمجھتی ہو اور جسے اچھے برے کی تمیز ہی نہ ہو، مرد بدصورت، بدسلیقہ بیوی تو برداشت کر ہی لیتا ہے، مگر بدکردار بیوی کبھی برداشت نہیں کرتا، اگر ہوسکے تو ہمیں معاف کردیجیے گا، اللہ حافظ!" منتہیٰ کی ماما نے آہستگی سے کہا اور کمرے سے نکل گئیں، کچھ ہی دیر میں وہ لوگ اور سب مہمان چلے گئے، نجانے انھوں نے مہمانوں کو کیا وجہ بتائی کہ کوئی کچھ بھی نہیں بولا اور خاموشی سے وہ سب جیسے خوش خوش آئے تھے چلے گئے، مگر طاہرہ کو اتنا یقین تھا کہ انھوں نے ان کی عزت کا بھرم رہنے دیا ہوگا۔

امبر کو وہیں بیڈ پر گرا چھوڑ کے سب اپنے کمروں میں چلے گئے، اکرام صاحب کو سیریس ہارٹ اٹیک ہوا تھا، وہ سب انھیں لے کر اسپتال چلے گئے، مگر راستے میں ہی وہ جہان فانی سے کوچ کرگئے، اپنی لاڈلی بیٹی کے ہاتھوں اس قدر ذلت اٹھانا ان کے بس میں نہ تھا، وہ بیٹی جسے انھوں نے ہر خوشی دی تھی اس نے آج ان کو ہمیشہ کی ذلت و رسوائی سے دوچار کردیا تھا، ان کا کمزور دل یہ سب نہ سہہ سکا اور ان کا ساتھ چھوڑ گیا، اکرام صاحب حرکت قلب کے بند ہوتے ہی ان کے گھر میں کہرام مچ گیا، باپ کا سایہ اٹھ جانے پر جوان بیٹے بلک بلک کے روئے، طاہرہ اپنے حواس کھو بیٹھیں اور کومل تو اس اچانک افتاد پہ حیران پریشان سہمی ہوئی ایک کونے میں بیٹھی تھی، کچھ دیر قبل کس قدر خوشیاں تھیں اس گھر میں اور اب

صرف ایک گھنٹے میں ہی وہ سب خوشیاں آنسو بن کر ان سب کی آنکھوں سے بہہ رہی تھیں، وہ قدرت کی اس ستم ظریفی پر حیران تھی جو رشتہ دار ان کی خوشیوں میں شرکت کے لیے آئے تھے وہ اب ان کے دکھ میں شریک تھے۔

امبر اپنے بیڈ کے قریب بے حس و حرکت بیٹھی اپنے سود و زیاں کا حساب کر رہی تھی، کیا پایا تھا اس نے اس جھوٹی فریبی محبت سے، سوائے پچھتاوے، خسارے اور سب کی نفرت کے۔ اس نے ایک راہ غلط کا انتخاب کر کے اپنی زندگی کو تو تاریک کیا ہی مگر اپنے ساتھ ساتھ اس نے اپنے اس غلط فیصلے سے اپنی فیملی کی زندگی کی راہ بھی اندھیروں اور کانٹوں سے بھر دی، اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی خوشیوں بھری جنت کو بکھیر دیا۔ وہ باپ جس نے اپنی بڑی بیٹی کو اپنی لاڈلی بنا کر رکھا اسے چھوٹی بیٹی اور دونوں بیٹوں پر ترجیح دی، اس پر اندھا اعتماد کیا، اس کے منہ سے نکلی ہر فرمائش کو، اس کے ہر خواب ہر خواہش کو بلا تاخیر پورا کیا، اسے ہر سہولت اور ہر طرح کا عیش و آرام دیا، جس پر انھیں سب سے زیادہ مان تھا، اس بیٹی نے آج اپنے اس باپ کو دنیا کے سامنے ذلیل و رسوا کر دیا، اس کا تماشا بنوا کے اس کے اعتبار و مان اور عزت کی دھجیاں بکھیر دیں۔ وہ بھائی جو اپنی بہن سے بے انتہا پیار کرتے تھے، اس کی ہر خوشی کا خیال رکھتے تھے آج اس بہن نے ان بھائیوں کو رسوائی کا سامنا کروا دیا۔ وہ ماں جو اپنی بیٹی کی ذرا سی تکلیف پر پریشان ہو جاتی تھی، راتوں کو جاگ جاگ کر اس کا خیال رکھتی تھی، اپنی بیٹی کی آنکھوں میں آنسو جس ماں سے برداشت نہ ہوتے تھے آج اس بیٹی نے اپنی اس ماں کی آنکھوں کو ہمیشہ کے لیے آنسوؤں کا گھر بنا دیا تھا۔

وہ بہن جو اپنی آپی سے پیار کرتی تھی اور اس کی خوبصورتی سے متاثر تھی اور ہمیشہ اپنی آپی جیسی خوبصورت بننا چاہتی تھی، وہ اپنی آپی کو آئیڈیلائز کرتی تھی، آج اس کی آپی نے اپنی اس بہن کے ننھے معصوم ذہن میں یہ بات نقش کر دی کہ ایسی خوبصورتی، ایسا حسن خدا کسی کو بھی نہ دے جس کے بعد انسان کو اپنی اور اپنے سے منسلک رشتوں کی عزت کا خیال ہی نہ رہے۔ بے شک کومل اور امبر بالکل مختلف ہر لحاظ سے، شکل و صورت سے لے کر عادات، پسند ناپسند اور کردار میں ان دونوں میں بے حد فرق تھا مگر دنیا اب اسے بھی اسی نظر سے دیکھے گی، اس کا ہر دم امبر سے موازنہ کیا جائے گا کہ بڑی بہن ایسی تھی تو چھوٹی بھی ایسی ہی ہو گی، کیا ہو گا اب کومل کا مستقبل؟ جس آپی سے کومل بے تحاشا پیار کرتی تھی اسی آپی نے اس کا مستقبل تاریکیوں کی نظر کر دیا تھا، کیا اب بھی اس کے بھائی اور اس کی ماما اس پر اعتبار کر سکیں گے؟ کیا اس کا ڈاکٹر بننے کا خواب کبھی پورا ہو سکے گا؟ امبر نے اپنے ضمیر کی آواز پر ندامت و پشیمانی سے سر جھکا لیا، پچھتاوے میں گھری سوچوں نے اس کے دماغ پر دھاوا بول دیا تھا، اس نے بے بسی سے اپنے اردگرد گونجتی آوازوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے مگر بے سود، پھر آخر کار وہ سر پر تکیہ رکھ کے کارپٹ پر لیٹ گئی، اسے آج یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ صدیوں کی مسافت ننگے پاؤں طے کر کے آئی ہے اور اب وہ سر بازار ننگے سر بے سہارا، بے آسرا اور لاوارث کھڑی ہے، اس کی ایک غلطی نے اس کے اپنے اس سے چھین لیے تھے کتنا ظلم کیا تھا اس نے اپنوں کے ساتھ، خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی اور اپنے ماں باپ کی عزت کو مٹی میں رول دیا تھا، تماشا بنا دیا تھا اپنی ذات کو، جب کسی نے اسے سمجھانا چاہا تو اس نے اسے بے عزت کر دیا اور اب جب اسے احساس ہوا کہ اس کا اٹھایا گیا قدم غلط تھا، تو اب بہت دیر ہو چکی تھی

اب سوائے پچھتاوے کے اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں رہا تھا، نہ عزت، نہ اپنے، نہ اپنوں کا پیار نہ اعتماد۔ اسے اب اس بات پر یقین آ گیا تھا۔

"کرو حفاظت اپنے کردار کی، ہے یہ نازک کانچ کی مانند
ٹوٹ جائے اگر یہ ایک بار تو کبھی جڑتا نہیں دوبارہ"

کہتے ہیں کہ کسی کی شہرت اتنی جلدی نہیں پھیلتی جتنی جلدی کسی کی بدنامی پھیلتی ہے۔ سارے محلے میں امبر کے بارے میں مختلف باتیں گردش کرنے لگیں، لاکھ وہ لوگ چھپانا چاہیں مگر عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے، امبر کی رسوائی کی مشک بھی پورے محلے میں پھیل گئی تھی، لوگ تو متجسس تھے کہ اچانک ایسا کیا ہوا جو رشتے والے بغیر منگنی کیے واپس لوٹ گئے، باپ کو جان لیوا ہارٹ اٹیک ہوا، اور ماں اپنے حواسوں میں نہیں رہی، باقی سب بھی گم صم بیٹھے ہیں، لوگ گھر آ کے عجیب عجیب باتیں کرتے، ایک ہفتہ ہی بمشکل گزرا مگر ان سب کو یہ ایک ہفتہ صدیوں کے برابر لگتا تھا، لوگوں کی طنزیہ باتوں اور طعنوں نے ان کی زندگی عذاب کر دی، کومل نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا، اسے اب اپنا ڈاکٹر بننا بس ایک خواب لگنے لگا، ایسا خواب جو صرف آنکھیں بند رہنے تک رہتا ہے، اور آنکھیں کھولنے پر اس کا شائبہ تک نہیں رہتا، بھائی بھی الگ پریشان رہتے، گھر میں اب پانچ افراد تھے، طاہرہ کا ہونا نہ ہونا ایک برابر تھا، امبر سارا دن اپنے کمرے میں ہی رہتی، وہ کھانا کھائے نہ کھائے، اب بھائیوں کو اس کی کوئی فکر نہ تھی، اس کی واحد راز دار دوست حنا نے بھی اس سے کوئی رابطہ نہ کیا تھا، جب اس کا مان ٹوٹا جو اسے حنا پہ تھا، یا سر پہ تھا تو اسے احساس ہوا کہ کوئی جو آپ کو سب کچھ سمجھتا ہو، آپ پر اعتماد کرتا ہو، جب اس کا مان توڑا جائے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے دل میں، کتنا تڑپتا ہے دل، مگر اب اس احساس کا کیا فائدہ تھا؟ جب کچھ باقی ہی نہیں رہا، وہ تو اپنا سب کچھ کھو چکی تھی، وہ لوگ جو اکرام صاحب اور ان کی فیملی کی تعریفیں کرتے تھے، اب امبر کی وجہ سے ان کے بارے میں باتیں کرنے لگے تھے، اس کے دامن پر تو کیچڑ لگا ہی تھا، لوگ اس کی بہن کو بھی اس کیچڑ کا حقدار بنا رہے تھے، اب وہ سوچتی تھی کہ کاش وہ اپنی عزت کا خیال کر لیتی، تو آج اس کی بہن کو لوگ یوں قصوروار نہ ٹھہراتے، لڑکی کی عزت، اس کے کردار کی عظمت تو پھول کی خوشبو کی طرح ہوتی ہے جو ایک بار چلی جائے تو پھر لوٹ کر نہیں آتی، کلی کو ٹہنی سے توڑ دیا جائے تو وہ دوبارہ کبھی بھی اس ٹہنی کا حصہ نہیں بن سکتی اور جلد ہی مرجھا جاتی ہے، امبر کی حالت بھی ایک کلی کی طرح ہو گئی تھی، جو اپنی غلطی کی وجہ سے ٹہنی سے الگ ہو گئی تھی اور اب بارہا کوششوں سے بھی دوبارہ ٹہنی اور اس پودے کا حصہ نہیں بن سکتی تھی، اب اس کے مقدر میں صرف مرجھانا لکھا تھا، کیونکہ اس کی اس گھر میں، اس معاشرے میں کوئی جگہ نہ تھی۔

محلے والوں سے تنگ آ کر اسد اور احمد نے گھر بدلنے کا ارادہ کیا، اور جلد ہی انھیں ایک اچھی جگہ گھر مل گیا جہاں انھیں کوئی نہیں جانتا تھا، سامان کی شفٹنگ شروع ہوئی، کومل بھی خاموشی سے کاموں میں ہاتھ بٹاتی رہی، اسد اور احمد تو کومل سے بھی بات نہ کرتے تھے، وہ اس سے بھی بدگمان ہو گئے تھے، آخر کو تھی تو وہ امبر کی بہن ہی، مگر کومل دل ہی دل میں عہد کر رہی تھی کہ وہ اپنے بھائیوں کو یقین دلا کے رہے گی کہ وہ امبر نہیں ہے، وہ ایک عزت دار اور شریف باپ اور ایک باکردار عورت کی بیٹی ہے، اس میں امبر جیسی ایک بھی عادت نہیں ہے۔ اور یقیناً وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہو جائے گی، کیونکہ حقیقت پر بدگمانی کی جتنی مرضی موٹی تہہ جم جائے مگر حقیقت اپنا آپ منوا لیتی ہے۔

جس دن ان لوگوں نے اس گھر سے جانا تھا تو صبح ناشتے کے بعد کافی دیر تک امبر باہر نہ آئی،

ابھی تک امبر نے کمرے سے باہر قدم نہ نکالا تھا، بالآخر غصے سے تنگ آ کر احمد اس کے کمرے میں گیا تو دیکھا کہ امبر کارپٹ پر بے سدھ پڑی ہوئی تھی، اسد اور کومل بھی اتنے میں اندر آ گئے، مگر امبر اس دنیا سے اپنا تعلق توڑ کر ملک عدم کی راہی بن چکی تھی۔ اسد نے کمرے کا جائزہ لیا، کمرے کی حالت کسی اسٹور کی مانند ہوگئی تھی، ساری چیزیں بکھری ہوئیں، ڈیکوریشن پیس ٹوٹ کر بکھرے ہوئے، بیڈ کی چادر ایک کونے میں پڑی تھی، کرسٹل کے گلدان جو پاپا اس کے لیے دبئی سے لائے تھے، کرچی کرچی ہو کر اپنی کم مائیگی پر ماتم کناں تھے۔ امبر نے وہی سوٹ پہن رکھا تھا جو اس کی منگنی والے دن طاہرہ نے پیار سے اسے دیا تھا، جو وہ اور اکرام صاحب اپنی پسند سے اپنی لاڈلی کے لیے لائے تھے، اکرام صاحب کے باغ کی لاڈلی کلی اپنی خطا کی وجہ سے مرجھا چکی تھی۔

امبر جیسی بیٹیاں جو اپنے ماں باپ کے اعتبار، مان، پیار و محبت اور عزت کو اپنی چند دنوں کی محبت کے قدموں تلے روند کے اپنی منہ زور خواہشوں کی تشفی کے لیے غلط نیت سے گھر سے باہر قدم نکالتی ہیں، ان بیٹیوں کی وجہ سے وہ والدین جنھیں بیٹی کی چاہ اور خواہش ہوتی ہے، وہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ان کی کوئی بیٹی نہیں ہے، ورنہ وہ بھی ایسا ہی کرتی، ان کی محبت و شفقت کو اپنے قدموں تلے روند کے ان کے اعتبار اور ان کی عزت کو خاک میں ملا دیتی۔

بیٹیاں تو اللہ کی رحمت ہوتی ہیں، مگر ایسی بیٹیاں جو ماں باپ کو پیار و محبت کے بدلے ذلت و رسوائی دیں، وہ رحمت کے بجائے زحمت ہی کہلاتی ہیں، اور ماں باپ ایسی زحمت کے بجائے بیٹوں کی خواہش کرتے ہیں، بیٹیوں پر بیٹوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

یہ لمحہ فکریہ ہے کہ ہمیں رحمت چاہیے کہ زحمت؟ ماں باپ کو اپنے بچوں کو اور خاص طور پر لڑکیوں کو سہولتیں دے کر بے پرواہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان کی نگرانی بھی کرنی چاہیے، بے شک والدین اپنی اولاد پر جتنا مرضی اعتماد کریں مگر خدارا! ان کی سرگرمیوں پر بھی نظر رکھیں، ان کے دوستوں کو دیکھیں کہ آیا ان کی اولاد کی صحبت کیسی ہے، ورنہ رحمت زحمت بن جایا کرتی ہے۔

یاسر جیسے لوگ تو ہمارے معاشرے کی ایک ایسی برائی ہیں کہ جس کے خاتمے کے لیے جب تک سب سنجیدگی سے کوششیں نہیں کریں گے، اس برائی کا خاتمہ ممکن نہیں اور برائی کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے پہلے اس کے اسباب کو جاننا ضروری ہے، اگر والدین اپنے بچوں کو وقت دیں، ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھیں، ان کو اچھی تربیت دیں تو کسی بھی برائی سے ان کو بچانا مشکل نہیں ہے۔

نسل نو جس بے راہ روی کا شکار ہے اس سے ان کو روکنے کے لیے سنجیدگی سے سوچنا بہت ضروری ہے اور لڑکیوں کو کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہیے کہ ان کے ماں باپ ان پر اعتبار کرتے ہیں، ان کی معاشرے میں عزت ہے، ان کے غلط اقدام سے ان کو تکلیف ہو سکتی ہے، اور سب سے بڑی بات کہ لڑکی کا دامن اگر ایک بار داغ دار ہو جائے یا اس کے دامن پر بدنامی کا ایک چھینٹا ہی پڑ جائے تو وہ بارہا کوششوں سے بھی نہیں دھل سکتا، اس لیے بعد کے پچھتاوے سے پہلے سنبھل جانا بہتر ہے کیونکہ:

اپنے کردار کی عظمت کو کبھی پامال نہ کرنا
کہ لوٹ کے آتی نہیں پھول میں خوشبو کبھی

یہ فیصلہ ہر لڑکی خود کرتی ہے کہ وہ "رحمت" بننا چاہتی ہے یا "زحمت"؟

☆.....☆.....☆

مہک گل

افسانہ

میری الفت میرا سایہ

''ٹرن...ٹرن...!'' موبائل بجنے لگا تو 14 سالہ خدیجہ جو کہ 9th کے پیپر کی تیاری کر رہی تھی فون کی آواز سن کر جلدی سے کمرے سے نکل کر باہر ہال میں چارجنگ میں لگے موبائل پر نمبر دیکھ کر مسکراتے ہوئے فون ریسیو کرتے ہوئے بولی۔

''ہیلو گل باجی! السلام علیکم... کیسی ہیں آپ؟''

''وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں چلبلی!'' وہ پیار سے بولی۔

''آج کیسے یاد کیا؟''

''وہ مجھے محراب سے بات کرنی ہے جلدی سے موبائل اس کو پکڑاؤ ورنہ میرا بیلنس ختم ہو جائے گا''۔ وہ جلدی سے مطلب کی بات کرتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے باجی! میں بلا کر لاتی ہوں''۔

''محراب آپی... محراب آپی!'' وہ نیچے سے ہی گلا پھاڑ کر اوپر چھت پر امی کے ساتھ کپڑے دھوتی ہوئی محراب کو آواز دینے لگی۔

''کیا ہوا ہے جو گلا پھاڑ کر چیخ رہی ہو، اب کیا کام کرنا رہ گیا ہے مجھ سے؟'' خدیجہ کے برابر میں کھڑے بڑے بھائی کو دیکھ کر وہ سمجھی کہ شاید بھائی کے کپڑے پریس کرنے کے لیے آواز دے رہی ہے، کیونکہ خدیجہ ہمیشہ سے کام سے چڑتی تھی، تبھی وہ بھی چڑچڑے انداز سے بولی۔

''وہ گل باجی کا فون آیا ہے آپ کو یاد کر رہی ہیں، جلدی سے نیچے آجائیں، ورنہ کنجوس سسٹر کا بیلنس ختم ہو جائے گا''۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کا بیزار چہرہ دیکھ کر بولی۔ محراب جلدی سے گل کے فون کا سن کر خوش ہوتے ہوئے سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے آئی اور موبائل کو جلدی سے کان سے لگایا۔

''ایسا بھی کیا ہوا ہے جو مجھ سے بات کرنے کا دن ہوا ہے؟'' محراب فوراً سے کہہ اٹھی، تو دوسری طرف ہمیشہ کی طرح یہ جملہ سن کر وہ غصہ پی کر رہ گئی۔

''کتنی بدتمیز ہو تم، نہ سلام نہ دعا؟ اور چلی ہیں بات پوچھنے، کچھ تو خیال کرو اپنی بڑی سسٹر کا''۔ وہ ہمیشہ کی طرح ٹوکتے ہوئے بولی۔

''اچھا بڑی بی! السلام علیکم!'' وہ جھٹ سے بولی۔

''اب بولو بھی! مجھے بہت کام کرنا ہے''۔ وہ جلدبازی سے بولی۔

''وہ میں نے اس لیے فون کیا ہے آج مدرز ڈے ہے، وہ جو ہم دونوں نے تین مہینے پہلے سے پلاننگ کی تھی وہ یاد ہے یا پھر اپنے کاموں کے چکر میں بھول بھال کر بیٹھی ہو؟'' وہ اس کو آج کا خاص دن یاد دلاتے ہوئے بولی۔

''اوہ مائی گاڈ! سوری گل! واقعی میں، میں تو آج کا خاص دن بھول ہی گئی تھی''۔ وہ شرمندہ ہوتے ہوئے بولی، اس نے گل سے تین دن پہلے کہا تھا کہ اس بار کا مدرز ڈے وہ مجھے یاد دلائے گی، مگر ہمیشہ کی طرح وہ یہ خاص دن بھول گئی۔

''ماں سے پیار جو نہیں کرتی ہو، اس لیے تمہارے کند ذہن سے یہ بات نکل گئی ہے''۔ وہ اس کو تنگ کرتے ہوئے بولی۔

''ہاں ہاں! پیار تو صرف تم دونوں سسٹرز کرتی ہو، ہم کو تو وہ گھر کی مرغی دال برابر لگتی ہیں''۔ وہ بھی طنز کرتے ہوئے بولی، گل اور یاسمین، محراب کی بڑی بہنیں تھیں، جن کی تایا کے گھر شادی ہوئی تھی، باقی محراب سے دو چھوٹی بہنیں خدیجہ اور حیا تھیں، خدیجہ 9th میں پڑھتی تھی، جبکہ حیا پریپ ٹو میں پڑھتی تھی، محراب کے تین بھائی تھے، بڑا بھائی عالم جس کا نام عالم زیب، دوسرا جہانزیب اور تیسرا احمد تھا۔

☆.....☆.....☆

''احمد! تم گھر جا رہے ہو؟ ہمیں بھی گھر جانا ہے ساتھ چلتے ہیں''۔ گل تیاری کے ساتھ اپنے سے

چھوٹے بھائی سے بولی جو کہ گھر جانے کے لیے نکلا تھا۔

"خیریت تو ہے اتنی تیاری کس خوشی میں، بالکل بندریا لگ رہی ہو"۔ اس کو تیار دیکھ کر وہ شروع ہوگیا۔

"تمہیں کیوں بتاؤں؟" وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔

"اف.... مجھے ڈر لگ رہا ہے، اتنا میک اپ، اتنا میک اپ چہرے پر تھوپنے کی کیا ضرورت ہے، تمہارے ساتھ بڑی بہن بھی ہے، کتنی سادہ سی ہے چہرہ میک اپ سے بالکل بے نیاز، پھر بھی تم سے سو فیصد پیاری لگ رہی ہے"۔ وہ ہمیشہ سے اس کو میک اپ کرنے پر تنگ کرتا تھا، جس پر گل اس کو ٹھیک طرح سے سنا کر اس کی طبیعت صاف کرتی تھی، تو احمد کانوں کو پکڑ لیتا۔

"سوری بہنا! اب چلیں؟" وہ ہنستے ہوئے بولا تو دونوں بہنیں جلدی سے گھر کو تالا لگا کر نکلیں، بڑی بھانجی زونائشہ کو گل نے سنبھالا ہوا تھا، جبکہ چھوٹے زیان کو ماں نے گود میں اٹھایا ہوا تھا، باقی گفٹ وغیرہ احمد نے پکڑے ہوئے تھے۔

"رکشے والے!" احمد نے رکشے والے کو ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

"خیبر گیٹ تک جانا ہے"۔ احمد نے پتہ سمجھایا۔ گھر پہنچنے پر محراب اور خدیجہ سے ملیں جبکہ امی ڈاکٹر کے پاس گئی ہوئی تھیں۔ گل اور یاسمین مل کر سارا سامان شاپر سے نکال کر جلدی جلدی میز پر سجانے لگیں۔ ماں کے آنے سے پہلے محراب نے کچوریاں، بریانی اور لب شیریں ڈشوں میں نکال کر گل کو میز پر رکھنے کے لیے دیں، احمد علی نے یہ تیاری دیکھ کر اپنی جیب سے ڈیری ملک نکالا۔

"میری طرف سے یہ رکھ دو، کیونکہ میری اتنی ہی حیثیت ہے"۔ ہنستے ہوئے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے وہ بولا۔

"بہت خوب بھئی! اب احمد (کوڈو) نے بھی دولت کے معاملے میں ترقی کرلی، کہیں ایسا تو نہیں ہے ان ڈھیر ساری کھانے کی چیزوں کو دیکھ کر تمہاری نیت بدل گئی ہے، جو اتنا خرچہ کرکے ڈیری ملک اٹھا لائے ہو؟" یاسمین اس کی کنجوس طبیعت پر چوٹ کرکے بولی۔

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے بہنا! مجھے ایسا لگا کہ یہاں جو حصہ ڈالے گا، قربانی کے گوشت کی طرح اس کو کھانے کو ملے گا، جب ہی تو میرے چھوٹے سے ذہن میں یہ بات سمائی کہ چل احمد! ایسے معاملوں میں تجھے پیچھے نہیں رہنا چاہیے، ورنہ لوگوں کو تو میری کمزور عادت کا پتہ ہے کہ کسی کو کھاتا دیکھ کر میرا ٹمپریچر گر جاتا ہے، میں نہیں چاہتا کہ تمہارا یہ پیارا سا سجا سجایا مدرز ڈے خراب ہوجائے، کیوں صحیح بولا ناں میں نے؟" وہ ندیدوں کی طرح ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا جیسے کوئی چیز چکھ لی ہو، تو گل اور محراب اس کے ندیدے پن پر غصے سے گھور کر رہ گئیں۔

"بڑا آیا ٹمپریچر گر جائے گا"۔ محراب بڑبڑاتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی۔

☆.....☆.....☆

"یہ ہمارے گھر کی لائٹ کیوں نہیں ہے؟ گلی میں تو سب کی لائٹ ہے"۔ امی گھر میں داخل ہوتے ہوئے بولیں۔

"اور یہ کیا.... گھر میں اتنی خاموشی کیوں ہے، یہ بچے کہاں چلے گئے ہیں؟" میر صاحب تاریکی میں اپنی نظریں دوڑاتے ہوئے بیوی سے بولے۔

"محراب.... خدیجہ بیٹا!" وہ آواز دینے لگے۔ آواز دینے کے ساتھ ہی پورا گھر روشن ہوگیا اور سب بچے تالیاں بجاتے ہوئے آگے بڑھ کر ماں کو وش کرنے لگے۔

"Hapy Mother's Day my mother is the best mother's in the world, my Allah give you long life with happiness & joyfully."

سب بچے مل کر گنگناتے ہوئے بولے۔ امی یہ سب دیکھ کر خوش ہوگئیں، ان کے اپنے بچوں کا اپنے لیے پیار دیکھ کر خوشی سے آنسو چھلک پڑے، وہ یہ دن بھول گئی تھیں۔

"ابو! آپ کو امی کے ساتھ ڈھیر ساری وشز"۔ گل اپنے ابو کے گلے لگ کر بولی۔

"خیر مبارک میری بچی!" وہ گل کا ماتھا چوم کر بولے۔

"ابو! یہ تو چیٹنگ ہے کہ آپ صرف گل پر ہی اپنا پیار نچھاور کررہے ہیں"۔ خدیجہ ابو کے گلے لگ کر بولی۔

"ارے نہیں میرے بیٹے! میرے لیے تو سب بچے ایک جیسے ہیں، والدین بچوں میں فرق نہیں کرتے، لیکن یہ بات سچ ہے کہ میں اپنی بچیوں سے بہت پیار کرتا ہوں، بچیاں میری جان ہیں"۔ وہ گل اور خدیجہ کو پیار کرتے ہوئے بولے۔

"واہ... ابو! واہ.... پھر تو یہ کھلم کھلا فرق ہوا، بیٹوں سے کیوں نہیں؟" احمد منہ پھلاتے ہوئے بولا، تو وہاں کھڑے باقی سب لوگ احمد پر ہنس پڑے۔

"تم تینوں بیٹوں سے میں جو پیار کرتی ہوں"۔ مسز میر، احمد کو بانہوں میں لے کر پیار سے بولیں تو احمد، گل اور خدیجہ کو ٹھینگا دکھانے لگا، پھر امی ابو کو آمنے سامنے کرسی پر بٹھا کر ایک دوسرے کو کیک کھلانے کے لیے سب بولے۔

"ابو! آج امی کو اپنے ہاتھوں سے کیک کھلائیں"۔ یاسمین خوشی سے چہکتے ہوئے بولی، تو انھوں نے بچوں کی بات مان کر ایک دوسرے کو کیک کھلایا، اتنے میں باہر سے آتا ہوا خوبرو سنجیدہ جہانزیب یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"ارے یہ کیا؟" ابو امی کو ایک دوسرے کے منہ میں کیک کا پیس ڈالتے ہوئے دیکھ کر حیرانی کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا۔

"وہ آپس میں لڑائی کون کرے گا؟" بڑا بیٹا عالم وہ بھی اچانک ٹپک پڑا، اور برابر والی کرسی پر براجمان ہوگیا، عالم کی بات سن کر سب اپنی ہنسی نہیں روک پائے۔

"بیٹا! وہ سب تو چلتا رہتا ہے، اور ویسے بھی میاں بیوی کے رشتے میں جہاں لڑائی ہوتی ہے، وہیں پر آپس میں محبت بھی بڑھتی ہے، جیسے ابھی تمہارے سامنے ہے کہ میں تمہاری ماں کو اپنے ہاتھ سے میٹھا کھلا رہا ہوں"۔ عالم زیب کی بات پر میر صاحب نے ہنس کر جواب دیا۔

"دیکھ لیں میرے بیٹے کو کیسے میری فکر ہے"۔ امی، عالم کی سائیڈ لیتی ہوئی میر صاحب سے بولیں۔

"کوئی نہیں امی! اگر فکر ہوتی تو آج یہ سارا انتظام یہ کرتا، مگر آپ کے ہونہار بچوں کو تو اس دن کی فکر ہی نہیں ہے"۔ گل برا مانتے ہوئے بولی تو عالم زیب، گل کی بات سن کر سر کھجا کر رہ گیا، پھر سب ہی باری باری ایک دوسرے کو کیک کھلانے لگے اور اس وقت کو قید کرنے کے لیے پیچھے کھڑا بھائی جانزیب اپنے موبائل سے مووی بناتا رہا۔

"یہ لو بیٹا! تم بھی کھالو، خود سے تو تمہاری عادت نہیں ہے"۔ امی جانزیب کو کھلاتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں بولیں۔

"جانزیب پلیز! ادھر دیکھنا"۔ اب موبائل کو گل سنبھالتے ہوئے بولی۔ یہ وقت بڑی خوشی سے گزرا تھا، وقت کبھی تھمتا نہیں ہے نہ کسی کی خوشی کے لیے اور نہ ہی کسی کے غم کے لیے۔

"میرے پیارے بچو! جہاں بھی رہو اپنی بہنوں کا ہمیشہ سے خیال رکھنا اور ماں باپ کی عزت بھی اولاد پر لازم ہے، کیونکہ والدین کو ناراض کرنے سے چاہے بیٹا ہو یا بیٹی وہ ہمیشہ دنیا میں ذلیل و رسوا ہوتا ہے، بیوی کی خاطر کچھ بچے اپنے والدین کی عزت کو بھول جاتے ہیں، مانتا ہوں بیوی کی اپنی جگہ عزت ہے، تو والدین کی اپنی جگہ عزت کرنا لازم ہے، دونوں رشتوں میں فرق کر کے انسان کی زندگی کا پہیہ پنکچر ہو جاتا ہے اور پھر گاڑی ہچکولے کھاتی ہوئی منزل کی طرف رواں ہوتی ہے، مگر منزل پھر بھی دور ہوتی ہے، اس لیے میری نصیحت ہے تم سب بچوں کے لیے کہ آپس میں مل جل کر رہو، لکڑی ایک ہو تو سب توڑنے کے لیے آگے بڑھتے ہیں، اور لکڑیاں اکٹھی ہوں تو اس کو توڑنے کے لیے کوئی آگے نہیں بڑھتا ہے، بچوں! اتفاق میں برکت ہے، برائی سے بچو، اور نہ ہی برائی کرنے والوں کا ساتھ دو، کسی کو اپنی طرف سے کوئی تکلیف مت دو، کیونکہ ہمارا خدا ناراض ہوتا ہے، ماں باپ کا دن ہر روز پیار سے مناؤ، صرف خاص ایک دن کے لیے نہیں، ماں باپ کو ہمیشہ سے اپنا پیار اور وقت دو، اچھی سوچ کے ساتھ اپنی زندگی کو گزارو، میری ان نصیحتوں کو سب اپنے پلو اور ذہن میں نقش کر لو"۔ سارے بچے بڑے انہماک سے ابو کی بات سن رہے تھے۔

"بالکل ٹھیک کہا ابو! آپ نے، ماں باپ کی قدر اس فتنے کے دور میں ختم ہو گئی ہے، ہر کوئی اپنے لیے جی رہا ہے"۔ عالم بھی بولا۔

"بھئی! میں تو کھانے کے لیے جی رہا ہوں، وہ بھی پیارے پیارے کھانوں کے لیے"۔ احمد اپنے منہ میں کیک کا بڑا پیس ڈال کر ہنستے ہوئے بولا، تو احمد کو میز صاف کرتے ہوئے باقی بہن بھائی دیکھ کر سب کا زندگی سے بھرپور قہقہہ گونج اٹھا۔

☆.....☆.....☆

ردا ڈائجسٹ میں شائع ہونے والے مقبول ناول
کتابی شکل میں شائع ہو گئے ہیں

تم میرے ہو کے رہو
صالحہ محمود
قیمت -/600 روپے

کچی کلیاں آنگن کی
صالحہ محمود
قیمت -/600 روپے

کبھی عشق ہو تو پتہ چلے
شازیہ مصطفیٰ عمران
قیمت -/550 روپے

کچھ عشق میں رنگ جنوں بھی تھا
نائلہ طارق
قیمت -/500 روپے

القریش پبلی کیشنز
سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور
فون: 042-37652546, 37668958
ویلکم بک پورٹ اردو بازار کراچی
فون: 021-32633151

Hankies
Soaks up excess oil
Adds elegance
Hankies
KITCHEN TOWELS
Hankies

سلسلے ناول

تیرے پیار کی خوشبو

"ریحان انکل! ژالے کہاں ہے؟"

"ژالے کو آپ کے ساتھ ہونا چاہیے ناں، میرے ساتھ تو نہیں ہے"۔ ایک پل کو تو ان کا خود کا سر بھی چکرا

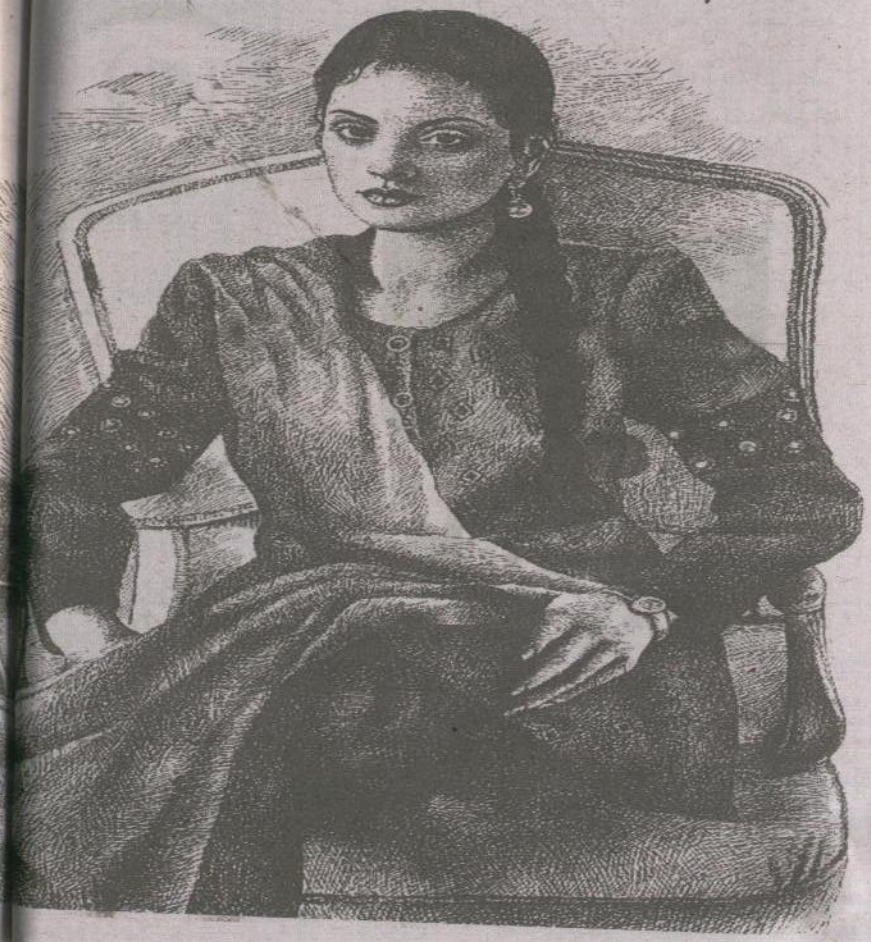

کے رہ گیا تھا، جبکہ ثمرن.... اس کے تو ہوش وحواس ہی جیسے گم ہو گئے ہوں، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا، مقسوم بروقت نہیں سنبھال لیتی تو وہ زمین بوس ہو جاتی۔

"بابا ژالے آپ کے پاس ہی تو گئی تھی شاپنگ مال میں، میں نے خود دیکھا تھا"۔ وانیہ کا دل بھی بیٹھا جا رہا تھا۔

"نہیں وانی بیٹا! میں نے ژالے کو نہیں دیکھا اور پھر اچانک سے جو دھماکہ ہوا شور شرابہ، بھاگ دوڑ تو میں فوراً سمجھ گیا کہ کہیں بم بلاسٹ ہوا ہے، میں فوراً وہاں سے نکلا تھا، بلکہ اس دوران میں مسلسل آپ سب کو باری باری فون کالز بھی کر رہا تھا، مگر نیٹ ورک ہی آف ہو گیا تھا"۔

"اوہ مائی گاڈ.... مجھے جانا پڑے گا"۔ عارفین اندر سے بری طرح ڈر رہا تھا، وہ صحیح معنوں میں گھبرا کے رہ گیا تھا، کئی وسوسے اس کے دل ودماغ میں کنڈلی مار رہے تھے۔

"رکو بیٹا! میں بھی چلتا ہوں، ژالے بیٹی ہماری مہمان ہماری ذمے داری ہیں"۔

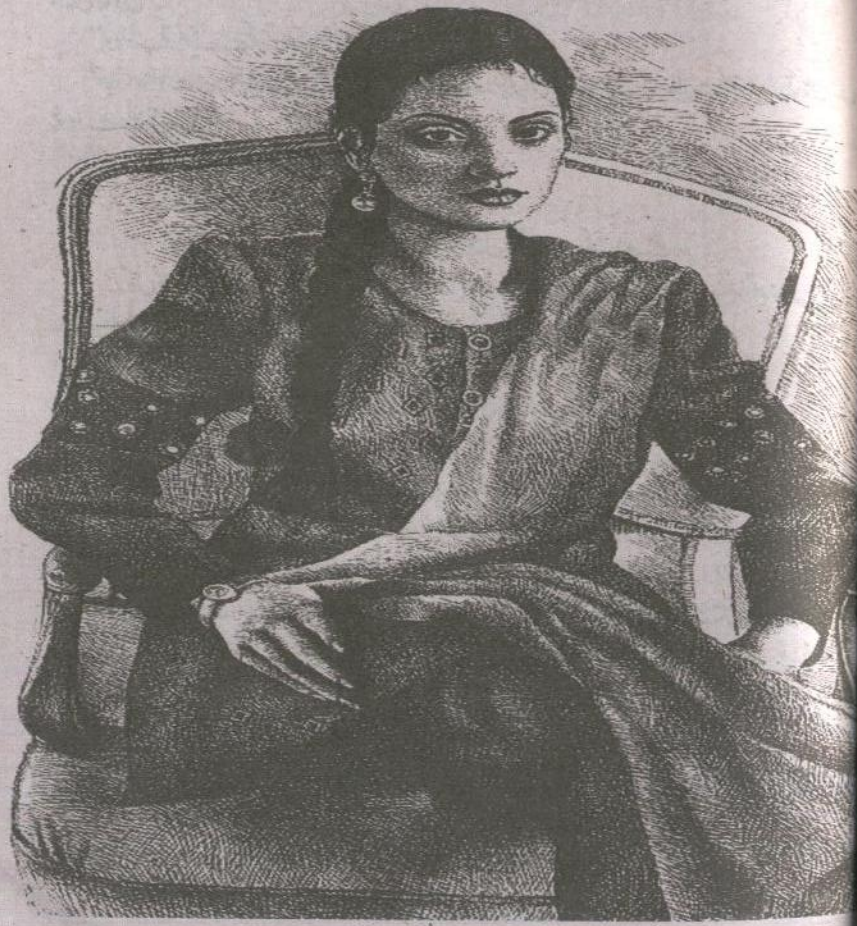

"نہیں ریحان انکل! آپ یہیں رکیں ان لوگوں کے پاس، میں جاتا ہوں ژالے کو لانے، مقسوم! تم ثمرن بھابی کو لے کر اندر جاؤ، ان کا خیال رکھنا، حرا! رضا کو سنبھالو، میں ژالے کو لے کر آتا ہوں"۔ پھر وہ بغیر کسی کی سنے گاڑی میں تیزی سے بیٹھا، گاڑی اسٹارٹ ہی کی تھی کہ اس کا سیل فون بجنے لگا، اس نے موبائل دیکھا جہاں اسکرین پر زرمیل کالنگ جگمگا رہا تھا، عارفین کے دل کو جیسے ایک سہارا ملا تھا اس مشکل گھڑی میں، اس نے جلدی سے فون ریسیو کیا اور کان سے لگایا۔

"تھینکس زرمیل! تم نے فون کر لیا ژالے...!"

"ژالے میرے پاس ہے"۔

"واٹ.... تمہارے پاس.... مگر کیسے؟"

"اب یہ وقت بتانے کا نہیں ہے، یہ بتاؤ کہ کہاں رکے ہو، ژالے بہت رو رہی ہے، وہاں آنا چاہتی ہے"۔

"شکر ہے خدا کا کہ ژالے تمہارے پاس صحیح سلامت ہے، ثمرن بھابی کی طبیعت خراب ہوگئی ہے، میں پہلے انھیں بتاؤں"۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے مگر تم ہو کہاں؟"

"یار! حالات بہت خراب ہوگئے ہیں، ژالے کو کچھ دیر وہاں رکے، جیسے ہی حالات بہتر ہوتے ہیں میں خود اسے لینے آجاؤں گا"۔

"اوکے اور سب تو وہاں ٹھیک ہیں ناں؟"

"ہاں سب ٹھیک ہے، اوکے اللہ حافظ!"

"کیا ہوا سب خیریت ہے ناں، کس کا فون تھا؟" ریحان انکل وہیں کھڑے تھے۔

"زرمیل کا تھا فون، اتفاق سے وہ بھی وہیں اسی شاپنگ مال میں تھا، وہی ژالے کو اپنے ساتھ ہوٹل لے گیا ہے"۔ عارفین نے گاڑی بند کی اور اس میں سے اتر گیا تھا۔

"ژالے تو ٹھیک ہے ناں؟" لب و لہجے میں فکرمندی واضح تھی۔

"جی وہ بالکل ٹھیک ہے بس یہاں آنے کے لیے رو رہی ہے، میں ذرا ثمرن بھابی کی بات کروا دوں ژالے سے، وہ بہت پریشان ہوگئی ہیں"۔

"ہاں عارفین بیٹا! پہلا کام یہی ضروری ہے"۔ پھر عارفین نے اسے کال کی۔

"مجھے نہیں پتہ، آپ مجھے لینے آئیں"۔ وہ ضدی لہجے میں بولی تھی۔

"ژالے گڑیا! ایک تو حالات بہت خراب ہوگئے ہیں اوپر سے دیکھو، ٹھنڈ کس قدر بڑھ گئی ہے اور اس دھماکے کی وجہ سے سڑک پر برف کا بھاری تودہ گر گیا ہے، سارے راستے بلاک ہیں ورنہ میں ضرور آجاتا"۔ عارفین مستقل اسے سمجھا رہا تھا، مگر اس کی ایک ہی رٹ تھی، اس نے ثمرن سے بھی کافی دیر تک ضد باندھی ہوئی تھی۔

"بس ثمرن بھابی! میں کچھ نہیں جانتی، مجھے وہاں آنا ہے"۔

یہ سب ٹی وی دیکھتا زرمیل سن رہا تھا، وقتاً فوقتاً اس پر ایک نظر بھی ڈال دیتا، گھنی مونچھوں تلے عنابی گداز لبوں پر ہلکی سی دھیمی مسکراہٹ بھی آجاتی، وہ جانتا تھا کہ اصل وجہ اس کی یہاں سے جانے کی وہ خود ہے ایک کمرے میں وہ دونوں اکیلے تھے اور وہ اس تنہائی سے بھاگ رہی تھی، اس سے بھاگ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے عارفین بھائی! آپ مجھے پیدل لینے آجائیں"۔

"خدا کو مانو یار! کیوں اس ٹھنڈ میں میری قلفی جماؤ گی"۔ اس کی چھوٹی سی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہا تھا، بلکہ وہ خود بھی اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ وہ یہاں آنے کی کیوں ضد کر رہی تھی۔

"اگر مجھے یہاں کے راستے معلوم ہوتے ناں، تو میں بھی آپ سے اتنی منتیں نہیں کرتی"۔

"اچھا تو بلیک میل کیا جا رہا ہے، اچھا خیر چھوڑو، یہ بتاؤ کھانا کھایا تم نے؟"

"نہیں اور کھاؤں گی بھی نہیں"۔

"وہ تو زرمیل تمہیں کھلا ہی دے گا، میں مطمئن ہوں"۔

"عارفین بھائی! میں آپ کا گلا دبا دوں گی"۔ غصے سے چیخی تھی۔

"شرم تو نہیں آرہی، میں یہاں اپنا ہنی مون منانے آیا ہوں اور مجھے مارنے کی دھمکی دے رہی ہو"۔

"بھاڑ میں گیا آپ کا ہنی مون"۔ اس کے یوں تنک کر کہنے پر عارفین کا بھرپور قہقہہ کمرے میں گونجا تھا۔

"یار! قسم سے میں تو ابھی آجاؤں تمہیں لینے مگر یہ مقسوم اشاروں میں منع کر رہی ہے، بول رہی ہے میں اپنے اکلوتے شوہر کو اس ٹھنڈ میں باہر جانے نہیں دوں گی اور اگر یقین نہ آئے تو میرے سامنے بیٹھی ہے خود ہی پوچھ لو"۔ مقسوم اپنی طرف رخ دیکھ کر بری طرح گڑبڑا کے رہ گئی، وہ جوان دونوں کی باتوں سے محظوظ ہو رہی تھی، عارفین کے جھوٹ بولنے پر گھور کے دیکھنے لگی فون کے لاؤڈ اسپیکر آن ہونے کی وجہ سے سب ایک دوسرے کی گفتگو با آسانی سن رہے تھے۔

"اگر میں مقسوم بھابی کو نہیں جانتی تو یقیناً آپ کو جورو کا غلام کہتی"۔ وہ دانت پیس کر بولی۔

"لیکن میں زرمیل کو ضرور بول سکتا ہوں"۔ وہ چھیڑنے سے باز نہیں آیا۔

"عارفین بھائی! لکھ کر رکھ لیں، آپ میرے ہاتھوں ہی قتل ہوں گے"۔

"کیا اول فول بول رہی ہو ژالے! بغیر سوچے سمجھے جو منہ میں آئے بول دیا کرو، کہا ناں کہ حالات ٹھیک نہیں ہیں، ٹھنڈ کے علاوہ سارے راستے بلاک کر دیئے گئے ہیں، تم زرمیل کے ہی ساتھ ہو ناں، ہم کل صبح تمہیں لینے آجائیں گے اب چپ کر کے کھانا کھاؤ اور سو جاؤ اور رضا کی بھی فکر بالکل مت کرو، وہ میرے پاس ہے، کھانا کھلا کے سلا دیا ہے میں نے اسے"۔ ثمرن نے اچھی خاصی ڈانٹ پلا دی تھی، انھوں نے مقسوم کو بھی بغور دیکھا کہ کہیں اسے ژالے کی بات ناگوار تو نہیں لگی، آخر عارفین اب اس کا شوہر بھی تھا، مگر شکر تھا وہ مسکرا رہی تھی۔

"مگر ثمرن بھابی...!" وہ منمنا کے رہ گئی۔

"کوئی اگر مگر نہیں، بہت اچھا ہوا تمہارے ساتھ، آج کے بعد تمہیں نصیحت ہوگئی ہوگی شاپنگ کا شوق بھی ختم ہو گیا ہوگا تمہارا، آج کے ہولناک واقعے کے بعد"۔

"ثمرن بھا....!" اس کے باقی لفظ ہونٹوں کے اندر ہی دم توڑ گئے تھے کیونکہ زرمیل نے اس سے سیل فون لے کر سب کو گڈ نائٹ کہہ کر موبائل آف کر دیا تھا، موبائل ٹیبل پر رکھ کے اس کی طرف مڑا تھا۔

"سب سے بات ہوگئی، خوب تنگ کر لیا تم نے سب کو، اب ایسا ہے کہ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے، آکر کھا لو"۔ نرمی سے بولتا ہوا پرشوق نظروں سے اس کی گرین کانچ میں جھانکنے لگا تھا۔

"مجھے بھوک نہیں لگ رہی ہے، نہیں کھانا مجھے کھانا"۔ اس نے تنک کر کہتے ہوئے نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

"مگر ثمرن تو بتا رہی تھی کہ تم نے آج دوپہر کو بھی کچھ نہیں کھایا تھا، اور جہاں تک میرے علم میں ہے تم بھوک

کی بہت کچی ہو"۔

"پہلے کی ژالے اور آج کی ژالے میں زمین آسمان کا فرق آ گیا ہے"۔ وہ اس سے سیدھے منہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی، قسمت نے بھی کہاں لا کر کس کے رحم و کرم پر مارا تھا۔

"مطلب پہلے تمہارے سر پر سینگ نہیں تھے اور اب تمہارے سر پر سینگ نکل آئے ہیں، ہے ناں؟" پرمزاح انداز میں بولتا وہ اس کے برابر میں ہی بیٹھا تھا، وہ ایک جھٹکے سے اس کے پاس سے اٹھی تھی۔

"دیکھیے مجھ سے زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور.... اور آپ مجھ سے دور رہ کر بات کریں بلکہ آپ کے لیے یہی بہتر ہوگا کہ مجھ سے مخاطب ہی نہ ہوں"۔ زرمیل نے ایک جاندار زندگی سے بھرپور قہقہہ اس کمرے میں پھیلی خوشبو سے معطر فضاؤں میں لگایا تھا۔

"او کے کوشش کروں گا مگر فی الحال تو تمہاری لڑائی مجھ سے ہے ناں، کھانے سے تو نہیں، اس لیے شاباش کھانا کھالو، ورنہ دوسری صورت میں مجھے تمہیں اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلانا پڑے گا، جس میں مجھے کوئی عار محسوس نہیں ہوگا، اب تم بتاؤ کھاؤ گی میرے ہاتھ سے کھانا؟" وہ بھی کھڑا ہوا اس کے مقابل آ ٹھہرا تھا۔

ژالے کو اس پہاڑ جیسے وجود کے آگے اپنا آپ بہت ہی چھوٹا لگا تھا، اگر وہ چاہتی بھی تو بھی مزاحمت نہیں کر سکتی تھی اس کا مقابلہ کرنا اس کے نازک وجود کے بس کی بات نہیں تھی، اور جب خالی پیٹ ہو تو اور ناممکن تھی، وہ اسے گھورتی اپنا پیر پٹختی اس کے سامنے سے ہٹی اور کھانے کی ٹیبل پر آ کر بیٹھ گئی، پلیٹ میں تھوڑے سے چاول نکالے اس پر اسپیگٹی سلاد ڈالی اور چمچے سے دھیرے دھیرے کھانے لگی اس پل وہ خود کو اس قدر بے بس و مجبور محسوس کر رہی تھی کہ صرف دل سے یہی دعا نکل رہی تھی کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

زرمیل نے بغور اس کا سندر مکھڑا دیکھا تھا اس کی گرین کانچ میں ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا، جسے وہ باہر آنے کا راستہ نہیں دے رہی تھی، صاف لگ رہا تھا کہ وہ کھانا بھی زبردستی حلق سے نیچے اتار رہی ہے اس کے ہاتھوں کی لغزش سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس بڑھتی ہوئی ٹھنڈ میں کپکپا رہی تھی، وہ یہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اس کی موجودگی سے بھی گھبرا رہی تھی، اپنے گھر اپنوں سے دور وہ یہاں خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہی تھی زرمیل تھا تو اس کا شوہر جس کا مقام ہر رشتے سے بڑا تھا، مگر اس کے لیے وہ صرف نام کا شوہر تھا۔

"بس اب مجھ سے اور نہیں کھایا جائے گا"۔ اس نے دو تین لقمے کے علاوہ بالکل نہیں کھایا تھا اور چمچہ پلیٹ میں رکھے کمرے میں بنی گلاس ونڈو کے آگے کھڑی ہو گئی تھی، بس اب برداشت نہیں ہو رہا تھا اس کا دل دکھنے لگا تھا۔ ایسا محسوس ہوا کہ اب بند ہی ہو جائے گا، وہ رونا نہیں چاہتی تھی اور اس شخص کے سامنے تو بالکل بھی نہیں جو اس کی اس حالت کا ذمے دار تھا، مگر کیا کرتی اس کا حوصلہ پست پڑنے لگا تھا، تادیر سمندر آنکھوں میں ٹھہر ہی نہیں سکا تھا اور اپنے بہنے کا راستہ نکالتا چلا گیا تھا، وہ کیوں رو رہی تھی، ان حالات پہ اپنی بے بسی پہ یا اس بند کمرے میں اس تنہائی میں زرمیل کی موجودگی سے۔

زرمیل جو بغور اسی کی حرکات و سکنات پر نظر رکھے ہوئے تھا آرام آرام سے چلتا ہوا بالکل اس کے پیچھے اس کے بے حد قریب آ ٹھہرا تھا اپنے دونوں آہنی مضبوط ہاتھ اس کے نازک شانے پر دھرے اس کا رخ اپنی سمت موڑا تھا۔

"کیوں مجھے تکلیف دے رہی ہو، تمہیں بہت مزہ آتا ہے ناں مجھے درد دے کر خوشی ہوتی ہے تمہیں، میری بے بسی پر ایسی حالت پر تمہارے دل کو تسکین ملتی ہے، کیونکہ تم جانتی ہو کہ میں تمہیں کس قدر چاہتا ہوں، مگر تم جان

کر مجھ سے نگاہ چراتی ہو، مجھ سے کترا کے نکل جاتی ہو"۔ زرمیل نے اس کی ٹھوڑی پر اپنی انگشت شہادت رکھی اور اس کا بھیگا چہرہ اوپر اٹھایا، ژالے نے بہت مشکل سے اپنی بھیگی گرین کانچ اوپر اٹھائے تھے۔

"اور آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے، دو سال سے جو میں پل پل مر رہی ہوں، جتنی اذیت میں نے سہی ہے، اس کا کوئی حساب نہیں ہے؟" وہ بھی بھڑکی تھی اس کے الزام پر، اس کے دونوں ہاتھ اپنے شانوں سے ایک جھٹکے سے ہٹائے اور دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"مگر میں ازالہ کرنے کو تیار ہوں"۔

"کوئی ازالہ نہیں ہے اس کا، اگر ہے تو صرف ہماری جدائی، آپ کو مجھے بھولنا پڑے گا، کیونکہ میں آپ کو بھول چکی ہوں"۔ ژالے نے کہتے ہوئے اپنا رخ اس کی سمت سے پھیر لیا تھا۔

"یہی بات میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہو"۔ زرمیل نے ایک جھٹکے سے اس کا نازک بازو اپنی مضبوط ہتھیلی کی گرفت میں مقید کیا اور ایک جھٹکے سے اسے خود سے قریب تر کیا تھا، ژالے اس افتاد کے لیے قطعی تیار نہیں تھی، توقع نہیں تھی کہ زرمیل یہ حرکت کر جائے گا، مگر وہ بھول گئی تھی کہ زرمیل سے اب ہر بے باکی کی توقع کی جا سکتی تھی، وہ اس کے چوڑے سینے سے لگی اپنی بے ترتیب سانسوں کو بحال کرنے کی کوشش کر رہی تھی، جو اس کی گرم سانسوں سے الجھنے لگی تھیں۔ اسی وقت باہر ایک زوردار دھماکے کی آواز گونجی تھی جانے کیا ہوا تھا بجلی گری تھی، بادل گرجے تھے، دھماکہ ہوا تھا یا پھر کہیں برف کا بھاری تودہ گرا تھا، جس کی وجہ سے نہ صرف بجلی معطل ہوئی بلکہ اس گہرے سناٹے میں دور کہیں سے کسی جانور کی عجیب غرانے کی آواز آ رہی تھی، پورا شہر اندھیرے میں ڈوب گیا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا، ژالے کا دل بہت بری طرح دھڑکا تھا، اس کا سانس اندر ہی اٹک گیا تھا، اپنے بالکل قریب زرمیل کے سینے سے لپٹی اس کی شرٹ کو دونوں ہاتھوں میں زور سے دبوچ لیا تھا،

"یہ.... یہ.... کیسی آواز ہے زرمیل! مجھ.... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، مجھے میری ماما کے پاس جانا ہے"۔ وہ تو باقاعدہ رونے لگی تھی، وہ کسی معصوم بچی کی طرح اس سے لگی اس کے اندر پناہ ڈھونڈ رہی تھی، ہر ڈر سے چھپ جانا چاہتی تھی، زرمیل نے بہت گہرائی سے اس کو محسوس کیا تھا۔

"کس قدر پاگل ہوتی ہیں یہ صنف نازک بھی جن سے زخم ملتا ہے مرہم بھی ان ہی سے لگوانا چاہتی ہیں"۔ زرمیل نے اس کے گرد اپنا مضبوط حصار کھینچ دیا تھا۔ اس کے ہچکیوں کے زد میں وجود کو خود میں چھپا لیا تھا اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیے اور دونوں بازوؤں میں اس نازک پیکر کو بھرے وہ بستر تک لے آیا تھا اور بہت احتیاط سے بستر پر لٹا دیا تھا۔

"بس کچھ نہیں ہوا، میں ہوں ناں، ڈرو مت... آج میں تمہاری ساری ناراضی خود میں سمو لوں گا، تمہارے ایک ایک دکھ کا اذیت کا مداوا کر دوں گا، تمہارے سارے زخموں پر اپنے پیار کا مرہم رکھ دوں گا، میں تمہیں مزید بکھرنے نہیں دوں گا ژالے!" وہ اس کے ڈرے سہمے چہرے پر اپنی انگلیوں کے لمس پھیرنے لگا تھا، اور جب تک ژالے کو ادراک ہوا بہت دیر ہو چکی تھی وہ پوری طرح زرمیل کی مضبوط بانہوں میں قید ہو چکی تھی، زرمیل نے اس کے گرد اپنی گرفت کا دائرہ مزید تنگ سے تنگ کرنا شروع کر دیا تھا، نہ تو اسے غصہ کرنے کا موقع دیا تھا نہ ہی کسی قسم کی مزاحمت یا احتجاج کا، وہ جتنا بکھرتی وہ مزید اسے سمیٹتا چلا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ قد آور آئینے کے آگے اپنے لمبے بالوں میں برش پھیر رہی تھی، آئینے میں بیڈ پر نیم دراز عارفین کا عکس

صاف دکھائی دے رہا تھا۔

''آپ کو اس طرح نہیں بولنا چاہیے تھا، جانے ژالے میرے بارے میں کیا سوچے گی''۔ عارفین جو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے کسی میگزین کی ورق گردانی کر رہا تھا سر اٹھا کے مقسوم کو دیکھا تھا۔

''کس بارے میں؟'' اس نے میگزین بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا، پھر مقسوم کو بغور دیکھنے لگا تھا، اس کے دلکش سراپے میں اس کے لمبے گھنے بالوں میں نظریں الجھنے لگی تھیں، بے شک وہ بہت حسین تھی، چاند کی طرح روشن چمکتا چہرہ پہلی نظر میں اس کی توجہ کا مرکز بنا تھا، اس کا دل کب اس کا ہوا کب وہ اس سے محبت کر بیٹھا، وہ سوچتا ہی رہ گیا، وہ کسی خوبصورت دعا کی طرح بن مانگے اس کے رب نے اس کی جھولی میں ڈال دی تھی کہ وہ اس کی محبت ہی نہیں اس کا عشق بن کر اس کی رگوں میں خون بن کر دوڑ رہی تھی، اس کی محبت اس کی آتی جاتی سانسوں میں خوشبو کی طرح مہک رہی تھی، مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ مقسوم اس بات سے بے خبر انجان ہے یا پھر جان کر انجان بننے کی کوشش کرتی تھی۔

''یہی کہ میں نے آپ کو منع کیا ہے باہر نکلنے سے''۔ اس کی گہری ہوتی سوچوں کا قفل ٹوٹ چکا تھا۔

''تو تم واقعی چاہتی تھیں کہ اس ٹھنڈ میں ان خراب حالات میں، میں باہر نکلتا''۔

''اب میں نے یہ بھی نہیں کہا''۔ آج کی ٹھنڈ کو محسوس کر کے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔

''تو پھر وہ کہو ناں جو میرے کان سننے کے لیے شدت سے بے تاب ہیں''۔ بالکل قریب سے یہ آواز اس کے پاس گونجی تھی، وہ نہایت چونک کر جیسے ہی پلٹی تھی عارفین اس کے بے حد نزدیک کھڑا تھا، اس کے قدم ڈگمگائے تھے، خود کو بچانے کی سعی میں اس نے بے ساختہ ہی اس کے سینے پر ہاتھ رکھا تھا، عارفین کی آنکھوں میں اس کے ذرا سے لمس سے خماری سی چھانے لگی تھی، اس پل تو بالکل بھی کنٹرول نہیں ہو رہا تھا، دل بے قابو سا بے قرار سا اس کی قربت پانے کے لیے ہمکنے لگا تھا، اس نے اپنے دونوں بازوؤں سے اس کی نازک مرمریں کمر کے اردگرد مضبوط سا حصار کھینچ دیا تھا، اس کو اپنے سے اس قدر قریب تر کر لیا تھا کہ معمولی سا انچ بھر فاصلہ بھی مٹ چکا تھا، وہ کچھ جاننا، کچھ سوچنا سمجھنا نہیں چاہتا تھا، صرف اس کو یہ احساس کرانا چاہتا تھا کہ اس کی محبت میں اس کے عشق میں روز بروز کس قدر شدت بڑھتی جا رہی ہے وہ آج اپنے رشتے کی تمام دوریوں کو نزدیکیوں میں بدلنا چاہتا تھا۔

مگر اس کے برعکس مقسوم کے جذبات و احساسات بالکل مختلف تھے، اس کا تو جیسے سانس رکنے لگا تھا، دل کی کیفیت عجیب سی ہونے لگی تھی، دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تھا، اپنے وجود پر جس طرح اس کے بازوؤں کے حصار کی گرفت مضبوط تھی ایسا لگ رہا تھا، جیسے کسی جان لیوا اژدھے نے اسے مضبوطی سے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا ہے، اس کی گرم سانسوں کے تھپیڑوں سے اسے اپنا وجود ایک دہکتی ہوئی آگ کی لپیٹ میں جھلستا ہوا محسوس ہو رہا تھا، کہ پل بھر میں ہی جیسے وہ خاک کا ڈھیر بن جائے گی، سیاہ آنکھوں کی پتلیوں پر گھپ اندھیرا سا چھانے لگا تھا اور پھر جھپک سے ان سیاہ آنکھوں کی پتلیوں پر ایک چہرہ واضح نمودار ہونے لگا تھا اور وہ چہرہ تھا اس کی بیسٹ فرینڈ سومی کا جسے وہ دھوکہ دینے کا سوچ ہی نہیں سکتی تھی، اس سے بے وفائی کا تصور بھی کیسے کر سکتی تھی، وہ امانت میں خیانت کرنے کی گناہ گار نہیں بن سکتی اور پھر جب وہ کچھ نہیں بھولی تو عارفین کیسے اسے فراموش کر سکتا تھا اسے یہ یقین ہونا چاہیے تھا کہ اس کے تمام عہد و وعدے سومی کے لیے تھے اس کی محبت و چاہت اس کی فرقت صرف اور صرف سومی تھی اور کوئی نہیں، اور وہ ایسا نہیں ہونے دے گی عارفین کو بہکنے نہیں دے گی، اس کی راہ سے اسے بھٹکنے نہیں دے گی، اس کا وعدہ اسے بھولنا نہیں دے گی۔

عارفین اس کے چہرے پر جھکنے لگا تھا کہ مقسوم نے اپنی پوری جان لگا کر اس کے چوڑے سینے پر اپنی دونوں ہتھیلیاں جما کر اسے ایک جھٹکے سے اپنے سے الگ کیا تھا، عارفین اس حملے کے لیے قطعی طور پر تیار نہیں تھا اور نہ ہی مقسوم سے ایسے ردعمل کی توقع تھی۔

''کیا کر رہے ہیں آپ.... اور کیوں.... آپ کو سمجھ کیوں نہیں آتی؟'' وہ آج اتنے عرصے میں پہلی بار مقسوم کو اتنے شدید غصے میں دیکھ رہا تھا۔

''آپ سومی کو دھوکہ دے سکتے ہیں اسے بھول سکتے ہیں مگر میں.... میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی، سومی سے دغا کرنے کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتی، مجھے اس کا خیال چوبیس گھنٹے رہتا ہے، تو کیا آپ کو ایک لمحے کے لیے بھی نہیں آتا ہوگا، عارفین صاحب! اپنے جذبات کو سنبھال کے رکھیں، یہ صرف اور صرف سومی کی امانت ہے، اس میں خیانت کر کے مجھے گناہ گار مت کریں، آپ کا نفس بے شک کمزور ہو سکتا ہے مگر میرے ارادے نہ صرف مضبوط ہیں بلکہ مجھے اپنے اعصاب پر بھی کنٹرول حاصل ہے، مت آیا کریں میرے قریب نہ ہی مجھے چھونے کی کوشش کیا کریں''۔ اتنی تضحیک و توہین کتنی بے دردی سے اس نے اس کی محبت کو اپنے پیروں تلے مسل دیا تھا، بلکہ اس کے پاک و صاف شفاف جذبات کو نفس کا نام دے دیا تھا، ایسا محسوس ہوا جیسے سرعام اس نے اس کے منہ پر زوردار طمانچہ مار دیا ہو، جس کی آواز دور دور تک گونجی تھی، ایسی واہیات گالی دی ہو جو عارفین کے دل پر انا بن کر ضرب سی لگی تھی، مرد سب کچھ برداشت کر سکتا ہے مگر خود کی بے عزتی، نفس کی غلامی کا طعنہ برداشت نہیں کر سکتا، اور وہ بھی عارفین جیسا مرد تو کبھی بھی نہیں، جس نے نہ صرف اس سے محبت کی تھی بلکہ اسے عشق بن کر پوجا تھا، اس کی دل ہی دل میں پرستش کی تھی، دل کے سب سے اونچے سنگھاسن پر بٹھا دیا تھا، اور مقسوم نے کیا کیا؟ اس کے بڑھتے قدموں کو کوئی اور نام دے دیا، اپنے آپ سے جس طرح ہٹایا تھا جیسے وہ کسی موذی مرض میں مبتلا ہو، عارفین کے غم و غصے کی شدت سے اعصاب تن گئے تھے، ان براؤن آنکھوں میں شرارے سے دوڑنے لگے تھے خود کا اس طرح بے عزتی و بے دردی سے جھڑکے جانا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

مقسوم اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال کر سائیڈ سے جانے لگی تھی کہ عارفین نے نہایت بے دردی سے اس کا بازو اپنے مضبوط شکنجے میں جکڑا تھا اور ایک جھٹکے سے اسے اپنے سے اس قدر نزدیک کیا تھا کہ اس کی گرم سانسوں سے مقسوم کو اپنا وجود جھلستا ہوا محسوس ہوا تھا، اس کا دل تھم سا گیا تھا، عارفین کی آنکھوں میں آج وہ اتنے عرصے میں پہلی بار اس قدر غصہ دیکھ رہی تھی، ان آنکھوں میں جو غیض و غضب، جو جاہ و جلال تھا، وہ اسے آج شاید خاکستر کر دے گا، مرد کے غصے کے آگے عورت کا غصہ کچھ نہیں ہوتا ہے یہ اس نے ابھی اس وقت جانا تھا۔

''اتنا کچھ بول گئی ہو وہ بھی سب فضول، تو شکر ادا کرو کہ میری جگہ کوئی اور مرد نہیں تھا، ورنہ تمہاری اس فضول بکواس کا جواب تمہیں ابھی اسی وقت اچھی طرح ملتا''۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ جملہ کہا تھا اور وہ اتنی ناسمجھ تو نہیں تھی کہ اس ایک جملے کا مطلب نہیں سمجھ پاتی، لندن پلٹ تھی، اچھی طرح اس کی بات کا مفہوم سمجھ گئی تھی، گھنیری سیاہ پلکیں خود ہی رخسار پر سجدہ ریز ہو گئی تھیں، عارفین کا غصہ کسی طرح کم نہیں ہو رہا تھا، اس نے اپنی گرفت اس کے بازو پر ذرا اور سخت کر دی کہ وہ کراہ کے رہ گئی تھی۔

''اور کس دھوکے کی بات کرتی ہو تم مقسوم بی بی! دھوکہ تو تمہاری دوست نے تمہیں دیا ہے، اپنی جگہ تمہیں بٹھا دیا اور خود جانے کہاں فرار ہو گئی، مگر میری جس لڑکی سے شادی ہوئی ہے وہ تم ہو تمہاری دوست نہیں سب کے سامنے نکاح نامے پر دستخط تم نے کیے ہیں تمہاری دوست نے نہیں، ایک ایک رسم میری تمہارے ساتھ ہوئی ہے،

تمہاری دوست کے ساتھ نہیں، تمہارے ہاتھوں پر جو مہندی لگی تھی وہ میرے نام کی تھی، جو سرخ جوڑا تم نے پہنا تھا تمہارا روپ و سروپ اس دن سجایا گیا تھا وہ سب میرے نام کا تھا، پھر بھی تم کہتی ہو کہ تمہاری دوست کو سوچوں.... کہ اگر تمہارے ساتھ میں کچھ کرتا ہوں تو تمہاری دوست کے ساتھ دھوکہ ہوگا، امانت میں خیانت ہوگی، محترمہ! جائز و شرعی رشتے سے تم میری بیوی ہو، تمہاری دوست نہیں، آج ہماری شادی کو چار ماہ ہو گئے ہیں، مگر تمہاری دوست کا کچھ اتا پتا نہیں، پتا تو دور اس نے تو تمہیں ایک فون کال تک کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی پھر بھی تم کہتی ہو کہ وہ تمہارے ساتھ فیئر ہے"۔ عارفین نے غصے سے تیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اپنے سے ایک جھٹکے سے دور کیا تھا، کہ وہ واپس ڈریسنگ ٹیبل سے بری طرح ٹکرائی تھی۔

"مجھے اپنے نفس و اعصاب پر بہت کنٹرول حاصل ہے، میری محبت اتنی سستی نہیں کہ تم اسے اپنے پیروں تلے روندو گی، بلکہ غلطی تو میری ہے جو اپنی محبت تم جیسی بے حس بے درد لڑکی کے نام کرنے چلا تھا، ورنہ تم کیا جانو محبت کیا ہوتی ہے، تم نے کبھی مجھے سمجھنے کی کوشش کی ہو تو احساس بھی ہوتا، اس نرم جذبے کا، تمہیں تو صرف اپنی دوست کی فکر ستاتی رہتی ہے، مگر آج جو تم نے مجھے طعنے دیئے ہیں میرے احساسات و جذبات کو گالی دی ہے میری تضحیک آمیز بے عزتی کی ہے میں کبھی نہیں بھولوں گا، ہونہہ.... بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تم نے مجھے میری اوقات بتائی ہے، مجھے آئینہ دکھا دیا ہے، اور اگر میں چاہوں تو....!" وہ پھر سے اس کے بے حد قریب آیا تھا اور اس کے گالوں کو اپنے ہاتھ سے اس طرح سختی سے دبوچا کہ ان سیاہ آنکھوں میں نمی سی بھرنے لگی تھی، اس کی انگلیاں اس کے گالوں میں دھنستی جا رہی تھیں، جس سے اسے تکلیف ہو رہی تھی۔

"تمہیں ابھی اسی وقت تمہاری بات کا جواب دے سکتا ہوں، یہ جو اپنی دوست کی داستان سناتی رہتی ہو آئندہ میرے سامنے اس کا نام تک نہیں لو گی، صرف چند لمحوں کی بات ہے، مگر نہیں..... میں ایسا کچھ نہیں کروں گا کیونکہ میں ایک تو زبردستی کا قائل نہیں ہوں دوسرا ایسے رشتے دل کی آمادگی پر استوار کیے جاتے ہیں، تمہیں حاصل کرنا ہی ہوتا تو شادی کی رات تمہارے نام کے ساتھ تمہارا وجود بھی میرے نام سے مہکتا آج جو تم نے یہ فضول حرکت اور بکواس کی ہے، وہ نہیں کرتیں، مقسوم بی بی! تمہارا حصول میرے لیے کوئی مشکل نہیں ہے"۔ کس قدر سرد لب و لہجے میں اس نے مقسوم کو باتیں سنائی تھیں اور وہ ایک ایک لفظ اس کے دل میں کسی تیر کی طرح پیوست ہو کر اس کا دل ہی نہیں پورا وجود چھلنی چھلنی کر رہا تھا، اس کی برداشت ختم ہو گئی تھی، ضبط کی ساری حدیں ٹوٹ گئی تھیں ان سیاہ آنکھوں سے گرم گرم سیال نکل کر عارفین کی ہتھیلی بھگونے لگے تھے، ان بہتے آنسوؤں کو دیکھ کر عارفین کچھ نرم پڑا تھا مگر اندر جو ایک تلاطم بپھرا ہوا تھا وہ کسی طور تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا اپنے وجود کی نفی کیسے برداشت ہوتی، وہ بھی اس صورت میں جب وہ پوری سچائی و ایمانداری کے ساتھ اپنے صاف و شفاف جذبات و احساسات سمیت اس کی طرف بڑھا تھا، مگر اس کا صلہ اسے یہ ملے گا، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا، اس نے مقسوم کے چہرے سے اپنا ہاتھ ہٹایا، اور ایک زوردار مکا بنا کر ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے پر مارا تھا کہ شیشہ ٹوٹ کر نہ صرف اس کے ہاتھ کی پشت پر کٹ کا نشان مار گیا تھا بلکہ خون کا فوارہ سا ابل پڑا تھا، ڈریسنگ ٹیبل پر جو بھی میک اپ وغیرہ رکھا تھا، وہ سب بکھر کے نیچے قالین پر ماتم کدہ تھا۔

مقسوم کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں وہ پتھرا کے رہ گئی، بالکل ساکت و جامد ہو کر اس کی ہتھیلی سے نکلتے خون کو دیکھنے لگی تھی، عارفین نے پھر اس پر بھول کر بھی نگاہ غلط نہیں ڈالی تھی اور کمرے سے ہی نکلتا چلا گیا تھا، مقسوم اس کے جانے کے بعد کتنی ہی دیر تک یوں ہی کھڑی رہی تھی، کانوں میں ابھی تک اس کے سخت و سرد لفظوں کی

بازگشت تھی، جو اس کے دل و دماغ سے چپک کر رہ گئے تھے، معلوم نہیں کس کے ساتھ ناانصافی ہوئی تھی، اس کے ساتھ یا پھر عارفین کے ساتھ، وہ وہیں بیٹھتی چلی گئی تھی رکی ہوئی سانس قدرے بہتر ہوئی تھی، چہرہ گھٹنوں میں دیئے وہ ہچکیوں کی زد میں تھی، آج اس کی ذات خود اس کے لیے مشکل میں پڑ گئی تھی۔

"سومی! کہاں ہو خدارا واپس آ جاؤ"۔ اگر وہ کچھ دیر اور یہاں ٹھہرتا تو یقیناً اس کا وجود تہس نہس کر دیتا، مگر اس نے غصہ جتنا کنٹرول کیا وہی جانتا تھا، زندگی میں بہت وہ غصہ ہوا تھا، مگر آج تو حد ہی ہو گئی تھی، اور اس سب کی وجہ وہ دشمن جاں مقسوم تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ بے خبر آرام سے بلینکٹ میں سو رہی تھی، اس کے چہرے پر زمانے بھر کا اس قدر سکون و اطمینان تھا، جیسے زندگی کی ساری تھکن اتر گئی ہو، دل پر جو ایک بھاری سل تھی، وہ ہٹ گئی ہو، ان سبز آنکھوں میں جو ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا، وہ تھم گیا تھا، دل و دماغ میں جو بھی غبار تھا، وہ سب کل اس بیتی رات میں ڈھل گیا تھا، اس معصوم چہرے پر کسی قسم کی کوئی اذیت کوئی تکلیف نہیں تھی، بلکہ شاید وہ بند سبز آنکھیں کوئی خوبصورت حسین خواب دیکھ رہی تھیں، جس کی وجہ سے ان گلابی پنکھڑی لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ کھل رہی تھی، زرمیل یہ سب بغور دیکھتا اس کے پاس ہی بیٹھا تھا وہ اس قدر گہری نیند میں تھی کہ یہ بھی احساس نہیں ہوا کہ وہ اس کے بہت قریب بیک کراؤن سے ٹیک لگائے یک ٹک اسے ہی دیکھ رہا تھا، اس کے خوبصورت چہرے پر بالوں کی کچھ چھوٹی چھوٹی بکھری لٹوں پر وہ اپنی انگلیاں پھیرنے لگا تھا، اور اسی اثناء میں اس کا موبائل بجنے لگا، زرمیل نے چہرہ گھما کر سائیڈ ٹیبل پر پڑے موبائل کو دیکھا، اسکرین پر ثمرن کالنگ لکھا آ رہا تھا، وہ ہولے سے مسکرا دیا اور ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے موبائل اٹھائے یس کا بٹن پریس کیے کان سے لگا لیا تھا۔

"السلام علیکم!" ثمرن نے ادب سے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام!"

"زرمیل! ژالے کہاں ہے مجھے اس سے بات کرنی ہے، کب سے میں اس کا موبائل ٹرائی کر رہی ہوں، مگر مسلسل آف ہی جا رہا ہے، پوری رات میں اس کے لیے پریشان رہی ہوں، جاگتی رہی ہوں اس کے لیے"۔ لب و لہجے میں حد درجہ فکرمندی کے آثار واضح جھلک رہے تھے، جس پر وہ مسکرا دیا۔

"پھر تو تمہاری پریشانی اور رات بھر کا جاگنا بے کار گیا"۔

"کیا مطلب میں سمجھی نہیں؟"

"اب اس کا مطلب تو تمہیں تمہاری نند صاحبہ ہی بتائے گی، فی الحال تو وہ اس وقت بہت گہری نیند میں سو رہی ہے"۔ ذومعنی لب و لہجے میں بولتے ہوئے اس نے ژالے کو اپنی نظروں کے حصار میں رکھا تھا۔

"زرمیل! تم جانے کیا بول رہے ہو، مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، تم بس میری ژالے سے بات کرواؤ، وہ رات کو رو رہی تھی، اور پھر میں نے بھی تو اسے ڈانٹ دیا تھا، میں ژالے سے بات کرنا چاہتی ہوں"۔

"یار! بالکل کروا دیتا، لیکن وہ واقعی بہت گہری نیند سو رہی ہے، لگتا ہے محترمہ دو سال کی نیند پوری کر رہی ہیں"۔

"تم سچ بول رہے ہو ناں، وہ سو رہی ہے؟" ثمرن یقینی بے یقینی کی کیفیت میں تھی،

"اب یقین کرنے کی دوسری وجہ کیا ہے وہ بتاؤ مجھے تاکہ اسی طرح سمجھا دوں تمہیں؟" وہ جانتا تھا ثمرن کی

پریشانی کو، ژالے کو وہ بہت چاہتی تھی، اس کی آنکھوں میں معمولی سا آنسو بھی نہیں دیکھ سکتی تھی، یہی وجہ تھی کہ وہ رات روئی بھی تھی اس لیے ثمرن کو فکر ہو گئی تھی۔

''چلو پھر ٹھیک ہے اسے سونے دو، میں تھوڑی دیر بعد پھر دوبارہ فون کرلوں گی''۔ کچھ پل خاموش رہنے کے بعد دھیرے سے زرمیل کو پکارا تھا۔

''ہوں...!''

''ژالے چپ ہو گئی تھی ناں وہ رات کو بہت روئی ہوگی، پتہ نہیں اس نے پیٹ بھر کے کھانا کھایا بھی ہے کہ نہیں''۔ اس کی فکر پر زرمیل ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''ہاں وہ چپ ہو گئی تھی اور میں نے اسے تھوڑا سا کھانا کھلا دیا تھا، ثمرن! ژالے میری بیوی ہے جو کچھ ہمارے بیچ رہا ہے میں اس پر بہت شرمندہ ہوں، مگر ژالے کو منا لینا چاہتا ہوں اسے اپنی زندگی میں واپس لانا چاہتا ہوں''۔

''مگر زرمیل! وہ تم سے بہت ناراض ہے''۔

''جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ دل کی بری نہیں ہے، بس تھوڑی سی بے وقوف ہے، عقل سے پیدل''۔

''تم میری نند کی برائی کر رہے ہو وہ بھی مجھ سے، مگر ایک بات یاد رکھنا ژالے میری نند ہی نہیں میری بہن، بیٹی، دوست میری جان ہے، بہت عزیز ہے مجھے ژالے، بہت چاہتی ہوں میں اس کو، اگر ژالے کو تم نے کچھ کہا تو تمہارے کان کھینچ سکتی ہوں''۔ زرمیل کا بلا ارادہ ہی زوردار قہقہہ گونجا تھا، ژالے کی آنکھ اس کے قہقہے پر ہی کھلی تھی نہایت حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''لو جاگ گئی تمہاری نند، اگر رات میں نے اس کے ساتھ کوئی ظلم یا زیادتی کی ہو تو خود اس سے پوچھ لو''۔ اس نے موبائل ژالے کو تھما دیا، وہ نا سمجھی کی کیفیت کے زیر اثر زرمیل کو تک رہی تھی۔

''ثمرن کا فون ہے، بات کرنا چاہتی ہے تم سے، تسلی کرنا چاہتی ہے کہ کہیں رات میں نے تمہیں کہیں سے توڑ پھوڑ تو نہیں دیا''۔ زرمیل نے اس کی سبز آنکھوں میں جھانکا تھا، ژالے اٹھنا چاہتی تھی مگر زرمیل نے ایسا ہونے نہیں دیا، اشارے سے ثمرن سے بات کرنے کا کہا تھا، اس نے موبائل کان سے لگایا تھا۔

''ہے.... ہیلو!'' اس قدر سردی کی ٹھنڈ محسوس کرتے ہوئے اس کی آواز لڑکھڑا کے رہ گئی تھی۔

''ہیلو.... ژالے! گڑیا کیسی ہو جانو؟''

''ٹھیک ہوں''۔ نہایت دبی دبی آواز نکلی تھی، کیونکہ بالکل پاس بیٹھا زرمیل اس کی الجھی بکھری زلفوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا، اس کی اس جسارت پر ژالے سے بولا ہی نہیں جا رہا تھا، دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا جیسے پسلیوں کی مضبوط دیواریں توڑ کے ابھی باہر آ جائے گا۔

''ناراض ہو ناں؟''

''نن... نہیں تو''۔ وہ پیچھے کھسکنا چاہتی تھی مگر زرمیل نے اس کے گرد حصار کا بند باندھ دیا تھا، راستے مفقود کر دیئے تھے، موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا، پورے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی، اس قدر ٹھنڈ میں بھی اس کی پیشانی پر چند موتی ابھرے تھے۔

''میں جانتی ہوں تم مجھ سے ناراض ہو مگر چندا! میں بھی کیا کرتی مجبور تھی مگر مجھے یہ بھی تسلی تھی کہ تم زرمیل کے

ساتھ ہو محفوظ ہو''۔

''جی....!'' کچھ بھی بولا نہیں جا رہا تھا۔

''اچھا کراچی سے بھی فون آیا تھا یہاں کے حالات کی خبر انھیں مل گئی تھی، وہ سب پریشان ہو گئے تھے مگر میں نے انھیں سمجھا دیا تھا، تمہارا پوچھ رہی تھیں مما، میں نے کہہ دیا کہ وہ سو گئی ہے، اچھا خیر! تم جلدی سے تیار ہو جاؤ، میں تمہیں لینے آ رہی ہوں، او کے؟''

''آپ واقعی آ رہی ہیں ناں؟'' اس کا دل خوش ہونے لگا تھا۔

''ہاں میں آ رہی ہوں بلکہ ابھی نکل رہی ہوں، ناشتہ ہم سب ایک ساتھ ہی کریں گے''۔

''او کے میں جلدی سے تیار ہوتی ہوں''۔ مزید اس سے کوئی بات نہیں کی جا رہی تھی۔ وجہ زرمیل جس کی حرکتیں بڑھتی جا رہی تھیں، اس نے موبائل آف کر کے وہیں سائیڈ میں رکھا اور اس کے اپنے گرد سے مضبوط آہنی بازو ہٹانے چاہے تھے۔

''زرمیل! ہمیں ثمرن بھابی آ رہی ہیں، میں فریش ہو کر آؤں گی''۔

''نہیں ابھی نہیں''۔ وہ مزید کچھ اس کی سنے اور اپنی بولے بغیر ایک جھٹکے سے اسے خود سے قریب تر کر کے اس کے سندر چہرے پر جھکتا چلا گیا تھا، اس کے فرار کے سارے راستے مسدود کر دیئے وہ اس کے مضبوط حصار میں بالکل قید ہو کر رہ گئی تھی، اسے تو خود پر حیرت تھی وہ اپنا دفاع کیوں نہیں کر پا رہی، اس کی محبت کے آگے کیوں ہار گئی تھی، کہاں جا سوئی تھی اس کی ساری ناراضی، اس کا غصہ جو اسے زرمیل پر تھا، مگر زرمیل کا یہ نیا انداز دیکھ کر تو وہ دنگ ہی رہ گئی تھی، اس کی جنونی محبت کی ایک جھلک تو وہ رات ہی دیکھ چکی تھی، وہ اپنے بچاؤ کے لیے کتنا احتجاج کرتی، کتنا بچاؤ کرتی، اس کی مزاحمت بے کار گئی تھی، زرمیل نے اسے اپنے اندر سمو کے اسے قید کر لیا تھا، وہ بے بس ہو کر رہ گئی تھی۔

''عارفین!'' ثمرن کمرے سے نکلی عارفین، ریحان شیخ کے ساتھ بیٹھا T.V پر نیوز دیکھ رہا تھا وہ وہیں چلی آئی تھی۔

''جی ثمرن بھابی! بولیے''۔ اس نے T.V پر سے نظر ہٹا کے ثمرن کو دیکھا تھا۔

''عارفین! ژالے کو ابھی جا کر لے کر آنا ہے''۔

''ثمرن بھابی! ابھی تو مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے، کیونکہ رات بھر برف باری خوب ہوئی ہے جس کی وجہ سے برف کا ایک بھاری تودہ سڑک کے بالکل بیچ گرا ہے، اسی لیے جو راستے کھلے تھے وہ بھی بلاک ہو گئے ہیں، جیسے یہی سب نیوز پر بتا رہے ہیں''۔ ثمرن وہاں آ کر سنگل صوفے پر بیٹھ گئی اور نیوز دیکھنے لگی تھی، نیوز پر سب بتا رہے تھے حالات واقعی بہت گمبھیر ہو گئے تھے، ثمرن کو فکر مندی نے گھیر لیا تھا اس نے ژالے سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ اسے لینے آ رہی ہے ساتھ ناشتہ کریں گے۔

''بیٹا! آپ پریشان کیوں ہو رہی ہیں ژالے تو محفوظ ہے ناں اور پھر وہ کسی اور کے ساتھ نہیں اپنے ہسبینڈ کے ساتھ ہیں''۔ ریحان شیخ نے اس کے چہرے کی پریشانی بھانپ لی تھی۔

''جی انکل!'' وہ پھر کچھ نہیں بولی تھی اور پھر کہتی بھی کیا ان کا کہنا بھی جائز تھا کہ ژالے اپنے شوہر کے ساتھ تھی، مگر ان دونوں کے مابین یہ رشتہ کس نوعیت کا تھا دونوں کے درمیان ایک سرد جنگ چل رہی تھی، ان کے بیچ ایک وسیع دیوار جو کھڑی تھی ان سب سے ریحان شیخ ناواقف تھے۔ اس کا پرسوچ چہرہ عارفین نے بغور دیکھا تھا،

وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کیا سوچ رہی تھی۔

''ثمرن بھابی! پریشان مت ہوں ژالے بالکل ٹھیک ہے''۔ ریحان شیخ کا فون آ گیا تھا وہ وہاں سے اٹھ گئے تھے تو عارفین نے آہستگی سے کہا۔

''عارفین! مجھے پتہ ہے وہ پوری رات جاگی ہوگی، صرف روتی رہی ہوگی، تم جانتے تو ہو کے اس کے اور زرمیل کے درمیان کی جنگ کو''۔

''بھئی! اب ژالے کا تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا، ہاں زرمیل ضرور پرسکون ہوگا''۔ اس نے بات کو مزاح کا روپ دیا تھا، ثمرن اس کی بات کا مطلب سمجھ گئی تھی۔

''یہ تو تم خود اس سے ہی پوچھنا کہ وہ کتنا پرسکون رہا ہوگا، لیکن مجھے سو فیصد یقین ہے کہ ژالے نے خود اپنے ساتھ ساتھ زرمیل کا بھی لمحہ لمحہ عذاب میں کر دیا ہوگا''۔

''چلیں جب وہ روبرو ہوں گے تو دیکھ لیں گے، اور اب ایک بات بتاؤں کہ زرمیل نے نہ صرف ژالے کو ہینڈل کر لیا ہوگا بلکہ رونے بھی نہیں دیا ہوگا، اس لیے آپ فکر مت کریں''۔

''تم تو اتنے وثوق سے اس طرح بول رہے ہو جیسے زرمیل نے موبائل پر تمہیں بتایا ہوگا''۔

''میری پیاری بھولی بھالی سی بھابی جان! زرمیل کو اپنے درمیان موبائل جیسی بے جان چھوٹی سی شے سب سے بڑی دشمن لگ رہی ہوگی''۔ اس کے لبوں پر دھیمی سی شرارت بھری مسکراہٹ کھیل رہی تھی، جو ثمرن کو تو بالکل سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

''مطلب....؟''

''اوف ہو.... اب مطلب وغیرہ چھوڑیں، مجھے بھوک لگ رہی ہے کیا آج ناشتے کا اہتمام نہیں ہے، ژالے کے چکر میں تو آپ ہمیں بھی بھوکا مار رہی ہیں''۔

''سوری.... میں ابھی بناتی ہوں، بلکہ تم یوں کرو کہ ژالے یا زرمیل کو فون کرو، انھیں بتا دو کہ آج بھی ابھی تک راستے بلاک ہیں، جیسے ہی راستے نکلتے ہیں ہم فوراً لینے آ جائیں گے، وہ ہمارا انتظار کر رہی ہوگی کیونکہ میں نے آنے کا بول دیا تھا''۔ وہ کہہ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''اوکے بابا! آپ کچن میں جائیں، ناشتہ بنائیں میں فون کرتا ہوں''۔ ثمرن کو جب اطمینان ہو گیا کہ عارفین نے اپنا موبائل اٹھا لیا ہے، تو وہ وہاں سے کچن کی سمت بڑھ گئی، عارفین نے جاتی ہوئی ثمرن کو ایک نظر دیکھا اور موبائل واپس رکھ دیا تھا۔

''ثمرن بھابی بھی ناں پرائیویسی نہیں سمجھتی ہیں''۔ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کے ہلکے سے مسکرا دیا تھا اور پھر دوبارہ سے T.V کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''ہوں.... مزہ آ گیا بھئی!'' ریحان شیخ نے خوب سیر ہو کر ناشتہ کیا تھا، ان لڑکیوں نے گھر میں ہی کباب پراٹھا، اور میٹھا حلوہ بنا لیا تھا۔

''بہت مزے کے بنائے ہیں آپ نے کباب ثمرن بھابی!''

''جی نہیں اس کا سارا کریڈٹ آپ کی مسز مقسوم کو جاتا ہے، اس لیے اس تعریف کی اصل حقدار مقسوم ہے''۔ ثمرن نے اپنی پلیٹ آگے کھسکا دی تھی۔

''اچھا تو آپ کو پہلے بتانا چاہیے تھا کہ یہ کمال ہماری زوجہ محترمہ مقسوم کا ہے، تو میں ٹھیک طرح تعریف

کرتا''۔ اس نے سر کو جھکائے مقسوم کو دیکھا۔

''تو ابھی بھی کس نے پابندی لگائی ہے، آپ تعریف کر سکتے ہیں''۔ حرا نے مسکراتے ہوئے کباب کا ایک بائٹ کیچپ لگا کر منہ میں ڈالا تھا۔

''بالکل کریں گے ہماری مسز تو جو بنائیں سب لذیذ ہوتا ہے، بلکہ ہم تو خراج تحسین بخشنے کے موڈ میں ہیں''۔

''عارفین بھائی! اگر اس وقت ژالے یہاں ہوتی تو ضرور آپ پر کمنٹس پاس کرتی''۔

''وہ نہیں ہے تو کیا ہوا اس نے اپنے چیلے تو یہاں چھوڑے ہوئے ہیں، جو اس تک ساری خبر رسائی کر دیں گے''۔ حرا اس کا اشارہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔

''اگر آپ مجھے اکیلا سمجھ کے گھیرنے کے موڈ میں ہیں، تو آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں بھی آپ کے لیے اکیلی کافی ہوں مقابلہ برابر ہوگا''۔

''ہاں تو ظاہری بات ہے ژالے کی صحبت کا اثر تو آئے گا ناں''۔ وہ ہولے سے ہنس دیا۔

''کریں آپ خوب اچھی طرح کریں، ابھی فل آزادی ہے، آنے دیں ژالے کو، ایک ایک بات مرچ مسالہ لگا کر بتاؤں گی میں آپ کی شکایت''۔

''اس کا مطلب ہے اپنی بیگم کو تم دونوں کے خلاف تیار کرنا پڑے گا''۔

''آپ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کر لیں، مگر مقسوم بھابی آپ کا ساتھ دینے والی نہیں ہیں، وہ ہماری ہی سائیڈ لیں گی''۔ اس نے مسکراتے ہوئے اس کو چڑایا تھا۔

''یہ بات ہے تو پھر ٹھیک ہے مگر میری بھی سن لو کہ میں بھی ہارنے والوں میں سے نہیں ہوں، جیت انشاء اللہ میرا ہی مقدر بنے گی''۔ یہ بات عارفین نے مقسوم کو بغور دیکھتے ہوئے کہی تھی۔

مقسوم نے نہایت چونک کر عارفین کو دیکھا تھا اس کے چہرے پر کل رات کی بات کا معمولی سا بھی شائبہ تک نہ تھا، وہ اسی طرح مستی و مذاق کے موڈ میں تھا، جیسے ہر روز معمول کی طرح رہتا تھا، مگر اس وقت اس کی کہی گئی بات کا وہ کیا مطلب گردانتی، مذاق یا پھر طنز، وہ اس چہرے پر کچھ ڈھونڈنے ہی کی کوشش کر رہی تھی، کہ جلد ہی احساس ہوا کہ مقابل کی آنکھوں میں شوخ سے رنگ جھلملانے لگے تھے، اس نے اپنی سیاہ آنکھیں خود ہی جھکا لی تھیں، ورنہ شاید اس کا موڈ نہیں تھا کہ وہ اس کے چہرے سے اپنی نگاہیں ہٹاتا، ان سب کے برعکس حرا اپنی ہی بول رہی تھی، کہ اچانک سے وانیہ کے کہنے پر مقسوم نے اپنی جھکی سیاہ نگاہیں پھر سے اٹھائی تھیں۔

''عارفین بھائی! یہ کپڑا کیسا آپ کے ہاتھ پر باندھا ہے، اور دیکھیے اس میں سے خون بھی نکل رہا ہے''۔ وانیہ کے کہنے پر سب نے ہی عارفین کا ہاتھ دیکھا تھا۔

''ارے ہاں عارفین! یہ کیا ہوا ہے، کہاں سے لگا لی تم نے یہ چوٹ، مجھے دکھاؤ ذرا''۔ ثمرن بھابی نے اپنی گود میں بیٹھے رضا کو حرا کو دیا اور اس کے پاس چلی آئی، اس کا ہاتھ تھاما اور ہاتھ پر بندھا کپڑا ہٹا دیا جو خون سے بھیگنے لگا تھا۔

''او مائی گاڈ.... عارفین بھائی! یہ تو بہت گہرا زخم ہے، کیسے لگی آپ کے؟'' حرا بھی وہیں چلی آئی تھی پریشان ہو گئی تھی۔

''عارفین بیٹا! بتاؤ ناں کیسے لگی آپ کو یہ چوٹ؟'' ریحان شیخ فکرمندی سے بولے۔

"ارے یار! کچھ نہیں ہوا، معمولی سی چوٹ ہے، ٹھیک ہو جائے گی"۔ عارفین نے سب کی فکر کو دل سے محسوس کیا تھا، کس قدر محبت کرتے تھے وہ سب اس سے، حرا کے تو باقاعدہ آنکھوں میں آنسو ہی آ گئے تھے۔

"آپ اسے معمولی کہتے ہیں کتنا گہرا زخم آیا ہے آپ کو؟" وہ روہانسی سی ہونے لگی تھی، عارفین اپنی چیئر سے کھڑا ہوا اور حرا کو خود سے لگا لیا تھا۔

"گڑیا! زیادہ نہیں لگی ہے"۔ یہی بے لوث محبتیں ہی تو تھیں جن کی مضبوط ڈور سے وہ سب کسی لڑی کے طرح ایک دوسرے سے بندھے ہوئے تھے، اور وہ ان بے لوث بے پناہ محبتوں کی قدر کرتا تھا۔ مقوم تو حیرت سے ان لوگوں کو دیکھ رہی تھی، کس قدر محبت ہے ان سب میں آپس میں، شاید اسی کو پیار کہتے ہیں۔

"تم ادھر بیٹھو!" ثمرن نے عارفین کو واپس چیئر پر بٹھایا تھا۔

"وانی بیٹا! فرسٹ ایڈ باکس کہاں رکھا ہے؟" ریحان شیخ نے وانیہ کو دیکھا۔

"بابا! میں ابھی لے کر آتی ہوں"۔ اس نے بے ساختگی سنبھالی اور اپنے بیڈروم سے فرسٹ ایڈ باکس لے کر آ گئی۔

"لاؤ مجھے دو"۔ ثمرن نے پہلے ڈیٹول نکالا، نوری ایک چھوٹے باؤل میں پانی لے کر آ گئی، عارفین کا زخم جلدی جلدی صاف کیا، پھر مرہم وغیرہ لگا کر اس کے ہاتھ کی ڈریسنگ کر دی تھی۔

"حد ہوتی ہے لاپروائی کی بھی"۔ ثمرن نے عارفین کو گھورا تھا، ساتھ اچھی طرح ڈانٹ بھی پلا دی تھی۔

"مقوم! تمہیں تو پتہ ہوگا، تم نے بھی اس کے ہاتھ پر کچھ ٹیوب پاؤڈر وغیرہ نہیں لگایا"۔ اب ان کا رخ مقوم کی سمت تھا۔

"جج.....جی.....وہ.....وہ!" وہ بری طرح گھبرا کے رہ گئی تھی، زبان الگ لڑکھڑا رہی تھی، عارفین نے جلدی سے بات کو سنبھالا۔

"نہیں ثمرن بھابی! مقوم کو نہیں معلوم میرے یہ زخم ابھی کچھ دیر پہلے ہی لگا ہے"۔ اس نے مقوم کو صاف بچا لیا تھا۔

"اینی وے.....اب تم آرام کرو، اور ہاتھ کو لٹکانا بالکل نہیں ورنہ درد ہوگا"۔

"آپ لوگوں کی محبت ہی ایسی ہے کہ کسی درد کا احساس نہیں ہوتا"۔

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے اس وقت ہونا بھی نہیں چاہیے، کیونکہ اگر ژالے یہاں موجود ہوتی تو آپ کے میں بھی درد کر دیتی"۔ حرا نے چڑ کے کہا، جس کو وہ سمجھ کر ہلکے سے ہنس دیا، حرا ٹھیک ہی بول رہی تھی اگر ژالے یہاں ہوتی تو وہ گھر سر پر ہی اٹھا لیتی، کیونکہ جتنی ان لوگوں میں لڑائیاں ہوتی تھیں ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے تھے، پھر محبت بھی ایسے ہی کرتے تھے، ارشد اور عارفین میں وہ کوئی فرق محسوس ہی نہیں کرتی تھی، عارفین کی کو بہن نہیں تھی مگر ژالے اور حرا کو بالکل سگی بہنوں کی طرح چاہتا تھا، ان لوگوں کی ہر خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتا تھا اور ژالے تو ویسے بھی محبتوں کے معاملے میں بہت خوش قسمت تھی، کہ گھر کے ہر فرد کا پیار اسے ملا، گھر کی لاڈلی، وہ اس لیے تو سب نے اسے اس گھر میں ہمیشہ رکھنے کے لیے زرمیل سے زبردستی نکاح کر دیا تھا، تا وہ زندگی بھر سب کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو، مگر قسمت نے جو اس سے امتحان لیا، جس کٹھن آزمائش میں ڈ سب کو خون کے آنسو رلا دیا تھا، مگر زرمیل کی واپسی ایک نئی امید کی کرن بن کر روشن ہوئی تھی، وہ ژالے جو زندگی جینا بھول گئی تھی، وہ پھر سے جیئے گی، عارفین کی صدق دل سے اس کے لیے دعا تھی، زرمیل اسے سنبھ

لے گا، منا لے گا اس کا از حد یقین تھا، جو کڑواہٹ اس کے دل و دماغ میں گھل گئی تھی وہ سب دور ہو جائے گی۔

☆.....☆.....☆

شام کے چھ بج رہے تھے وہ کمرے میں اکیلی صوفے پر بیٹھی ٹی وی پر نیوز دیکھ رہی تھی، باہر کے حالات ابھی تک ٹھیک نہیں ہوئے تھے کوئی شے اپنے معمول کے مطابق نہیں چل رہی تھی، زرمیل کچھ دیر پہلے ہی باہر گیا تھا، شاید حالات کا جائزہ لینے، کل سے اب تک وہ اس کے ساتھ کمرے میں تھی، وہ جو اس کے سائے سے بھی بھاگ رہی تھی، قسمت نے ایسا پلٹا کھایا کہ مشکل گھڑی میں اسی کے رحم و کرم پر بچ دیا تھا، وہ جس زرمیل کو جانتی تھی وہ ایک اکھڑ بد دماغ، حد درجہ غصے والا بد ذوق انسان تھا، مگر یہ زرمیل جسے وہ کل سے اپنے بے حد قریب دیکھ رہی تھی، وہ بالکل الگ تھا، اپنے پرانے والے زرمیل سے اس میں وہ ایک بھی عادت نہیں تھی، جس سے وہ نالاں رہتی تھی، مگر زرمیل ایسا ہوگا اس قدر بدلاؤ آئے گا ان دو سالوں میں یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا، اس قدر جنونی محبت و چاہت دینے والا، اتنا رومانٹک کہ وہ اس کی بے پناہ محبت کے آگے ہار گئی تھی، اس کی نفرت بہت چھوٹی لگنے لگی تھی، جتنی محبت اس نے کل سے اب تک اسے دی تھی کہ وہ خود تھکنے لگی تھی، مگر ایسا محسوس ہو رہا تھا زرمیل کی محبت میں ہر گزرتے پل میں مزید اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے، جانے اس کا طنطنہ، غصہ، جھنجھلاہٹ کہاں سو گیا تھا کہ وہ اگر غصہ کرنا بھی چاہتی تو زرمیل ایسا کرنے نہیں دیتا تھا۔

"کیا سوچا جا رہا ہے مادام!" وہ اپنی لامتناہی گہری سوچوں میں اس قدر منہمک تھی کہ یہ بھی احساس نہیں ہوا کہ کب زرمیل اس کے برابر اس کے بے حد قریب آ کر بیٹھ گیا تھا، وہ آگے کھسکنا ہی چاہتی تھی کہ زرمیل نے اس کے شانے پر اپنا مضبوط آہنی بازو رکھ کر اس کو اپنی گرفت میں قید کر لیا تھا۔

"کیوں بھاگ رہی ہو مجھ سے، نہیں ژالے! اب تو بالکل بھی گنجائش نہیں کہ ایک پل کے لیے بھی میں تمہیں خود سے الگ کروں"۔ اس نے گھیراؤ تنگ کر دیا تھا۔

"آپ خدارا! میری بات تو سن لیں"۔ کمزور لب و لہجے میں ایک التجائی گزارش تھی۔

"ہاں بالکل سنیں گے آپ فرمائیے!" وہ ترنگ میں بولا۔

"اس طرح تو میں کچھ نہیں کہہ پاؤں گی"۔ اس کا اشارہ اس کے حصار، اس کے بے حد قریب ہونے پر تھا، جسے وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

"چلو ٹھیک ہے مان لی تمہاری بات اب بولو!" اس نے مسکراتے ہوئے اپنا بازو اس کے گرد سے ہٹایا تھا، اور بغور اس کا سرخ گلنار ہوتا چہرہ دیکھا، حد درجہ گوری رنگت پر سردی کی وجہ سے اس کے گالوں پر سرخی کھل رہی تھی، پلکوں کی گھنی باڑ جیسے نہ اٹھنے کا عہد کر چکی ہو، گلابی ہونٹ بالکل خاموش تھے، دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کیے وہ شاید گھبرا رہی تھی، زرمیل نے اپنی ہتھیلی کے پیالے میں اس کا معصوم سا چہرہ بھرا اور اپنی سمت اس کا رخ موڑا تھا، سرمئی کانچ ان سبز جھیل جیسی آنکھوں میں گاڑھ دیں۔

"دل میں جو کچھ بھی ہے سب بول دو، میں جانتا ہوں میں نے تمہیں بہت دکھ دیئے ہیں، مگر یقین کرو میں تہہ دل سے شرمندہ ہوں اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں، تمہیں اتنی محبت و چاہت دوں گا کہ تمہاری زندگی کے صفحہ ہستی سے وہ تکلیف دہ اذیت بھرے تمام لمحات مٹ جائیں گے، اور پھر اس کا معمولی سا ثبوت تو تم کل سے اب تک دیکھ بھی چکی ہو"۔ عنابی لبوں پر شرارت سے بھری مسکراہٹ تھی، سرمئی کانچ پر شوق ہو کر اس کا سرخ اناری ہوتا چہرہ دیکھ رہی تھیں، اس کی ذو معنی بات وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی جھجکتے ہوئے نگاہ رخسار پر سجدہ ریز ہو کر رہ

گئیں، وہ گھنیری پلکیں شرم وحیا سے لرزنے لگی تھیں، زرمیل کے یوں پرشوق انداز سے دیکھنے پر چہرہ گلنار کی مانند کھلنے سا لگا تھا، اس کے چہرے کی سرخی میں مزید اضافہ سا ہونے لگا تھا، زرمیل تو جیسے اس کی ادا پر فریفتہ جا ہو گیا، اپنی دیوانگی و بے قراری کی مہر جا بجا اس کے چہرے پر ثبت کرتا چلا گیا تھا۔

دروازے پر دھیرے سے دستک ہونے لگی تھی، زرمیل نے بھرپور نظر اس کے چہرے پر ڈالی اور مسکراتا کھڑا ہو گیا، ژالے اپنی بے ترتیب بے قابو ہوتی دل کی دھڑکنوں پر ہاتھ رکھے انھیں اعتدال پر لانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

''سر! آپ کا آرڈر''۔ دروازے پر ویٹر تھا جو ٹرالی کھسکاتے ہوئے چلا آیا تھا، شام کی چائے کے ساتھ نے پیزا بھی آرڈر کر دیا تھا، وہ جانتا تھا کہ ژالے کو پیزا بہت پسند ہے، اور میٹھے میں لب شیریں۔

''چلو پہلے چائے پیتے ہیں پھر کوئی اور بات ہوگی''۔ زرمیل ٹرالی گھسیٹتا ہوا اس کے پاس لے آیا تھا، ژالے نے چائے کا کپ اٹھایا۔

''ارے یہ کیا؟'' زرمیل کا اشارہ اس کے خالی چائے پینے کی طرف تھا۔

''یہ پیزا کون کھائے گا میں نے اسپیشلی تمہارے لیے آرڈر کیا ہے، ورنہ تم تو جانتی ہو کہ مجھے پیزا بالکل نہیں پسند''۔

''میرا دل نہیں چاہ رہا ہے''۔ ہولے سے انکار کیا تھا۔

''جی نہیں تم نے دوپہر میں بھی بہت تھوڑا سا کھایا تھا، چلو ٹھیک ہے صرف تمہاری خاطر میں تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہوں''۔ اس نے مسکراتے ہوئے ایک پلیٹ اٹھا کر اپنے لیے ایک چھوٹا سا ٹکڑا اس میں ڈالا پھر ژالے کے لیے ایک پلیٹ بنائی، ژالے نے بہت حیرانگی بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا کہ صرف اس کی خاطر وہ پیزا کھا رہا تھا، ورنہ وہ جانتی تھی کہ زرمیل کو پیزا سخت ناپسند ہے۔

☆.....☆.....☆

وہ سب کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں، ریحان شیخ کی فرمائش پر چکن نہاری اور چاول رائس بنا رہی تھیں، اس نے دیکھا تھا کہ یہاں رات کے کھانے پر ٹیبل پر میٹھے کا اہتمام لازمی ہوتا ہے، اس نے سویوں کا زردہ بنا لیا تھا، بلکہ ریحان شیخ نے تو دو تین اور ڈشز کھانے کی اور میٹھے کی بول دی تھیں، مگر نے کہا کہ یہی بہت ہے اتنا کھانا بنا کے کیوں ضائع کریں، خرچہ الگ ہوگا اسے معلوم تھا کہ ریحان شیخ کی خورا زیادہ نہیں تھی وہ صرف ان لوگوں کی وجہ سے بول رہے تھے۔

''مقوم...!'' ثمرن چائنیز رائس کے لیے باریک باریک سبزیاں کاٹ رہی تھی کہ سویاں بھونتی مقوم کو تھا۔

''جی ثمرن بھابی!'' اس نے پلٹ کر دیکھا۔

''تم نے عارفین کے ہاتھ کی ڈریسنگ کر دی تھی''۔

''جی.....جی.....نہیں''۔ ثمرن کے یوں اچانک پوچھنے پر وہ بوکھلا کے رہ گئی۔

''اف اوہ... مقوم! عارفین کا بہت گہرا زخم آیا ہے، خیر تم یہ سارے کام چھوڑو اور سب سے پہلے جا کر عارفین کے ہاتھ کی ڈریسنگ کر دو، جاؤ شاباش!''

''ثمرن بھابی! بس یہ سویاں کر دوں پھر کرتی ہوں''۔ وہ جانتی تھی کہ عارفین اس سے ڈریسنگ نہیں کروا

گا۔

''میں کہہ رہی ہوں ناں، تم چھوڑ دو، یہ نوری دیکھ لے گی، نوری! یہ سویاں تم تیار کر دو''۔

''جی بی بی جی!'' نوری فوراً آگے بڑھی تھی۔ مقوم مرتی کپانہ کرتی کے مصداق وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی، اب اکیلے میں اس کا سامنا کیسے کرے، سب کے سامنے تو عارفین نے ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اس سے ناراض یا بدگمان ہے، مقوم کے کچن سے نکلنے کے بعد حرا نے رضا کو کاؤنٹر پر بٹھایا اور اس کے ہاتھ میں چاکلیٹ تھما دی، جاتی ہوئی مقوم کو نہایت گہری نظروں سے دیکھا تھا اس نے، اور ثمرن کے پاس بڑھی۔

''ثمرن بھابی! اپنی یہ مقوم بھابی کا مزاج کچھ الگ نہیں ہے نئی نویلی دلہنوں والے انداز تو بالکل نہیں ہیں، نہ ہی کوئی ناز و نخرہ ہے، ورنہ نئی نویلی دلہنیں تو اپنے ہسبینڈ کے پاس بیٹھنے کے بہانے ڈھونڈتی ہیں مگر میں نے تو یہ بھی نوٹ کیا ہے کہ عارفین بھائی کے ہاتھ پر لگے گہرے زخم کی فکر جیسے ان کو ہونی چاہیے وہ انھیں بالکل نہیں ہے، ورنہ کیا انھیں سب کام وغیرہ چھوڑ چھاڑ کے ان کے پاس نہیں بیٹھنا چاہیے تھا، مگر وہ تو بالکل لاپروائی برت رہی ہیں''۔ حرا کو عجیب سا شک گزرا تھا۔

''نہیں یہ سب میں نے تو نوٹ نہیں کیا ہے''۔ ثمرن نے بغور حرا کو دیکھا تھا۔

''چلیں اب کیجیے گا''۔

''حرا! بری بات.... کسی کے پرسنل میں انٹرفیئر نہیں کرتے''۔ ساری سبزیاں تقریباً کٹ چکی تھیں جنھیں وہ اب پتیلی میں ڈال رہی تھی۔

''نہیں ثمرن بھابی! میرا وہ مطلب نہیں تھا''۔ وہ بری طرح جھینپ کر رہ گئی۔

''اٹس اوکے... یہ سب فضول باتیں چھوڑو، یہ ان کا اپنا مسئلہ ہے، تم رضا کو دیکھو وہ کیا کر رہا ہے، اگر بھوکا ہو تو اسے تو ٹوسٹر بنا کے کھلا دو، میں اتنے چاول بھگو دیتی ہوں''۔ وہ پتیلی کا ڈھکن رکھ کے چاول لیے سنک کی طرف بڑھی تھی۔

''جی بہتر...!'' وہ کاؤنٹر پر بیٹھے رضا کو گود میں لیے کچن سے نکلی تھی، مقوم فرسٹ ایڈ باکس لے کر کمرے میں آئی، عجیب سی جھجک مانع تھی اس کے انداز میں، کس قدر بے حس ہو گئی تھی، کہ اتنی بھی زحمت نہیں کی کہ عارفین کے ہاتھ کا زخم ہی پوچھ لیتی، وہ شرمندہ شرمندہ سی چلتی ہوئی عارفین کے پاس آ ٹھہری، عارفین جو بیڈ پر لیٹا تھا آنکھوں پر بازو دھرے جانے وہ سو رہا تھا یا پھر جاگ رہا تھا، اس نے بغور دیکھا تھا عارفین نے اپنا وہی ہاتھ آنکھوں پر دھرا تھا، جو زخمی تھا اس نے آہٹ پر بازو چہرے سے ہٹایا تو اپنے قریب ہاتھ میں فرسٹ ایڈ باکس لیے مقوم کو پایا، وہ جو ٹکٹکی باندھے یک ٹک اسے دیکھنے میں مگن تھی، سٹپٹا کے رہ گئی۔

''وہ میں.... آپ کے ہاتھ.... کی ڈریسنگ کرنے آئی تھی''۔ نگاہ جھکائے جیسے کوئی مجرم اپنے جرم کا اعتراف کر رہا ہو۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے مجھے جب ضرورت ہوگی تو میں خود کر لوں گا''۔ سرد لب و لہجے میں کہتے ہوئے اس نے پھر سے آنکھوں پر بازو دھر دیا تھا، وہ خاموش ہو کر رہ گئی مگر یہ خاموشی چند پل کی ہی تھی۔

''دیکھیے پلیز! مجھے اور آزمائش میں مت ڈالیے، مجھے ویسے ہی شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے''۔

''اچھا بہت خوب تو تمہارے اندر احساس کا جذبہ ہے، حیرت ہو رہی ہے مجھے یہ سن کے''۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا، اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بغور اپنا عکس وہاں تلاشنے لگا تھا، اس کے یوں اچانک کھڑے

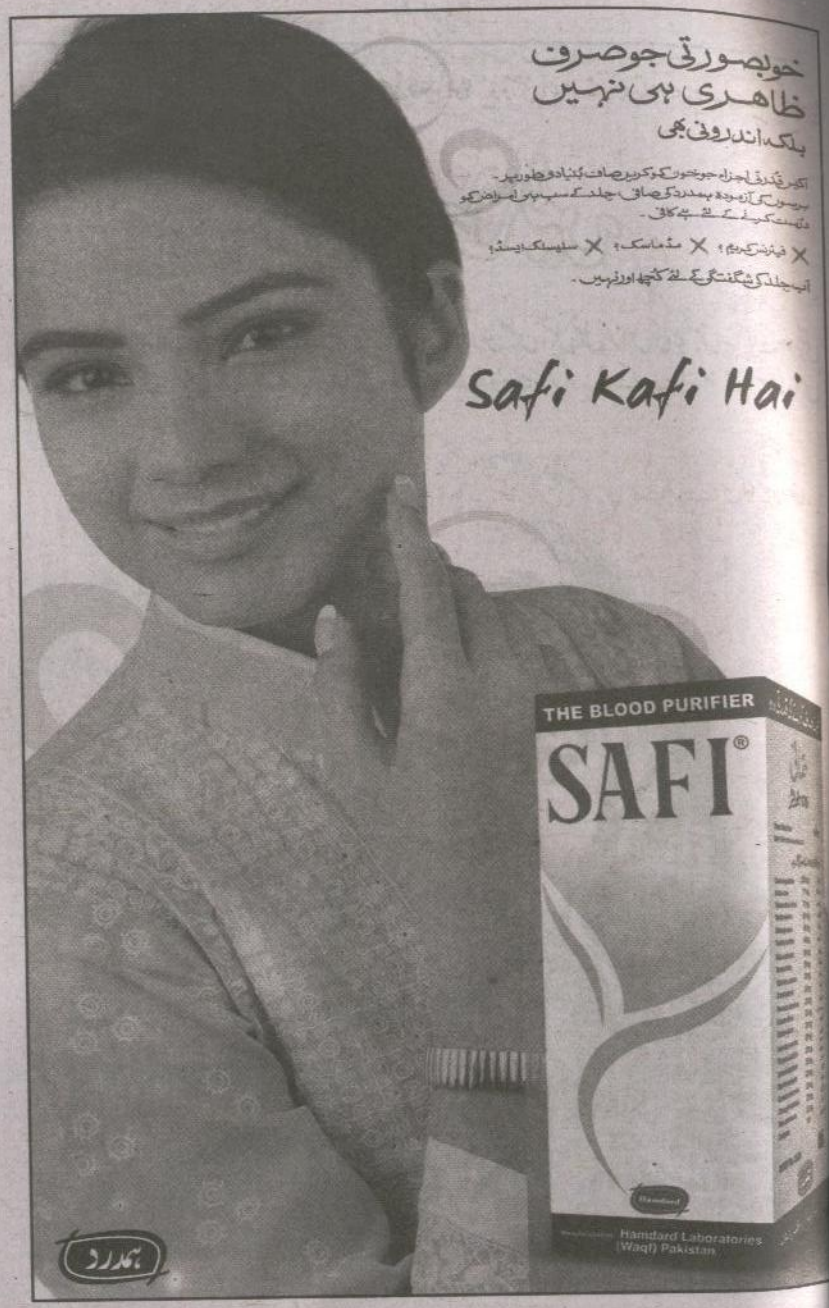

ہونے سے مقسوم گڑبڑا کے دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

''آپ کیوں کر رہے ہیں میرے ساتھ ایسا؟'' لب و لہجے میں ہلکی سی نمی گھلی ہوئی تھی۔

''تم ایسا ویسا کرنے کی اجازت ہی کب دے رہی ہو؟'' ذو معنی انداز میں بولتا ہوا، ہولے سے مسکرا دیا۔ مقسوم اس کی ذو معنی بات کا مطلب سمجھ کے نگاہوں کا رخ ہی پھیر گئی، جسے عارفین نے نہایت غور سے دیکھا تھا۔

''اینی وے..... مجھے اس ڈریسنگ کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔

''مگر آپ کا زخم بھی تو گہرا ہے، ڈریسنگ ضروری ہے''۔

''تمہیں میرے زخم کی فکر ہے؟'' سینے پر دونوں بازو باندھ کر اس کے چہرے کے نقوش دیکھنے لگا تھا پھر سے مشکل سوال۔

''مجھے ہی نہیں سب کو آپ کی فکر ہے اور ثمرن بھابی نے ہی مجھے آپ کی ڈریسنگ کے لیے بھیجا ہے''۔

''اس کا مطلب اگر ثمرن بھابی تمہیں نہ بھیجتیں تو تم نہیں آتیں؟''

''نہیں میرا وہ مطلب نہیں تھا''۔ وہ صحیح معنوں میں مشکل میں پڑ گئی تھی۔

''تم تو خوش فہمی میں بھی نہیں رہنے دیتی ہو''۔ اور پھر ہولے سے مسکرا کر واپسی بیڈ پر لیٹ گیا، بازو آنکھوں پر دھر لیا۔ مقسوم کو بہت افسوس ہوا، اسے اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا، پھر بھی تھوڑی ہمت کر کے اس کو پکارا تھا۔

''یہ فرسٹ ایڈ باکس یہاں رکھ دو، اور پلیز مجھے نیند آ رہی ہے جاتے ہوئے لائٹ آف کرتی جانا''۔ صاف لفظوں میں اسے اس کمرے سے چلے جانے کے لیے حکم دیا گیا تھا، اس نے نہایت بے بسی سے عارفین کو دیکھا تھا، فرسٹ ایڈ باکس ٹیبل پر رکھا اور کمرے سے نکلتی چلی گئی، لائٹ آف کرنا نہیں بھولی۔

☆.....☆.....☆

رات کا کھانا وہ دونوں کھا چکے تھے، زرمیل تو بلینکٹ سر تک اوڑھے کب کا سو بھی چکا تھا، آدھے سے زیادہ بیڈ اس نے اپنے پہاڑ جیسے وجود سے گھیرا ہوا تھا، کمرہ بھی اتنا کشادہ نہیں تھا کہ وہ نیچے ہی سو جاتی اور بالفرض سمٹ کر نیچے لیٹ بھی جاتی تو یقینی تھا کہ وہ برف بن جاتی، کمرے میں اس قدر ٹھنڈ تھی کہ اب اس سے صوفے پر بیٹھا بھی نہیں جا رہا تھا، کافی دیر بیٹھے رہنے سے اس کا وجود شل ہونے لگا تھا، سردی کے مارے جسم میں کپکپاہٹ سی شروع ہونے لگی تھی، بالآخر اسی فیصلے پر مہر لگا دی کہ اب بیڈ پر جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، وہ آرام آرام سے چلتی ہوئی بیڈ کے دوسرے کونے پر سکڑ سمٹ کر لیٹ گئی، نیند تو بہت آ رہی تھی، مگر ٹھنڈ جیسے اس کی نس نس میں گھس رہی تھی، بلینکٹ بھی ایک ہی تھا، جو زرمیل نے خود پر لپیٹا ہوا تھا، جانے وہ اور کیا کیا سوچتی رہتی کہ ایک زوردار جھٹکے سے اس کی مرمریں نازک کمر کے گرد زرمیل نے اپنا بازو حمائل کر کے اسے اپنی جانب جو کھینچا کہ پوری طرح اس کے وجود کا حصہ بنی تھی، ژالے اس اچانک افتاد کے لیے قطعی طور پر تیار نہیں تھی، نہایت سہمی ہوئی نظروں سے اپنی طرف جھکے اس چہرے کو تک رہی تھی، وہ جو دھیرے دھیرے اس کے سہمے ہوئے چہرے پر انگلیوں کے لمس چھو رہا تھا، ان سبز آنکھوں میں وہ اپنا ابھرتا عکس بغور دیکھ رہا تھا، ان سبز آنکھوں میں وہ اپنے نام کے خواب سجانا چاہتا تھا، ایک نیا جہاں آباد کرنا چاہتا تھا، ان گلابی گداز لبوں پر اپنے نام کی مالا پرونا چاہتا تھا، اس روشن پیشانی پر وہ اپنے پیار کی مہر ثبت کرنا چاہتا تھا، اس کے سینے میں دھڑکتے دل پر براجمان ہو کر وہ راج کرنا چاہتا تھا، اس کے نام کے ساتھ جڑا اپنے نام کو روشن تا قیامت تک قائم و دائم رکھنا چاہتا تھا، وہ زندگی بھر کا ساتھ نبھانے کا وعدہ چاہتا تھا، اور اس پر عمل کی پاسداری چاہتا تھا۔

(جاری ہے.....)

افسانہ

میری خطائیں

اس کے اعصاب شل ہوگئے تھے، چہرے کی رنگت اڑی ہوئی تھی، دماغ میں جانے کیا کیا باتیں گڈ مڈ ہو رہی تھیں، ٹہل ٹہل کر اس کی ٹانگیں ساکت ہو چکی تھیں، وہ چیئر پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھا، اس

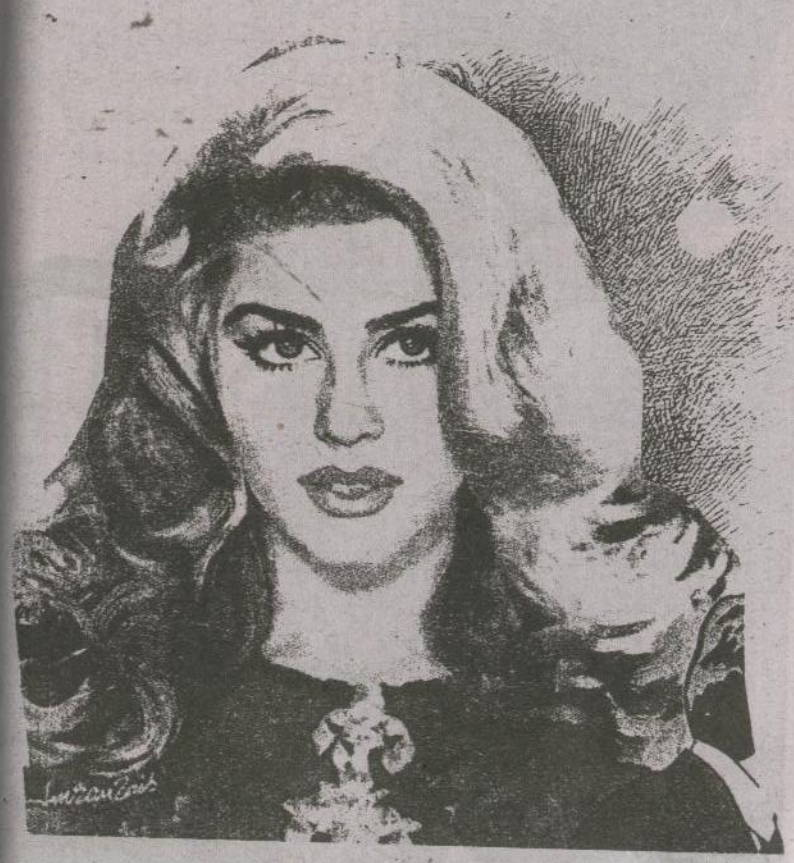

نے سر پشت سے ٹکا دیا، گزشتہ دنوں سے اس کی ایسی حالت ہوگئی تھی، اس کا سکون لٹ گیا تھا، کسی نے درست کہا تھا کہ انسان پیسوں سے سب کچھ نہیں خرید سکتا، اس کے سر پر پیار و نرمی سے ہاتھ پھیرنے والی ماں نہیں رہی تھی، وہ ماں نہیں رہیں تھیں جنھیں وہ خود سے زیادہ عزیز تھا اور اب وہ نرم و گھنا سایہ نہیں رہا تھا، جن کے لبوں پر ہمہ وقت اس کے لیے دعائیں ہوتی تھیں، اس کا دل چاہا پاگلوں کی طرح چیخ و پکار کرے، اپنے بال نوچے، کوئی تو اسے پل دو پل کے لیے پیار و سکون بخشے۔

☆.....☆.....☆

"x,y.z.....x,y,z" اماں خاصی اونچی آواز میں خود سے آدھی عمر کی ٹیچر کے سامنے اچھی شاگرد کی طرح اپنا سبق دہرا رہی تھیں، مگر نگاہیں ان کی عمر پر مرکوز تھیں، جو ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا شام کے پانچ بجے لنچ کر رہا تھا، اور عمر بھی اس بات سے بخوبی واقف تھا، مگر جان کر اماں کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا، اماں کو شروع سے ہی خود پڑھا لکھا ہونے کا شوق تھا، لیکن کم عمری اور گود میں ایک ننھے بچے کو لیے وہ بیوہ ہوگئیں تھیں، مگر ہر ماں کی طرح انھیں بھی عمر خود سے زیادہ عزیز تھا، انھیں اس سے بہت محبت تھی، جب وہ ہر ماں کے خواب کی طرح ایک اچھا انسان بن گیا اور پڑھائی سے فراغت حاصل کرتے ہی اسے اچھی سی جاب بھی مل گئی، تو ان کے جیسے بھاگ ہی کھل گئے، وہ پھولے نہیں سماتی تھیں، اور ہر وقت اس کی بلائیں لیتی تھیں، پھر ایک دن عمر نے عالیہ کو اماں کو پڑھانے کی ریکوئیسٹ کی، وہ 6th فلور پر رہتی تھی، اور ایک مقامی اسکول میں ٹیچر تھی، اس عمر میں پڑھ پانا ایک مشکل ترین کام تھا، وہ بھی پڑھائی میں کمزور تھیں مگر وہ ان کا دل رکھنے کے لیے اپنی طرف سے ہر کوشش کرتی تھی۔

ایک روز عمر نے دبے لفظوں میں اماں سے اپنی پسند کا اظہار کیا، اس کا نام حنا تھا، وہ بھی اسی پلازہ میں فرسٹ فلور پر رہتی تھی، اماں کو خوشی ضرور ہوئی تھی، حنا کا گھرانہ اچھا تھا، حنا کے گھر والے بھی جلدی راضی ہوگئے، اس رشتے میں زیادہ دقت نہیں ہوئی، اماں بھی اب مطمئن ہوگئی تھیں، حنا بہت خوبصورت تھی اور عمر اور حنا کی جوڑی ہر ماں کی طرح اماں کو بھی چاند اور سورج کی جوڑی لگ رہی تھی، انھوں نے بڑے ارمانوں سے عمر کے سر پر سہرا سجایا، بے اختیار اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"حنا بیٹا! عمر کو کپڑے ٹھیک سے پریس کر کے دیا کرو"۔ عمر کے آفس جانے کے بعد اماں نے حنا کو نرمی سے کہا، وہ بیڈ پر لیٹی کسی میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی۔

"مجھے جس طرح کرنے آتے ہیں، میں ویسے کر کے دیتی ہوں، کتنی بار تو آپ کے بیٹے کو کہہ چکی ہوں کہ لانڈری سے کروائیں، مگر جناب کو فضول خرچی پسند نہیں ہے"۔ وہ کاٹ دار لہجے میں بولی، اماں نے اس وقت خاموشی اختیار کر لی، وہ بحث میں نہیں پڑنا چاہتی تھیں، پہلے وہ عمر کا ہر کام خود کرتی تھیں، مگر شادی کے بعد وہ خاص طور پر اپنے سب کام حنا سے کرواتا تھا، اماں صفائی پسند خاتون تھیں، انھیں حنا کے کام کرنے کا طریقہ اچھا نہیں لگ رہا تھا، اگر پیار سے سمجھانے کی کوشش کرتیں تو وہ کھرا جواب دیتی یا دو ٹوک بات کرتی، ہر دوسرے دن گھر پھیلا ہوا چھوڑ کر امی کے گھر چلی جاتی، اگر کوئی کام کرتی بھی تو آدھا ادھورا۔

☆.....☆.....☆

"حنا بیٹا! چائے بنا دو، عالیہ کب کی آئی بیٹھی ہے اور ہاں میری چائے میں چینی بالکل کم رکھنا"۔ وہ دوپہر کی اب کمرے سے نکلی تھی، اماں نے نرمی سے کہا۔

"ابھی تو میں اٹھی ہوں اور کمرے سے نکلتے ہی آپ کے کام شروع ہوگئے ہیں، اس گھر میں سکون

نام کی چیز ہے بھی یا نہیں، بہو بیاہ کر لائی ہیں نا کہ کوئی نوکرانی، جسے جب چاہا جو کام بول دیا، اگر اتنا دل کر رہا ہے چائے پینے کو تو خود بنالیں یا پھر اپنی اس روز روز کی مہمان کو بولیں"۔ وہ کاٹ دار لہجے میں بولی، اماں کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں، عالیہ کی حالت بھی ان سے جدا نہ تھی۔

"حنا! یہ تم کس انداز میں بات کر رہی ہو؟" انھوں نے بے یقینی سے زبردستی لب وا کیے۔

"مجھے پہلے ہی اس انداز میں بات کر لینی چاہیے تھی، کم از کم آپ سر تو نہ چڑھتیں، اور مجھے اب نہیں رہنا یہاں، سکون برباد کر رکھا ہے، میں جا رہی ہوں یہاں سے"۔ وہ بے وجہ رونے پیٹنے لگی، پھر چادر اوڑھ کر یہ جا وہ جا۔

حنا، عمر کو فون کر کے پہلے ہی خود سے بنائی ہوئی فلم سنا چکی تھی، اس نے پہلے حنا کی بات سنی، گھر آیا تو اماں سے بنا کوئی سوال پوچھے چپ اختیار کر لی، اگلے روز اماں نے بہت نرمی سے کہا کہ وہ حنا کو واپس گھر لے آئے مگر وہ پھر بھی خاموش ہی رہا، اس نے اماں کو اُف تک نہیں کہی تھی، مگر دل ہی دل میں کہیں نا کہیں وہ قصوروار اماں کو ہی سمجھ رہا تھا، اماں اس کی چپ پر پریشان ہو کر رہ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

"میں تب تک نہیں آؤں گی جب تک تم اپنی اماں کو چھوڑ کر الگ گھر نہیں لے لیتے"۔ یہ حنا کا ایس ایم ایس تھا، عمر کے سیل فون کے ان باکس میں، اماں کا دل بیٹھ گیا، وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو کسی صورت بھی خود سے الگ نہیں کر سکتی تھیں، یہ تصور بھی ممکن نہیں تھا، پھر انھوں نے دوسرا میسج کھولا۔

"کم آن عمر! ضروری نہیں کہ پوری زندگی ماں کے پہلو میں گزار دو، وہ اکیلی رہ سکتی ہیں، جب تک ہم ان کے ساتھ رہیں گے تب تک ہم ساتھ سکون سے نہیں رہ سکتے"۔ حنا ایسی زہریلی باتیں بھی کر سکتی تھی انھوں نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا، عمر کے سوا ان کا تھا ہی کون؟ پھر انھوں نے عمر کے ایس ایم ایس کھولے۔

"میں اماں کا ایک ہی تو سہارا ہوں، وہ جیسی بھی ہیں میری ماں ہیں، تم پلیز گھر آ جاؤ..... بھلے تم ان کا کوئی کام مت کرنا، ان سے بات بھی مت کرنا، پر تم آ جاؤ"۔ عمر کا اس طرح التجائیہ میسج پڑھ کر دل مٹھی میں آ گیا، پورا وجود کانپنے لگا تھا، وہ تو پرائی تھی مگر ان کے بیٹے کی نظر میں بھی اماں "جیسی بھی ہیں" تھیں۔ انھوں نے لرزتے ہاتھوں سے دوسرا ایس ایم ایس کھولا۔

"ٹھیک ہے، میں اماں کو نرمی سے سمجھانے کی کوشش کروں گا، اور انشاء اللہ ہم اپنا الگ سے گھر لیں گے"۔ موبائل فون ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر بیڈ پر گرا، آنسو پوری رفتار سے آنکھوں سے پھسل کر رخسار پر بہنے لگے، اپنی ہی اولاد کبھی یوں بھی کر سکتی ہے، ان کا عمر کبھی ایسا بھی کر سکتا ہے؟ وہ ایک ہی تو ان کا سہارا تھا، وہ بھی چلا گیا تو پھر زندگی کس کام کی، وہ زار و قطار رونے لگیں۔

عمر آج اپنا سیل فون گھر پر بھول گیا تھا، عالیہ نے آنے میں دیر کر دی تھی، ان کے فون کی بیٹری لو ہو رہی تھی تو انھوں نے عمر کے موبائل سے عالیہ کو ایس ایم ایس کیا، اور پھر یوں ہی عالیہ کا ریپلائی آنے کے بعد انھوں نے باری باری دوسرے ایس ایم ایس پڑھے تو گویا زمین ہی پیروں تلے سے نکل گئی۔

مسلسل ڈور بیل بج رہی تھی، انھوں نے جلدی سے آنسو صاف کیے اور پھر بیرونی دروازے کی طرف بڑھیں، دروازے پر عالیہ کھڑی تھی، جو اپنی تاخیر کے لیے معذرت کر رہی تھی اور جانے کیا کیا بول رہی تھی، وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھیں، دل پر ہاتھ رکھا اور دیوار کا سہارا لیے دھیرے دھیرے زمین پر بیٹھتی چلی گئیں۔

☆.....☆.....☆

اماں کی اس اچانک ہو جانے والی موت پر وہ چکرا کر رہ گیا تھا، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ انھیں اتنا بڑا ہارٹ اٹیک کیسے ہو گیا، وہ کہیں کہیں یہ بات بھی سمجھ رہا تھا کہ حنا کے گھر چھوڑنے اور اس کی خاموشی کی وجہ سے وہ پریشان رہتی تھیں، مگر وہ اتنی کمزور عورت تو کبھی بھی نہیں تھیں، حنا کی ناراضی اور گھر چھوڑ جانے کا قصوروار وہ اماں کو ضرور سمجھ رہا تھا، مگر اس نے سوچا تھا کہ اماں کو نرمی سے سمجھا بجھا کر الگ گھر لے لے گا، مگر وہ خود ہی اسے چھوڑ کر چلی گئی تھیں، ان کے جانے کے بعد وہ خود کو بالکل اکیلا محسوس کرتا تھا، گھر میں داخل ہوتا تو گھر اسے کاٹنے کو دوڑتا، اماں کی وفات کے بعد حنا بھی گھر لوٹ آئی تھی، ایک طرح سے وہ آزاد ہو گئی تھی، وہ گھر میں موجود ہوتا تو گھنٹوں اماں کے کمرے میں رہتا، ان کی چیزوں کو چھوتا، محسوس کرتا اور پھر رو پڑتا، حنا کیا کرتی، کہاں جاتی، وہ جانا ہی نہیں چاہتا تھا، اب تو گھر میں حنا کی امی اور بہنیں، پورا پورا دن بیٹھے نظر آتی تھیں، اسے ہر وقت اماں کی یاد آتی تھی، اس کا سکون لٹ چکا تھا۔

ایک ماہ بعد پلازہ کے گیٹ پر اسے عالیہ نظر آ گئی تھی، اس نے عمر پر نظر پڑتے ہی منہ پھیر لیا، مگر اس نے عالیہ کو آواز دے کر روک لیا۔

"پلیز تھوڑی دیر میری بات سن لو! میں بہت اداس ہوں، اماں کے بغیر میں کچھ نہیں ہوں"۔ وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو مروڑتے ہوئے گویا ہوا، وہ دونوں اندر کی جانب بڑھ رہے تھے، دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

"جانے والی چیز ہمیشہ یاد آتی ہے مگر جب وہ پاس ہوتی ہے تو اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی قدر ہوتی ہے"۔ وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

"ایسی بات نہیں ہے، وہ میرے لیے سب کچھ تھیں"۔ اس نے نفی کی تو اس نے عالیہ والے انداز میں عمر کو دیکھا۔

"سب کچھ تو نہیں تھیں مسٹر عمر! اگر سب کچھ ہوتیں تو آپ اپنی بیگم کے الگ گھر لینے پر راضی کبھی نہ ہوتے"۔ وہ ٹھہر کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تھیں، وہ ہکا بکا ہو گیا، پھر سنبھل کر بولا۔

"اماں کو ہاسپٹل بھی تو تم لے گئی تھیں، اور مجھے پتا چلا کہ سانسیں بند ہونے سے قبل انھوں نے تم سے بات بھی کی تھی، کیا بات کی تھی؟" وہ نظریں چراتا ہوا بولا۔

"انھوں نے آپ کے موبائل میں سے ایس ایم ایس پڑھ لیے تھے، جس میں آپ نے حنا کو الگ گھر لینے کے لیے رضامندی دے دی تھی، ان سے یہ برداشت نہ ہو سکا، آپ جانتے ہو وہ کتنی بہادر تھیں، سب کچھ تو کھو دیا تھا، ان کی سب جمع پونجی آپ تھے، آپ ان سے الگ ہو رہے ہیں، وہ برداشت نہ کر سکیں، اور انھیں ہارٹ اٹیک ہوا، آخری وقت میں انھوں نے مجھے یہی سب بتایا تھا"۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئیں، وہ ایک سال سے زائد عرصہ ان کے ساتھ رہی تھی، ان سے بہت لگاؤ ہو گیا تھا، عمر کو یاد آیا اس روز وہ موبائل فون گھر پر جلدی میں بھول گیا تھا۔

"لیکن.... ام..... اماں! ایس ایم ایس تو نہیں پڑھ سکتی تھیں، انھوں نے کیسے پڑھ لیے..... یہ..... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ بری طرح سے بوکھلا گیا۔

"وہ بہت کچھ سیکھ گئی تھیں، انھیں جوڑ توڑ کر ایس ایم ایس پڑھنا آ گئے تھے، شادی کے بعد آپ نے مجھ سے ان کی پڑھائی کی خبر ہی کب لی تھی، انھوں نے اردو میں خط لکھنا بھی سیکھ لیا تھا"۔ عمر کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

اس سے اتنی بڑی غلطی ہو گئی تھی، وہ اس سب کا خود کو ذمے دار ٹھہرا رہا تھا، اس کا سکون تو پہلے برباد ہو چکا تھا، مگر اب اس کی روح کا قرار بھی لٹ چکا تھا، اور جب روح کا ہی چین و قرار لٹ جاتا ہے تو انسان کہیں کا نہیں رہتا۔

☆.....☆.....☆

حیا بخاری

افسانہ

زندگی

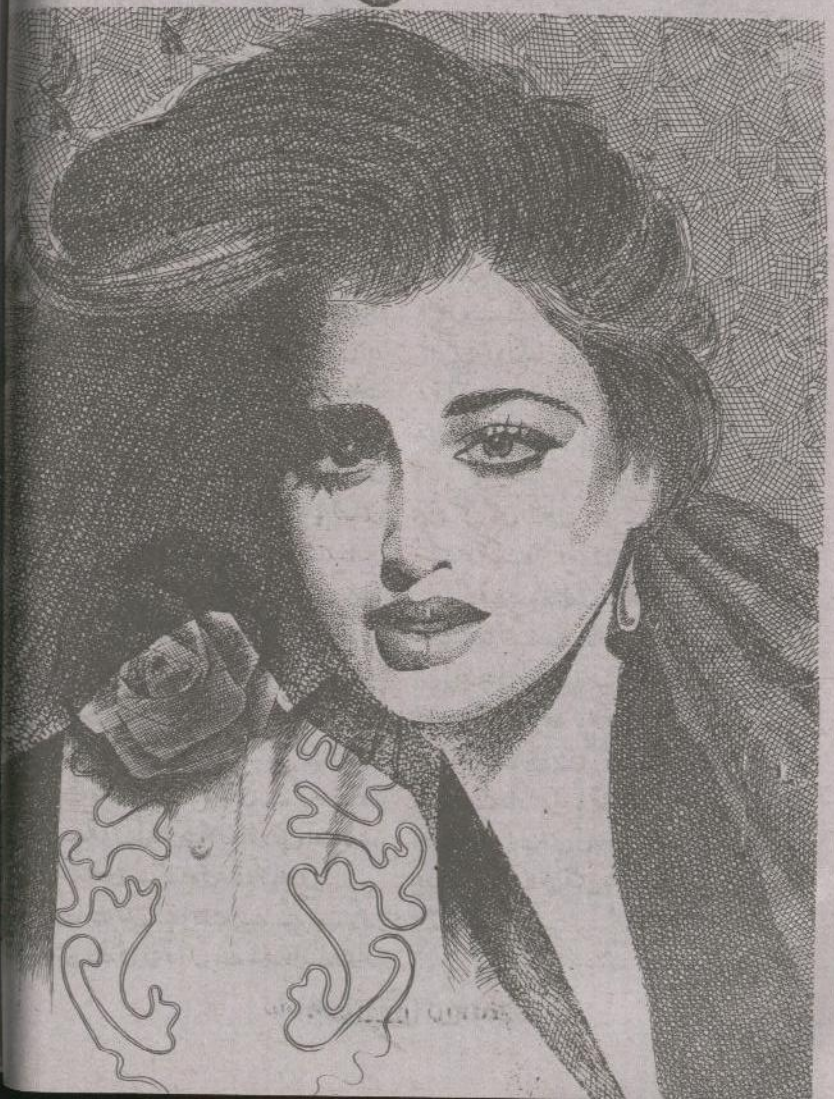

ندا کی بیماری نے ساحل کو نڈھال کر دیا تھا، سارا دن گھر سے اسپتال، اسپتال سے آفس، آفس سے پھر اسپتال اور پھر اسپتال سے گھر کے چکر لگاتے لگاتے جو اس کا حال ہوتا وہ الگ، مگر بجٹ سے بڑھ کر اخراجات نے بھی اس کی کمر توڑ دی تھی۔

ندا ایک سلیقہ شعار اور شوہر کی ہاں میں ہاں ملانے والی بیوی جو اس کے مشکل وقت میں ہمیشہ اس کی ڈھارس بنی تھی، آج مختلف مشینوں میں جکڑا اس کا وجود اس کی روح تک کو زخمی کر دیتا، سارا دن گھر کے کاموں میں مشغول، سلائی کڑھائی اور محلے کے بچوں کو ٹیوشن اور قرآن پاک پڑھا کر وہ گھر کے کئی اخراجات خود ہی پورے کر لیتی اور ساحل کی اچھی خاصی رقم بچا لیتی، تب ہی شادی کے ان چودہ پندرہ برسوں میں کبھی انھیں مالی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا، بچوں کی فیسیں، ان کے دیگر تعلیمی اخراجات، رشتے داروں کا آنا جانا سب ندا کی ذمے داری تھی، جو وہ بہ احسن پوری کر رہی تھی، اس نے نہ کبھی ساحل کو تنگ کیا تھا نہ کبھی اماں کو پریشان۔ پھر نجانے کیسے اس کے خوبصورت، صحت مند وجود کو کسی کی نظر لگ گئی، ایک رات اچانک ہونے والی دل میں تکلیف نے اسے ایسی نیند سلا دیا کہ پھر آج تک دوبارہ جاگ نہ سکی تھی وہ۔ ڈاکٹرز نے کہا کہ وہ کومہ میں چلی گئی ہے۔

''ان کے ذہن کو مناسب آرام نہیں ملا، یہی وجہ ہے کہ تھک کر دماغ اور دل دونوں کے کام میں خلل پیدا ہونے لگا، ہم پر امید ہیں، مگر یہ سچ ہے کہ دعا کی بھی اشد ضرورت ہے''۔ ڈاکٹر نے جو وجہ بتائی، ساحل اس کا چشم دید گواہ تھا، واقعی گھر خوش اسلوبی سے چلاتے چلاتے وہ اپنے آپ کو تو بھول بیٹھی تھی، اور وہ ساحل آفندی بھی تو اتنی لائق فائق بیوی پانے پر ہی بہت خوش ہو گیا، اسے کبھی یہ خیال نہ آیا کہ وہ جو سب کے آرام کے لیے اپنا آرام قربان کر دیتی ہے، اس کے آرام کا خیال رکھنا اس کی بھی تو ذمے داری ہے۔

''ساحل بیٹا! ندا کمزور ہوتی جا رہی ہے، سارا سارا دن کام کرتی ہے اور رات کو بھی دیر سے سوتی ہے، صبح سے پہلے اٹھ جاتی ہے، اس کا خیال رکھا کرو''۔ اماں نے اسے کئی بار تاکید کی۔

''ارے نہیں امی! وہم ہے آپ کا، کمزور ہوتی تو اتنا کام کرتی بھلا؟ وہ تو تھکتی تک نہیں، ورنہ میں تو آفس سے آ کر ہی ڈھے جاتا ہوں، دوبارہ اٹھنے کی جرأت نہیں ہوتی''۔ وہ کئی بار ٹالتا۔

''یہ عورت کی اپنے شوہر، بچے اور گھر سے محبت کی طاقت ہے جو اسے تھکنے نہیں دیتی، مگر یہ بھی حقیقت ہے بیٹا! کہ اسے بھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے، اور پھر تمہارا فرض بھی بنتا ہے کہ اس کا ہاتھ بٹا دیا کرو گھر کے کاموں میں''۔ اماں نے محبت سے سمجھایا۔

''گھر کے کاموں میں؟'' وہ سخت حیران ہوا۔

''ہاں بیٹا! ندا بھی تو تمہاری ذمے داریوں میں تمہارا ہاتھ بٹاتی ہے، تو اگر تم گھر کے ایک دو کاموں میں اس کا ہاتھ بٹاؤ گے تو یہ چیز اسے تحفظ اور خوشی کا احساس دلائے گی، جو اسے مزید توانا اور چاق و چوبند رکھے گی''۔ اماں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کاش، کاش! میں نے اماں کی بات توجہ سے سنی ہوتی اس وقت، کاش! میں بھی تمہارا ہاتھ بٹاتا، تمہارے آرام کا خیال رکھتا، تو آج مجھے اتنی مشکل نہ ہوتی''۔ اس نے سامنے بستر پر لیٹے وجود کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

''ندی، پلیز اٹھ جاؤ، دیکھو یار! تمہارا ساحل پریشان ہے، مجھ سے کچھ نہیں ہوتا یار! کچھ بھی صحیح کرنا مجھے نہیں آتا، جانتی ہو ندی، ان تینوں مہینوں میں، میں نے تنخواہ کے علاوہ کئی بچت سرٹیفکیٹس بھی نکلوا لیے، میں تمہارے بنا گھر نہیں چلا سکتا، مجھے اور بچوں کو، اماں کو گھر کو تمہاری ضرورت ہے ندی''۔ وہ اس کے ہاتھ پر سر رکھے رو دیا، رات دھیرے دھیرے سرکنے لگی۔ ادھر اماں بچوں کو سلا کر ایک بار پھر جائے نماز پر

آ بیٹھیں، اپنی عزیز بہو کی لمبی زندگی کی دعا مانگنے۔

☆.....☆.....☆

"دادو! امی کب ٹھیک ہوں گی؟" دس سالہ شاہ زیب نے کوئی چوتھی بار اپنا سوال دہرایا، تو اماں نے نرمی سے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

"بہت جلد.... انشاء اللہ!" انھوں نے یقین سے کہا۔

"دادو! اگر امی ٹھیک نہ ہوئیں تو کیا ہم کبھی.....!" یہ بارہ سالہ انعم تھی۔

"نہ بیٹا! مایوسی کی باتیں نہیں کرتے، مایوسی کفر ہے، اس کا مطلب تو یہ ہوا ناں کہ ہمیں اپنے پاک پروردگار پر یقین ہی نہیں رہا، نعوذ باللہ"۔ اماں نے اسے بھی محبت سے سمجھایا۔

"پھر ہم کریں تو کیا کریں دادو! اگر اسکول والوں نے ہمارا نام کاٹ دیا تو؟" انعم پریشانی سے بولی۔

"میں پوچھتی ہوں ساحل سے، وہ ضرور پھر بھول گیا ہوگا"۔

"دادو! مجھے بھوک لگی ہے"۔ آٹھ سالہ شاہ زین نے دہائی دی، تو انعم اسے ساتھ لگائے کچن کی طرف چل دی، تب ہی ڈور بیل بجی، اماں نے اٹھ کر خود دروازہ کھولا، ساحل تھا، وہ آتے ہی صوفے پر ڈھے سا گیا۔

"آج جلدی آگئے بیٹا!" اماں پوچھتے ہوئے اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئیں۔

"ہاں اماں! آج اسپتال میں ہی رہا، آفس نہیں گیا، کچھ ضروری ٹیسٹ ہونا تھے ندا کے"۔ ساحل تھکے تھکے انداز میں بتانے لگا۔

"ڈاکٹرز نے کیا کہا؟"

"وہی روزانہ والی باتیں، بس اماں! آپ دعا کرو ندا ٹھیک ہوجائے، مجھے تو لگتا ہے، ڈاکٹر بس تسلیاں ہی دیتے رہیں گے"۔ وہ پریشان لہجے میں بولا۔

"اللہ خیر کرے گا"۔ اماں نے اٹھ کر اسے پانی کردیا، اچانک ہی اس کی نظر کچن میں کھڑی انعم پڑی تھی۔

"انعم! اسکول نہیں گئیں آج؟" وہ فوراً پوچھ بیٹھا۔

"ہاں وہ اسکول والوں نے منع کردیا کہ پچھلے سے ان کی فیس نہیں گئی"۔ اماں نے مجبوراً اسے بتایا۔

"اوہ.... میں تو فیس دینا بھول ہی گیا تھا"۔ شرمندہ ہوا۔

"آپ پیسے دے دیں، اگر آپ کے پاس ہیں تو، میں کل دے آؤں گا ورنہ....!" اماں نے ایک اداس نگاہ اپنے بیٹے کے پریشان چہرے پر ڈالی۔

"تم فکر نہ کرو، میں کل خود دے آؤں گی، تم بس ندا اور آفس کا دھیان کرو"۔ ساحل کے چہرے اطمینان بکھر گیا۔

"یہ ٹھیک ہے، اچھا میں ذرا نہالوں، کچھ طبیعت فریش ہوجائے، آپ انعم سے ایک کپ چائے کا دیں"۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں بنا دیتی ہوں، تم جاؤ فریش ہو کر آؤ" اماں نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆.....☆.....☆

اسے لگا جیسے قیامت برپا ہوگئی تھی، کان کے پردے جیسے پھٹنے کے قریب تھے، کچھ لمحوں تک تو بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

"لیکن.... لیکن کیوں سر؟" وہ بمشکل بول پایا۔ ان کی برانچ کے MD اس کے سامنے بیٹھے تھے، جن کے چہرے پر بکھری سرخی ان کے شدید غصے کا پتہ دے رہی تھی۔

"یہ بھی آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں مسٹر ساحل پچھلے تین ماہ سے آپ ہفتے میں دو، دو چھٹیاں لے

آئے ہیں، اور کئی بار آفس کے ورکنگ آورز میں بھی آپ درمیان سے اٹھ کر گئے ہیں، تو ایسے میں آپ کو ڈسمس نہ کروں تو کیا اپنی سیٹ پر بٹھادوں؟ ہر کام کے اصول وضوابط ہوتے ہیں مسٹر ساحل! اور آپ کے رویے سے تو لگتا ہے جیسے آپ یہاں ایک ورکر نہیں بلکہ اونر ہیں اس فرم کے، میں مانتا ہوں آپ ہمارے سینئر اور قابل ورکرز میں سے ایک ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اس بات کا ناجائز فائدہ اٹھائیں"۔ وہ بے حد برہم ہوئے۔

"میں اس فرم میں سترہ سالوں سے کام کر رہا ہوں سر! اس فرم کی ہر مشکل میں ہم ورکرز نے اس کا ساتھ دیا ہے، چھ چھ ماہ تک ہماری تنخواہ بند ہوتی جب اس چلتا مگر ہم نے کبھی صرف پیسے کی خاطر اسے چھوڑا نہیں، مشکل وقت گزارا اور اس کی ترقی کے لیے کام کرتے رہے"۔ وہ بددلی سے بولا۔

"وہ ٹھیک ہے، مگر فرم نے آپ کا وہ ایک ایک روپیہ ادا کردیا تھا"۔ انھوں نے حساب برابر کیا۔

"میں روپے پیسے کی بات نہیں کر رہا سردار صاحب! میں صرف اصول کی بات کر رہا ہوں، جب اس فرم پر مشکل پڑی تو ہم ورکرز اس کے ساتھ رہے، مگر آج جب غریب ورکر پر مشکل وقت آیا ہے تو آپ کو اصول یاد آگئے ہیں، میری بیوی تین ماہ سے اسپتال میں ہے، میرے بچوں کی فیس جمع نہیں ہوسکی، میں سارا دن گھر، اسپتال اور آفس آتے جاتے تھکن سے چور ہوجاتا ہوں، اس سب کا بھی احساس ہے آپ کو؟" وہ ہانپنے لگا تھا۔

"سوری.... مگر میں....!" اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتے ساحل تیزی سے باہر چلا گیا تھا۔

"اب کیا ہوگا، ندا، بچے اور اماں..... ان سب کو میں کیا بتاؤں گا، سارے خرچ، اخراجات اب کیسے پورے ہوں گے، جب نوکری ہوتے ہوئے وہ بمشکل پورے ہو رہے تھے"۔ سوچ سوچ کر اس کا سر پھٹنے لگا۔

"ہاں ایک حل ہے، میں نہ رہا تو کوئی غم نہ رہے گا، کوئی فکر، کوئی پریشانی نہ رہے گی"۔ اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی تھی، اب اس کے قدم نزدیکی کیمسٹ شاپ کی طرف اٹھنے لگے تھے۔

☆.....☆.....☆

اماں نے اپنے دو خوبصورت جڑاؤ کنگن بیچے تو نہ صرف بچوں کی فیس ادا کردی، بلکہ گھر کے لیے کافی سامان بھی لے آئیں، اس کے باوجود اچھی خاصی رقم بچ گئی تھی، وہ ابھی گھر پہنچی تھیں، اور مکمل طور پر آرام بھی نہیں کر پائی تھیں، کہ کسی نے بہت زور سے دروازہ دھڑ دھڑایا تھا۔

"یا اللہ خیر!" دل پر ہاتھ رکھے وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھیں، ساتھ والے فلیٹ کے احمد صاحب تھے، ان کے چہرے پر پریشانی ہویدا تھی۔

"اماں! جلدی چلیں میرے ساتھ"۔ وہ فوراً بولے۔

"ارے کیا ہوا احمد بیٹا! خیریت تو ہے؟" وہ فوراً دل سنبھالتے ہوئے بولیں۔

"آپ چلیں تو اماں! پھر بتاتا ہوں"۔ وہ تیزی سے اپنا بٹوہ سنبھالتی وہیں سے دروازہ لاک کر کے ان کے ساتھ چل دیں، احمد نے بیوی کو بھی ہدایت کردی کہ ساحل کے بچوں کو اپنے گھر ہی رکھے اماں کے آنے تک اس نے بے فکر رہنے کو کہا۔

"ندا تو خیریت سے ہے؟" اسپتال کے کوریڈور میں قدم رکھتے ہی ان کا دل ہول اٹھا۔

"ہاں ہاں، اماں! آپ آؤ تو"۔ وہ اماں کو ساتھ لیے آگے بڑھا، تب ہی ندا کے ڈاکٹر، ارتضیٰ ان سے ٹکرا گئے، وہ اماں سے بخوبی واقف تھے۔

"اماں جی! آپ.... میں تو صبح سے آپ کے بیٹے کا نمبر ٹرائی کر رہا ہوں، مگر بند جا رہا ہے"۔ انھیں دیکھتے ہی وہ بولے۔

''کیا ہوا بیٹا! اب بتا بھی دو''۔ اماں ہانپنے لگیں تو وہ انھیں ساتھ لیے کرسیوں کی طرف آ گئے اور انھیں سہارا دے کر بٹھا دیا۔

''خوشی کی خبر ہے اماں! آپ کی بہو کو ہوش آ گیا ہے، فی الحال سو رہی ہیں، آپ لوگ شام کو مل سکتے ہیں''۔ اماں دل ہی دل میں سجدہ شکر بجا لائیں۔

''اللہ تجھے لمبی زندگی دے بیٹا!'' انھوں نے دعا دی۔

''نا یہ بات تُو مجھے گھر پر نہیں بتا سکتا تھا، جو اتنا پریشان کیا؟'' ارتضٰی کے جانے کے بعد اماں فوراً احمد پر غصہ ہوئیں۔

''اماں! وہ بات یہ نہیں تھی''۔ وہ سر جھکاتے ہوئے بولا۔

''تو اور کیا بات تھی احمد؟'' اماں عاجز آتے ہوئے بولیں۔ احمد نے ایک اداس سی نظر ان پر ڈالی اور دھیمے لہجے میں کہنے لگا۔

''ساحل نے خودکشی کی کوشش کی ہے، اس کا آپریشن شروع ہے ابھی اماں!'' اماں دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی تھیں۔

☆.....☆.....☆

ساحل کی جان بچا لی گئی تھی، اسے کمرے میں شفٹ کر دیا گیا تھا، اماں مسلسل پڑھتے ہوئے اس پر دم کیے جا رہی تھیں، جب اس کی آنکھ کھلی تو اماں کا مسکراتا چہرہ اس کے سامنے تھا، اس نے شرمندگی سے نظریں جھکا لیں۔

''نظریں مت جھکاؤ ساحل بیٹا! میں نے تمہیں کبھی زندگی سے نظریں چرانا تو نہیں سکھایا تھا، تمہارے باپ کے بعد میں نے تمہیں کتنی مشکل سے بڑا کیا، تم سب جانتے ہو، پھر ندا نے ہر مشکل میں کس طرح ڈٹ کر تمہارے ساتھ مل کر اسے ہرایا، یہ بھی تم پر عیاں ہے، پھر ایسی بزدلی کیوں ساحل؟'' اماں نے اس کے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیریں، اسے سکون آنے لگا۔

''میں تھک گیا تھا اماں! پتہ ہے میری جاب ختم ہو گئی، زندگی گزارنے کا، رزق کا وسیلہ ختم ہو گیا اماں!'' وہ بے آواز رونے لگا۔

''اور صرف اتنی سی وجہ کے لیے تم زندگی جیسی نعمت ہارنے کے لیے تیار ہو گئے، یاد رکھو ساحل بیٹا اللہ ایک در بند کرتا ہے تو سو در کھول دیتا ہے، لیکن پتہ ہے ساحل بیٹا! صرف زندگی ہی ایسی نعمت ہے کہ اگر ایک دفعہ انسان کھو بیٹھے تو دوبارہ نہیں ملتی، تمہیں یہ کرتے ہوئے نہ ہماری سوچ آئی، نہ اس خدا کا خوف، جس نے اس فعل کو حرام قرار دیا، اس کا شکر ادا کرو بیٹا، کہ اس نے تمہیں ایک موقع دیا، یہ ہر کسی کو نہیں ملا کرتا، اور جو گناہ تم سے سرزد ہوا ہے، اس کے لیے اپنے رب سے معافی اور سچے دل سے توبہ کرو، میرا پروردگار پاک ہے اور معاف کرنے والا ہے''۔ اماں نے اسے محبت سے سمجھایا اور اس کے آنسو اپنے دوپٹے سے صاف کیے۔ تب ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور احمد کے ساتھ ساحل کے آفس کے ایم ڈی سردار صاحب بھی اندر چلے آئے۔

''آئی ایم سوری ساحل! میں تم سے اتنا سخت رویہ نہ اپناتا اور تمہاری مشکلات سمجھتا تو شاید آج.... لیکن خیر میں تمہیں صرف یہ بتانے آیا تھا کہ تم جب چاہو اپنی سیٹ پر واپس آ سکتے ہو، وہ سیٹ صرف تمہاری ہے''۔ ساحل کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

''دیکھا بیٹا! اللہ کتنا مسبب الاسباب ہے اور ہاں اب تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ کیونکہ ندا کو ہوش آ گیا ہے، اور وہ تمہاری منتظر ہے''۔ اماں کی بات سنتے ہی ساحل نے اطمینان سے آنکھیں موند لی تھیں، اور دل ہی دل میں اللہ سے بیک وقت توبہ اور شکر کرنے لگا تھا، کہ اس نے اسے ''زندگی'' جیسی نعمت دوبارہ بخش دی تھی۔

☆.....☆.....☆

شازیہ مصطفیٰ عمران

قسط نمبر 8

سلسلے وار ناول

تجھ سے مانگوں میں تجھ کو

حسنیٰ کو شہریار کی کٹیلی باتیں چیر کے رکھ گئی تھیں، رفعت نے اسے یوں خاموش دیکھا تو پریشان ہو گئیں۔

"کیا بات ہے اتنی چپ کیوں ہو؟"

"مما! میں آپ سے ایک بات بولوں؟" وہ روہانسے لہجے میں ان سے گویا ہوئی۔

"ہاں بولو میری جان!" ان کا لب ولہجہ شہد جیسا ہو جاتا تھا۔

"جناب مجھ سے تین سال چھوٹی ہے اس کی شادی ہو رہی ہے میری اب تک کیوں نہیں ہوئی؟"

"ہیں.... یہ تم ایسا کب سے سوچنے لگیں؟" رفعت تو حیرت وانبساط سے گویا ہوئیں۔

"مما! بتائیے تو کیا ابھی تک میرے لیے کوئی پرپوزل نہیں آیا؟" وہ بچوں کی طرح ضد کرنے لگی۔

"حسنیٰ! تم ہمارے لیے بوجھ نہیں ہو، جو میں تمہیں ایسے ہی ہاتھ پکڑ کے نکال دوں"۔ وہ نگاہیں چراتے ہوئے گویا ہوئیں، حسنیٰ انھیں بڑی جانچتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"میں تمہاری اچھے بڑے حیثیت والے گھرانے میں شادی کروں گی، جہاں تمہیں چٹنیاں سل پر نہیں پیسنی پڑیں گی"۔ وہ اور اس کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچا دیتی تھیں۔

"اتنی خوبصورت موم کی گڑیا جیسی تو میری بچی ہے، اسے ایسے ہی کسی راہ چلتے سے تو بیاہنے سے رہی"۔

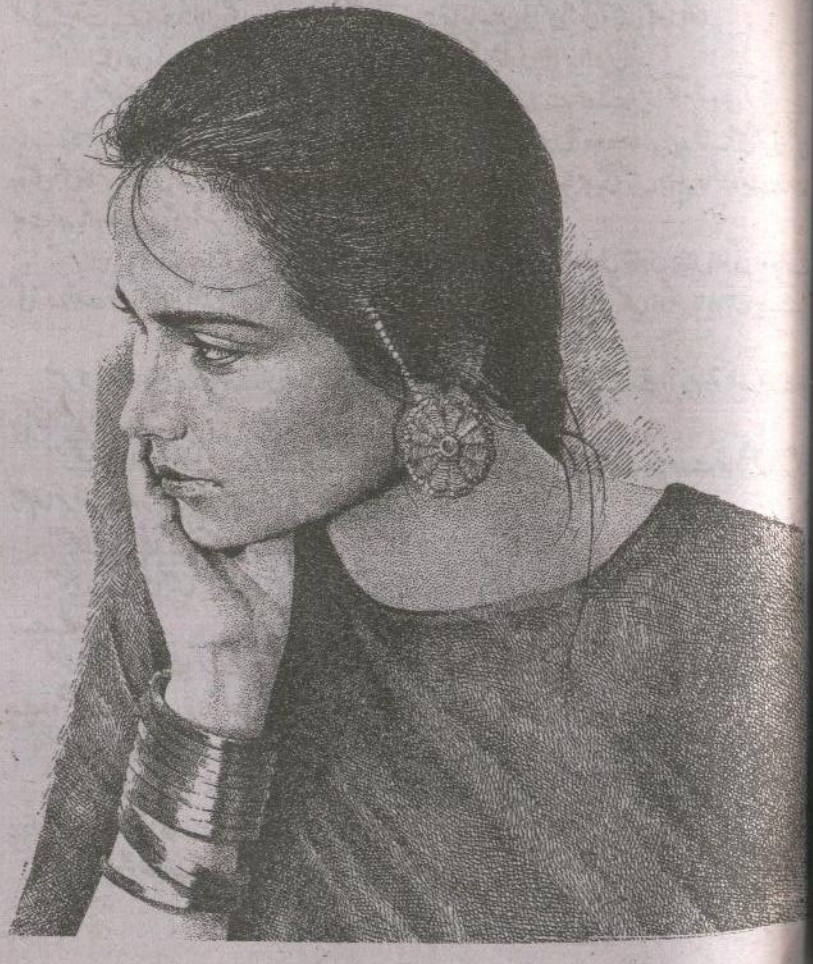

رفعت نے کھلا واضح طنز حباب پر ہی کیا۔

"پلیز مما! آپ حباب کو کچھ نہیں کہیے وہ بہت اچھی ہے اور کون سا اس شادی سے خوش ہے"۔ حسنیٰ اس کی ساری باتیں سن کے جو آئی تھی، مگر شہریار کی باتیں بھی اس کے دل پر لگ گئی تھیں، خاندان والوں کو جانتی تھی جو میں حسین بیگم ہی سب میں ڈھنڈورا پیٹتی تھیں اس کی شادی نہ ہونے پر وہ بھی امی سے باتیں بناتیں۔

"میں تو ایک بات کہہ رہی ہوں"۔ وہ خفیف سی ہو گئیں۔

"اچھا چلو اٹھو، کچھ کھا پی لو"۔ انھوں نے اس کے سلکی دراز بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"کیا بات ہے سعدیہ وغیرہ یوں اچانک سے کیسے جانے لگیں؟"

"امی کی باتیں ہی ایسی ہیں، وہ بے زار ہو گئی ہیں"۔ اس نے بتایا۔

"فراج کے ساتھ گھومنے بھی بہت جانے لگی تھی، بھابی نے خود کئی دفعہ دونوں کی خبر لی ہے"۔

"مما! سعدیہ کو فراج بھائی زبردستی لے کے جاتے ہیں، پتہ نہیں یہ ایسے کیوں ہیں"۔ حسنیٰ اپنے بھائی کی فلرٹی طبیعت سے بہت نالاں تھی، ہر لڑکی کے پیچھے لگ جاتا تھا خاندان کی کسی لڑکی کو نہیں چھوڑا تھا۔

"اگر ایسی کوئی بات ہے تو بھابی کو چاہیے فراج کی اور سعدیہ کی شادی ہی کروا دیں"۔

"ایسا ممکن نہیں ہے کیونکہ امی کو سعدیہ پھوہڑ لگتی ہے، پتہ نہیں کہاں سے مجھ سے اچھا کام تو وہی کرتی ہے سارے کام آتے ہیں، مجھے کیا آتا ہے زبردستی امی کروا لیتی ہیں تو کر لیتی ہوں"۔ وہ سعدیہ پر رشک بھی کرتی تھی وہ کسی بھی کام سے دل نہیں چراتی تھی، نسرین کتنے اس سے ڈانٹ ڈپٹ کے کام لیتی تھیں، جبکہ عائزہ نہایت پھٹ اور کچھ بدتمیز بھی تھی، نسرین اس کے منہ ہی نہیں لگتی تھیں۔

"تم ان کے معاملات میں بالکل نہیں پڑنا اور الٹا سیدھا سوچو بھی نہیں، تمہاری شادی جہاں ہو گی ہو جائے گی"۔ رفعت تو چاہتی ہی نہیں تھیں، اس کی شادی ایسی جگہ ہو وہ ایسا رشتہ تلاش کر رہی تھیں جو گھر داماد بن جائے۔

☆.....☆.....☆

ضمران کی دادی نے تو خوب ہی فساد اٹھایا تھا اور عتیق بھی رضوانہ پر برسنے آ گئے تھے، آدم کو تو غصہ آ رہا تھا، ضمران نے اسے قابو کیا ہوا تھا۔

"تجھے خاندان کی لڑکی سے کرتے ہوئے کیا ہو رہا تھا؟" عتیق کا لب و لہجہ نہایت بدصورت تھا، شکل پر زعم تھا مگر فطرت اور لہجہ بالکل اچھا نہیں تھا۔

"بچوں کی خوشی بھی دیکھی جاتی ہے"۔ رضوانہ نے آواز کو مضبوط بنا کے کہا۔

"بچوں کی خوشی نہیں تمہیں اپنی خوشی چاہیے تھی، بچوں کے دماغوں میں تو فتور تو نے ہی بھرا ہے"۔ عتیق رہے تھے۔

"خدارا! آواز کو نیچا کر کے بولیے، جوان اولاد گھر میں موجود ہے"۔ رضوانہ کی آواز کانپ رہی تھی، شرمندگی سے وہ عتیق کی جھڑکیاں ہی تو کھاتی آ رہی تھیں۔

"امی کو کتنا دکھ ہوا ہے اور راشدہ کتنا آس لگائے ہوئے تھی"۔

"اس وقت آپ کی اماں، بہن کہاں گئی تھیں جب ہم بھوکے بیٹھے ان کی آس لگائے بیٹھے تھے"۔ آدم برداشت نہیں ہوا تو اندر سے نکل آیا۔

"ابو! خواہ مخواہ آپ فساد نہیں پھیلائیے"۔

"ہاں بیٹا! یہی کمی رہ گئی، باپ پر چڑھ جاؤ"۔ عتیق نے آنکھیں نکال کے اسے دیکھا۔

"میں آپ پر چڑھ نہیں رہا، آپ انصاف کی بات تو کریں، ہمیشہ اپنے بارے میں سوچا"۔ آدم دکھ و افسردگی سے بولا۔

"میں نے کہہ دیا ہے میں اس شادی میں بالکل نہیں بیٹھوں گا"۔ وہ تیز لہجے میں چیخے۔ رضوانہ نے آدم کو آنکھوں کے اشارے سے اندر جانے کو کہا، وہ گھر میں شور شرابا بالکل نہیں چاہتی تھیں۔

"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی"۔

"کیا.... یعنی میرے شرکت نہ کرنے پر تمہیں کچھ نہیں ہو گا"۔ وہ حیرانگی سے بولے۔

"ظاہر ہے جب آپ کو نہیں پسند تو نہیں کیجیے گا شرکت"۔

"اونہہ.... تم ماں بیٹوں کو زیادہ ہی اکڑ آ گئی ہے"۔ وہ ایک دم ہی کچھ ڈھیلے سے پڑ گئے۔

"ابو! اگر آپ آئیں گے تو ہمیں بہت خوشی ہو گی، آپ ہم لوگوں کے متعلق منفی سوچنا چھوڑ دیں، آپ ادھر ہی آ کر رہیے، ہمیں بھی اچھا نہیں لگتا آپ کے جوان بیٹے موجود ہیں اور آپ بہن کے گھر رہ رہے ہیں"۔ ضمران نے آہستگی سے نرم آواز میں کہا۔

"ہاں یہاں آ کر رہنے لگوں تا کہ تم سب لوگ مجھے طعنے مارتے رہو کہ میں نے تمہارے لیے کبھی کچھ نہیں کیا"۔ عتیق کو یہ بھی ان کی بہن راشدہ نے کہا تھا، جب عتیق نے گھر جانے کا کہا۔

"ایسا کچھ نہیں، آپ خود سے بات اخذ کر رہے ہیں"۔

"رہنے دو تمہاری ماں مجھ سے بدلے ہی لے گی، کیونکہ اسے ساری زندگی مجھ سے شکایت ہی رہی ہے، میری اس گھر میں کوئی عزت بھی نہیں ہو گی"۔ رضوانہ نے تاسف سے لب بھینچے، عتیق کو ان کی ماں اور بہن ہی چڑھاتی رہتی تھیں، وہ مزید ان کے آگے کیا کہتیں۔

"ابو! اچھا نہیں لگتا ہے آپ پھپھو کے گھر رہتے ہیں"۔

"وہاں رہتا ہوں تو سکون سے رہتا ہوں"۔ وہ جانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔

"میں اس شادی میں بالکل نہیں بیٹھوں گا، دیکھتا ہوں کیسے ہوتی ہے شادی"۔ وہ ہاتھ اٹھا کر بولتے ہوئے چلے گئے تھے، ضمران اور رضوانہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔

☆.....☆.....☆

وہ تیار ہو کر گنگناتا ہوا نیچے آیا، بلیک پینٹ اور اسکائی بلیو شرٹ میں نفاست سے سنورے بال، خاصا سمارٹ لگ رہا تھا، نزہت کی تو کوشش تھی ان کی چھوٹی بہن سے ہو جائے اور وہ بھی تو آس لگائے ہوئے تھیں۔

"آج بڑی جلدی اٹھ گئے"۔ مرتضیٰ علی نے اس کی تیاری دیکھی، بہت دن بعد وہ اپنے اسٹائل میں واپس آیا تھا۔

"آج سے آفس جا رہا ہوں، کچھ انٹرویوز ہیں، نیو اسٹاف اپائنٹ کر رہا ہوں"۔ نزہت نے ناشتہ ریڈی کر کے آگے کیا، وہ اسے مسکہ پالش کرتی رہتی تھیں، جبکہ ہاشم کا مزاج ایسا نہیں تھا، وہ ہر ایک کی نیچر کو خوب سمجھتا تھا کہ کون کیا چاہتا ہے۔

"کیوں پرانے کو نکال دیا؟" مرتضیٰ علی نے استفہامیہ انداز میں تنقیدی پوچھا۔

"ان کی کارکردگی کچھ ٹھیک نہیں تھی، کچھ میں نے ان کی ایسی باتیں پکڑی ہیں جو کمپنی کو نقصان پہنچا رہی

تھیں"۔اس نے تفصیلی بتایا۔

"تم نے خوشی کو بھی لانے کا سوچا؟"

"آپ صبح صبح میرا موڈ خراب نہیں کیا کریں"۔وہ منہ بگاڑ کے ناگواری سے بولا،نزہت اس وقت سسر کے سامنے خاموش تھیں،اتنے میں مرتضیٰ علی بھی آ گئے،فاران اور میران بھی آ گئے،عفان،ماہ رخ اور دشمہ صبح کو اسکول کالج کے لیے نکل جاتے تھے۔

"اوہو.....آج تو آپ نظر آ رہے ہیں"۔فاران نے اسے یوں بہت دن بعد ناشتے کی ٹیبل پر دیکھا۔

"روز ہی نظر آؤں گا"۔وہ جھینپ کے مسکرایا۔

"اور سناؤ تمہارا آفس بند ہے یا کھل گیا؟"

"وہیں جا رہا ہوں،ٹائم ملے تو آ جانا"۔فاران کو وہ آفر کر کے چلا گیا،فاران اس سے تین سال چھوٹا تھا،مرتضیٰ علی کی لاڈلی اکلوتی بیٹی زیبا کا بیٹا تھا،کتنے چاؤ سے انھوں نے اس کی شادی کی تھی،زیبا کو وہاں سسرال میں بہت پیار ملا تھا،مگر یہ بہار ان کی چار سال کی تھی،ہیثم کی پیدائش پر وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئی تھیں،شوہر بھی چند سال بعد کسی بیماری میں مبتلا ہو کر چل بسے تھے،سسرال میں ان کے جیٹھ کے علاوہ کوئی نہیں تھا،وہ بھی امریکا میں سیٹل تھے،ساس سسر آگے پیچھے جلدی گزر گئے تھے،اس طرح چھ سال کا ہیثم،مرتضیٰ علی کے پاس آ گیا،ہیثم کے والد وقاص کی خاصی جائیداد تھی،ہیثم نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد بزنس شروع کیا تھا،اور وہ اسی پر ہی توجہ دے رہا تھا کہ مرتضیٰ علی نے اپنے ایمپلائی کی بیٹی سے اس کی شادی کروا دی تھی۔

"ہوں.....دیکھ لو،ٹائم ملے تو آ جانا"۔چائے کا آخری سپ لیا اور اٹھ گیا۔

"ہیثم بھائی!مجھے یونیورسٹی تک چھوڑ دیجیے گا"۔میران کھڑا ہو گیا۔

"آ جاؤ!"وہ تیزی سے نکل گیا۔

"ابا جی!ہیثم کو بولیں خوشی کو لے آئے"۔ارتضیٰ علی گویا ہوئے۔

"نہیں لا رہا تو زبردستی تو نہیں ہے"۔نزہت ترخ کے بولیں۔

"تم چپ رہو،میں بات ابا جی سے کر رہا ہوں"۔انھوں نے اپنی بیوی کو ڈانٹ دیا وہ کلس کے ہی رہ گئیں،مرتضیٰ علی نے خاصی ناگواری سے انھیں گھورا اور چیئر کھسکا کے اٹھ گئے۔

☆.....☆.....☆

حباب کی شادی کی تیاریاں شہریار کروا رہا تھا،مستقل اسے اپنے گھر میں رکھا ہوا تھا،بینا سے بھی شہریار کی نوک جھونک ہوتی رہتی تھی۔

"بینا باجی!کبھی تو سادگی بھی اپنا لیا کریں،ساس بننے جا رہی ہیں"۔شہریار نے انھیں ٹوکا جو بلیک ریڈ کنٹراسٹ سوٹ میں میک اپ سے مزین تھیں،وہ سب گھر والے ضمران کا منہ میٹھا کروانے جا رہے تھے کیونکہ شہریار کے آنے پر یہ رسم رکھی تھی،شادی تو تین ماہ میں ہو ہی جانی تھی۔

"تم ہر وقت مجھے ہی کیوں دیکھتے رہتے ہو؟"وہ چڑ کے گویا ہوئیں۔

"اگر اتنا کچھ کرنا چھوڑ دیں گی تو دیکھنا بھی چھوڑ دوں گا،کیا ہو گیا ہے آپ میری بڑی بہن ہیں،لوگ الٹی سیدھی باتیں بناتے ہیں"۔وہ انھیں سمجھانے لگا۔

"یہ دنیا تو ہے ہی ایسی،ہنسنے کے لیے آ جاتی ہے کبھی غم میں آتی ہے؟"انھیں اپنا دکھڑا یاد آیا،جب محسن

ان کی طلاق ہوئی تھی،جب بھی لوگوں نے بہت باتیں بنائی تھیں۔

"ارے شہریار!کب تک چلنا ہے،دیر دیکھو کتنی ہو گئی ہے"۔حسین بیگم بھی اپنا موٹا سا سونے کا ہار پہن کے تیار ہو گئی تھیں،شہریار تو اچھل ہی پڑا۔

"اماں!کیا ہو گیا ہے،یہ سونے کا ہار پہننے کی کیا ضرورت ہے،ڈاکے کم پڑ رہے ہیں؟"

"چل ہٹ....اب ہمارے پاس سونا ہے تو پہنیں بھی نہیں؟"انھوں نے اپنا سیفون جارجٹ کا کاسنی دوپٹہ سر پر جمایا،آنکھوں میں ان کے موٹا موٹا کاجل ہمیشہ ہی موجود ہوتا تھا۔

"پتہ نہیں اماں!آپ کیوں اب تک نہیں بدلیں"۔وہ کھسیا ہی گیا۔

"چل زیادہ بک بک نہیں کر"۔انھوں نے کہا۔

"ساری پابندیاں اپنی بیوی پر لگانا"۔بینا کو بھی موقع مل گیا اسے سنانے کا۔

"بیوی کو ایسا ٹائٹ رکھوں گا،میری آنکھ کے اشارے پر چلے گی"۔

"بس،بس رہنے دو،سارے مرد جب شادی نہیں ہوتی ہے،ایسے ہی کہتے ہیں،تم بھی اپنی بیوی کے آگے پیچھے پھرو گے"۔

"ہر کوئی محسن جیسا نہیں ہوتا"۔انھوں نے تاک کے طنز کیا۔

"اماں!اسے دیکھ رہی ہیں،کیسے مجھ پر طنز کر رہا ہے"۔وہ تو روہانسی ہو گئیں۔

"پتہ نہیں،آپ سب کب سدھریں گی"۔وہ بڑبڑاتا ہوا نکل گیا۔آٹھ بجے وہ لوگ رضوانہ کے گھر پہنچے،ان کے گھر جنریٹر تھا،اس لیے لائٹ کا مسئلہ نہیں ہوا۔رضوانہ نے اور ان کے بیٹوں نے ان سب کا خاصا پرتپاک استقبال کیا تھا،ان کی سسرال سے کوئی نہیں تھا،ضمران کو شہریار نے گلے لگا کے مبارکباد دی تھی۔

"یار!تم میرے داماد بننے جا رہے ہو،اور ہاں آج سے میرا ادب کیا کرنا،کیونکہ سسر بھی تو لگتا ہوں رشتے میں"۔شہریار نے تضحیک آمیز لہجے میں مسکرا کے اسے چھیڑا،وہ ہنسنے لگا تھا۔

"ایک بات پوچھوں،شادی کے بعد آپ دونوں کی دوستی ایسی ہی رہے گی یا سسر داماد والی ہو گی؟"مزمل نے مسکرا کے پوچھا۔سب ہی قہقہہ لگا کے رہ گئے،ضمران کے لیے کپڑے،پرفیوم اور دیگر تحائف لے کر وہ سب آئے تھے۔

"رضوانہ!آپ نے اپنی سسرال سے کسی کو نہیں بلایا؟"حسین بیگم نے پوچھا۔

"وہ....بس کیا بتاؤں"۔وہ پہلو بدل کر رہ گئیں۔

"امی!آنٹی سے آپ کچھ بھی نہیں چھپائیے،سب واضح کر دیں"۔آدم نے لب کشائی کی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے ضمران نے نیٹ پر مجھے سب بتا دیا تھا،اور آنٹی!میں آپ سب کے رشتے داروں سے بھی واقف ہوں"۔شہریار نے انھیں شرمندہ ہونے سے بچا لیا،بینا نے ضمران کو پیسوں کا لفافہ دیا،جو اس نے مودب انداز میں لیا،انھیں بہت عجیب بھی لگ رہا تھا،ایک دو بار وہ ضمران کی طرف بھی توجہ ہوئی تھیں۔

"ضمران!تم بینا باجی کو امی کہنا،کیونکہ حباب کی امی تمہاری امی"۔

"شہریار!کبھی تو مجھے کہیں بخش دیا کرو"۔وہ اسے گھورنے لگیں،نازیہ کی دبی دبی ہنسی نکلی،مگر فوراً ہی قابو بھی پا لیا،اگر بینا دیکھ لیتیں تو وہ تو خواہ مخواہ تنک ہی جاتیں۔

"ارومہ بھی آتی وہ حباب کے پاس رک گئی ہے"۔

"اماں! شہریار کو دیکھیے کیسے دادا ابا بنا خود ہی سوال اور جواب کر رہا ہے، ہم تو جیسے کچھ ہیں ہی نہیں"۔ بینا نے حسین بیگم کے کان میں سرگوشی میں کہا۔

"تم یہاں تو چپ رہو"۔ اکرام نے اسے ٹوکا، شادی کے سارے معاملات آج ہی نمٹا لیے گئے تھے، حق مہر کتنا رکھنا ہے، بارات کب تک آئے گی، کتنے افراد ہوں گے، شہریار دونوں طرف سے ہی پیش پیش تھا۔

☆.....☆.....☆

حباب کی ساری تیاری حسین بیگم خود کر رہی تھیں، انھیں بینا کی عادت کا پتہ تھا، اپنی تیاریوں پر زیادہ توجہ دیتیں تاکہ پوری محفل میں سب انھیں خوبصورت اور کم عمر کہیں۔

"ارے! آپ تو اپنی بیٹیوں کی بہن لگتی ہیں"۔ کتنی خوش ہوتی تھیں جب کوئی انھیں یہ کہتا، حسین بیگم کو ہر وقت کی ایسی باتیں پسند نہیں تھیں، جبکہ حسین بیگم نے بھی جوانی میں کم ستم نہیں ڈھائے تھے، بینا بالکل ان کے اوپر ہی گئی تھیں۔

"شہریار ماموں! آپ اپنا سیل دیں گے، مجھے کال کرنی ہے"۔ پنک پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس بہت سادہ اور پروقار لگ رہی تھی وہ اپنی عمر سے زیادہ ہی سنجیدہ اور بڑی لگتی تھی، جبکہ چھوٹی سے چھوٹی ہر چیز سے ڈرنے والی بھی تھی۔

"کیوں میری گڑیا کو ایسی کیا ضرورت آن پڑی، کہیں ضمران کو تو کال نہیں کرنی؟" اس نے معنی خیزی سے کہہ کر اسے مسکراتے لہجے میں چھیڑا۔

"ہر وقت یہ مذاق نہیں کیا کریں"۔ وہ چڑنے ہی لگی تھی، ایک تو یوں اچانک بے وقت کی شادی.... وہ ذرا بھی اندر سے خوش نہیں تھی، اور ضمران سے نفرت سی ہونے لگی تھی، جو اس سے اکثر ٹکراتا ہی رہتا تھا، اسے کیا خبر تھی اس کی زندگی ساری زندگی کے لیے اس سے ہی ٹکرائے گی۔

"تو اس میں مذاق کی کیا بات ہے، تم نے آج تک کبھی کسی کو کال تو کی نہیں ہوگی، اس کا مجھے اچھی طرح اندازہ ہے"۔ شہریار نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھا۔

"یہ آپ ایسے کیسے کہہ سکتے ہیں، میں نے آج تک کبھی کسی کو کال نہیں کی؟" وہ حیرانگی سے پوچھنے لگی۔

"وہ ایسے کہ تم نے آج تک میرا سیل کبھی مانگا بھی تو نہیں"۔

"کیا پتہ کسی اور کے سیل سے کر چکی ہوں"۔ وہ خود ہی اسے الجھانے لگی۔

"تم ایسی ہو ہی نہیں"۔ اس نے حباب کی ناک پکڑی۔

"لو سیل.... کرو کسے کال کرنی ہے"۔

"مجھے حسنیٰ آنٹی کو کال کرنی ہے، وہ تو آتی ہی نہیں ہیں"۔ سیل اٹھایا۔

"تمہیں وہی فضول لڑکی ہی کیوں یاد رہتی ہے؟" شہریار نے اسے نمبر پریس کرتے دیکھا۔

"آپ کے پاس حسنیٰ آنٹی کا نمبر نہیں ہے؟" پوری فون بک چیک کرنے کے بعد حیرانگی سے پوچھنے لگی۔

"میں کام کے لوگوں کے نمبر اپنے پاس رکھتا ہوں سمجھیں؟" اس نے برا سا منہ بنا کے کہا۔

"آپ حسنیٰ آنٹی سے اتنا بھی خائف نہیں رہا کریں"۔

"بس، بس یہ حسنیٰ نامہ بند کرو، تمہیں کال کرنی ہے تو کرو"۔ وہ ذرا تیز لہجے میں بولا۔

"شہریار ماموں! آپ دونوں ہی ایک سے مزاج کے ہیں، لیکن مجھے یہ حیرانگی ہے حسنیٰ آنٹی نے آپ کے پرپوزل سے انکار کیوں کر دیا؟"

"تمہارا ماموں اس کے لیے مرا نہیں جا رہا"۔ شہریار نے منہ دوسری طرف کر کے کہا، جبکہ وہ حسنیٰ کی تمام تر بدتمیزیوں کے باوجود اسے سوچنے لگا تھا، یا پھر اسے بھی ضد سوار ہو گئی تھی، اس لڑکی کو وہ چھوڑ نہیں سکتا، اسے جھکا کے رہے گا۔

"ہاں مجھے پتہ ہے"۔ وہ ہلکی سی استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی، کال وہ ملا چکی تھی، شہریار وہیں اس کے ساتھ ہی بیٹھا رہا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! کیسی ہو؟" حسنیٰ کی خوبصورت سی متورم سی آواز اسپیکر سے آ رہی تھی، حباب نے اسپیکر آن جو کیا ہوا تھا، شہریار بھی سن رہا تھا۔

"کیا بات ہے، کتنے دن ہو گئے ہیں آپ آئی ہی نہیں؟"

"میرا دل چاہتا ہے آنے کا، مگر وہ تمہارے چہیتے ماموں نے اس دن کیسی میری بے عزتی کی ہے"۔ وہ افسوس بھرے لہجے میں ذرا غصے سے بول رہی تھی۔

"ارے آپ شہریار ماموں کی عادت جانتی ہیں، پھر بھی ان کی باتوں کا برا منا رہی ہیں"۔ حباب نے اسے سمجھانا چاہا۔

"مجھے نہیں پتہ، یہ بتائیے کب آ رہی ہیں؟"

"تم ممانی جان کے گھر ہو، اپنے گھر ہوتیں تو میں آ جاتی"۔

"کیوں یہاں تمہیں کس کا ڈر ہے؟" شہریار سے برداشت نہیں ہوا تو وہ بول پڑا۔

"یہ.... یہ حباب! تم کس کے سیل سے بات کر رہی ہو؟"

"زیادہ بنو مت، یہ میرے سیل سے بات کر رہی ہے"۔ شہریار پھر شروع ہو گیا۔

"آپ ضرورت سے زیادہ بد دماغ اور بدتمیز ہیں"۔ حسنیٰ کے تو پتنگے ہی لگ گئے۔

"ایسا ہی میرا بھی خیال تمہارے بارے میں ہے، پتہ نہیں کس بات کا گھمنڈ ہے"۔ وہ تو شروع ہو گیا تھا، اسے سنانے۔ حباب نے سر ہی پیٹ لیا، اس کے ہاتھ سے سیل لے کے خود بات کرنے لگی۔

"حسنیٰ آنٹی! آپ ناراض نہیں ہوں"۔

"حباب! اپنے ان ماموں کو سمجھا لو، اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں، صاف پتہ چلتا ہے میں نے ان کے پرپوزل سے انکار کر دیا ہے، تو احساس محرومی بولتا ہے"۔ شہریار نے پھر اسپیکر آن کر دیا تھا، اس کی باتیں سن لی تھیں۔

"بہت سمجھدار اور عقل مند ہو، ٹھیک سمجھی ہو"۔ وہ تو طنز کرنے لگا۔

"بند کریں، مجھے آپ کے منہ نہیں لگنا"۔

"تمہیں لگا بھی کون رہا ہے"۔ وہ دانت پیسنے لگا۔

"زیادہ خاص بن کے اپنی اہمیت جتانا بند کرو، تم ہو کیا، پھوہڑ اور بے وقوف لڑکی ہو، تمہیں کوئی لینے آئے گا بھی نہیں، ساری عمر ایسے ہی بیٹھی رہو گی، تمہاری خوبصورتی کا کسی نے کیا اچار ڈالنا ہے؟" اس نے اچھی طرح سنا کے کال کٹ کر دی۔

''شہریار ماموں! آپ نے یہ کیا کردیا''۔ وہ تو پریشان ہوگئی۔
''زیادہ تمہیں پریشان ہونے کی اور اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بے کار لوگوں کو یاد بھی نہیں کیا کرو''۔ وہ تو بہت برہم ہو رہا تھا، جب بھی سوچتا اس کے تو آگ ہی لگ جاتی تھی۔
''آپ نے تو انھیں اور ناراض کردیا''۔ وہ خفگی سے گویا ہوئی۔
''تمہیں اس کی ناراضی کی پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اپنے اور ضمران کے بارے میں سوچو''۔ اس نے سیل اپنے پاکٹ میں رکھا۔
''آپ دونوں پتہ نہیں کیوں اتنا ایک دوسرے سے ناراض اور غصہ رہتے ہیں''۔
''حباب بیٹا! کیا بات ہے، تم اس بات کو اتنا سیریس کیوں لیتی ہو؟ وہ بے وقوف لڑکی اسے میں ایک منٹ میں ٹھیک کرسکتا ہوں، مگر میں لحاظ کرتا ہوں''۔ وہ حباب کو ریلیکس کرنے لگا، جبکہ حباب کا ذہن تو بہت کچھ سوچ رہا تھا جو شہریار ابھی نہیں جانتا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ آ تو گئی تھی، مگر خود کو بہت اکڑ اور غصے میں رکھا ہوا تھا، وہ تو اشعر کے بہت زیادہ اصرار کرنے پر وہ تیار ہوئی، اسے کچھ نخرے بھی تو دکھانے تھے، اگر وہ فوراً تیار ہوجاتی تو ہیثم پر اپنی اہمیت کیسے جتاتی؟
''آپ کو آج صرف کام سمجھنا ہوگا''۔ وہ چہرے پر سنجیدگی اور رعب رکھ کر اس سے مخاطب تھا، خوشنما کو اس دن کی ملاقات بھولی تو نہیں تھی، کتنا غصے میں اسے زبردستی گاڑی میں بٹھا کر گھر کے راستے پر چھوڑا تھا۔
''مجھے خود سے کیسے سمجھنا ہوگا؟'' وہ چڑ گئی۔
''محترمہ! کچھ عقل نام کی چیز بھی ہوتی ہے''۔ وہ ناگواری اور بے زاری سے گویا ہوا۔
''کتنا سڑیل مزاج ہے یہ شخص''۔ وہ سوچنے لگی، وہ آگے آگے چل رہا تھا، اور وہ پیچھے پیچھے چل رہی تھی، منہ ہی منہ میں بڑبڑا بھی رہی تھی۔
''جو کچھ بھی بولنا ہو، زور سے بولا کریں، یہ بڑبڑایا نہیں کریں''۔ اس نے رک کر خوشنما کو تیز لہجے میں کہا، وہ سٹپٹا گئی، اگر بروقت خود کو کنٹرول نہیں کرتی ضرور اس سے ٹکرا جاتی۔
''جی ایسی تو کوئی بات نہیں ہے''۔ وہ خفیف سی ہوگئی۔
''یہ آپ کا کیبن ہے، ادھر بیٹھ کر آپ ساری فائلز چیک کر کے مجھ تک لائیے گا، جو بھی ٹیک کے سیمپل ہوں ان کی اپروول ضرور اوپر رکھنی ہے''۔ وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر اسے جتا رہا تھا۔
''مجھے یہاں کتنے دن کام کرنا ہوگا؟'' خوشنما کو اس کا اکھڑ اور روکھا انداز پتنگے لگا رہا تھا، پہلی رات کی طرح ہی اس کا لب ولہجہ اور رویہ لگ رہا تھا۔
''جب تک ہمارے ایمپلائی کا بندوبست نہیں ہوجاتا، جب تک آپ کو کام کرنا ہوگا''۔
''اگر مجھے یہاں کا ماحول اور کام پسند نہیں آیا تو میں چھوڑ دوں گی''۔ اس نے بھی اپنی اہمیت جتائی۔
''سوری آپ ایگریمنٹ لیٹر پر سائن کرچکی ہیں''۔
''میں نے تو نہیں کیا''۔ خوشنما اچھل گئی۔
''ابھی کچھ دیر پہلے جو لیٹر تھا وہ وہی تھا''۔ اس نے حواس باختہ چہرہ خوشنما کا دیکھا، جانے کیوں اسے یہ آواز اس آواز سے کیوں ملتی لگتی تھی۔

''آپ کو بتانا چاہیے تھا''۔ وہ برہم ہوگئی۔
''میں کیوں بتاتا، آپ تو پڑھی لکھی ہیں، پڑھنا تو آتا ہی ہے، پڑھا کیوں نہیں؟'' وہ اس کی بے وقوفی پر اسے اور چڑا رہا تھا۔ خوشنما لب کچل کے رہ گئی، یہ اس سے اتنی بڑی بے وقوفی کیوں ہوگئی، اس نے لیٹر کو پڑھا بھی نہیں، وہ سمجھی کہ اس کے آفس جوائن کرنے کا لیٹر ہے، اس لیے توجہ ہی نہیں دی۔
''اب افسوس کرنا اپنی بے وقوفی پر فضول ہے، کام پر دھیان دیں اور زبان چلانے پر کم''۔ وہ اس پر طنز کرتا ہوا چلا گیا۔
''کتنا دھوکے باز ہے، مجھے بتایا بھی نہیں''۔ وہ تلملاتی ہی رہی۔
ہیثم اپنے روم میں چلا گیا تھا، چند اسٹاف کے لوگ آگئے تھے اور وہ بھنا رہی تھی، مگر اسے تو ہیثم کی عقل ٹھکانے لگانی تھی، چلو یہ موقع اسے خود یہاں مل گیا۔
''مسٹر ہیثم! میں تم سے ناک سے لکیریں نکلوالوں گی''۔ وہ گہری سوچ میں مستغرق دانت پیس رہی تھی، پورا دن اس کا ایک طرح سے خالی ہی گزرا، چند ایک فائلز کو وہ دیکھتی رہی، مگر ہیثم سے مدد نہیں لی۔

☆.....☆.....☆

نسرین نے اسے یہ کہہ دیا حباب کی شادی تک وہ وہیں رک جائے، وہ تو پھٹ پڑی تھی۔
''میں اس گھر میں قدم تک رکھنا اپنی توہین سمجھتی ہوں، وہ اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے، کینیڈا سے ہو کر آ گیا ہے تو زیادہ ہی اترا ہٹ آ گئی ہے''۔
''بڑے بول مت بول، کہیں وہیں بیاہ کر چلی گئی تو؟'' نسرین نے پھر وہی بات دہرائی۔
''میں آپ کو کہہ چکی ہوں، خودکشی کرلوں گی مگر شہریار سے شادی کبھی نہیں کروں گی''۔ اس دن سے تو اس کے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی۔
''آپ کیوں بار بار اس شخص کا نام لیتی ہیں؟'' وہ کھسیا گئی۔
''آپ کو وہی کیوں نظر آتا ہے میرے لیے لڑکوں کی کمی ہے؟''
''زیادہ اترا کے بولنے کی ضرورت نہیں ہے، لین لارڈ تجھے رفعت نے بنا کے رکھا ہے، دماغ اس لیے بھی زیادہ آسمان پر رہتا ہے''۔ وہ تو حسنٰی کو جھاڑ کے رکھ دیتی تھیں۔
''ان کی بیٹی ہوں، ظاہر ہے وہ تو بنا کے رکھیں گی''۔
''اچھا، اچھا بکواس نہیں کر، کچن کو سمیٹو، مجھے بازار بھی جانا ہے''۔ انھوں نے ساتھ ہی اسے ہدایت بھی کی۔
''آپ آخر مجھ سے کچن کے کام ہی کیوں کرواتی ہیں؟''
''اس لیے کرواتی ہوں پرائے گھر جا کر ماں کو سننے کو نہ ملیں، اس نے کچھ نہیں سکھایا''۔
''امی! آپ کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ممی خود میرا رشتہ میری مرضی کے مطابق ڈھونڈ لیں گی''۔ اس نے پٹخ پٹخ کے کاؤنٹر سے گندے برتن سمیٹ کے سنک میں رکھے۔
''ہاں بہت تیری رفیق ہے وہ تیری ممی، ساری زندگی بھی تیری شادی نہیں کرے گی، بس محبت ہی جتاتی رہے گی''۔ نسرین، رفعت کو بھی سناتی رہتی تھیں، حسنٰی نے ناگواری سے منہ بنایا۔
''منہ سیدھا رکھ کے کام کرو، مشین لگا کے فراج اور فیضان کے کپڑے دھو دینا''۔ دوسرا کام بھی بتایا۔
''اتنا کچھ پہلے ہی یہاں پھیلا ہوا ہے اور آپ دیگچیوں میں پانی بھر کے کیوں رکھ دیتی ہیں؟'' وہ دیگچیاں

دیکھ کر اور بھنائی، سنک کے نیچے تین دیگچیاں پڑی تھیں۔

"تاکہ آسانی سے دھل جائیں"۔ نسرین بالکل بھی کسی سے نہیں دبتی تھیں، نسرین کا بڑا سا کچن تھا، جو ہر وقت ہی پھیلا رہتا تھا، جب بھی صفائی کروانی ہوتی تھی، حسنیٰ کی شامت آجاتی تھی۔

"آپ مجھ سے ہی کیوں دھلواتی ہیں؟"

"حسنیٰ! زیادہ چیخ چیخ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے بازار جانا ہے"۔ وہ کپڑوں کا ڈھیر صحن میں بچھے تخت پر ڈال کے چلی گئیں۔

"اور ہاں سرف احتیاط سے ڈالنا، مہینے کا لاتی ہوں، پندرہ دن میں تمام ہو جاتا ہے"۔ وہ پھر مڑ کے آئیں۔

"خود ہی کیوں نہیں دھوتی ہیں؟" آہستگی سے بولی۔

"بیٹی کا ہے کو ہے"۔ وہ اسے گھورنے لگیں۔

"کام چھوڑ کے اوپر نہیں نکل جانا"۔ حسنیٰ جلتی کلستی برتنوں کا ڈھیر دھونے لگی تھی، اسے اپنے خوبصورت ہاتھوں کے خراب ہونے کا بھی بہت دکھ ہوتا تھا، سرف اور صابن سے کھردرے ہو جاتے تھے، برتن رو رو کے دھوئے پھر مشین لگانے کھڑی ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

رضوانہ نے تیاریاں تو شروع کر ہی دی تھیں، راشدہ نے خوب ہی ہنگامہ کیا تھا ان کی ساس نے بھی بائیکاٹ کر دیا تھا، آدم نے تو کہہ دیا تھا کوئی ضرورت نہیں ہے انھیں منانے کی، مگر راشدہ بھی ایک چالاک عورت تھیں، منہ تو بنا ہوا تھا مگر چپکی لگا کے بیٹھ گئی تھیں۔

"آپ دیکھ لیجیے گا لاوا پھٹے گا ضرور"۔ مزمل اپنی دادی، پھپھی کو خوب جانتا تھا، سکون سے بیٹھتی تھیں نہ بیٹھنے دیتی تھیں۔

"کوئی بھی ان سے کچھ بھی نہیں کہے گا، ورنہ شادی کے گھر میں ہنگامہ ہوگا اور حباب کے گھر والوں پر اچھا تاثر نہیں پڑے گا"۔ رضوانہ نے چاروں کو سرزنش کرنے کے ساتھ تنبیہہ بھی کی۔

"دادی جان اور راشدہ پھپھو شادی میں شرکت بھی کریں گی، مگر منہ بنا کے، دور دور رہ کے، امی! مجھے تو بے چاری نوشین کا خیال آرہا ہے"۔ آدم نے سرد آہ بھری۔

"آدم! فضول بکواس مجھے بالکل پسند نہیں ہے، لڑکے یا مرد عورتوں کی طرح باتیں کریں جو تم لوگوں کے کام ہیں ان پر دھیان دو، گھریلو باتوں پر بالکل نہیں"۔ انھوں نے چاروں کو ہی ڈانٹ دیا۔

"اور ہاں نوشین کا کوئی ذکر نہیں ہوگا، وہ ہماری اپنی بچی ہے، ایسے مذاق اڑانے کا تم میں سے کسی کا بھی حق نہیں ہے"۔ چاروں ہی لب بھینچ کے رہ گئے، طٰہٰ نے انھیں بغور دیکھا تھا۔

"امی! لوگ ہمیں بھری محفل میں ڈی گریڈ کر دیں، ہم پھر بھی کچھ نہیں بولیں؟" اس نے دہائی دی۔

"تم لوگ ابھی چھوٹے ہو"۔

"اتنے بھی چھوٹے نہیں ہیں، ہر آنکھ کا اشارہ اور لہجہ ہم سب سمجھتے ہیں"۔ وہ خفگی سے گویا ہوا۔

"بیٹا! تم لوگ میری باتوں کو سمجھ ہی نہیں رہے ہو، میں نہیں چاہتی میرے بیٹے کی شادی میں کوئی بھی ایسی بات تم لوگوں کی وجہ سے ہو، پھر وہ پکڑی جائے یہ اچھا تاثر نہیں دے گا، حباب کے ننھیال والوں پر"۔ انھوں نے تفصیل سے گہرائی میں جا کے انھیں سمجھایا۔

"امی! آپ بے فکر رہیں ایسی کوئی بات نہیں ہوگی، میں ان لوگوں کو بھی سمجھا دوں گا"۔ ضمران نے انھیں تسلی دی۔ وہ حباب کی بری کی پیکنگ خود کر رہی تھیں، انھوں نے کبھی یہ سب کیا ہی نہیں تھا، ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیسے سب پیک کریں۔

"چلو بھئی! امی کا ہاتھ بٹاؤ"۔ ضمران نے ماحول کو بدلا۔

"رہنے دو میں لڑکوں سے یہ عورتوں والے کام نہیں کرواتی"۔

"امی! آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں، لوگ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی شادیوں کی پیکنگ باہر سے پیسے دے کے کرواتے ہیں؟ کرنے والے پتہ ہے سارے مرد اور لڑکے ہی ہوتے ہیں، کپڑے بھی لڑکے سیتے ہیں، اچھے کک بھی مرد ہوتے ہیں، گھروں کی سجاوٹ بھی مرد اور لڑکے ہی اچھی کرتے ہیں، کپڑے دھونے والے دھوبی بھی مرد ہی ہوتے ہیں"۔ مزمل نے تفصیلی انداز میں وضاحت کے ساتھ انھیں سمجھایا۔

"مگر میں پھر بھی نہیں کرواؤں گی"۔ وہ منع کرنے لگیں۔

"امی! کام اتنے پہلے ہی پڑے ہوئے ہیں، یہ بھی آپ خود کریں گی تو اور کام آپ کے کرنے کے ہیں وہ کون کرے گا؟" آدم کو ان کی یہ بات اچھی نہیں لگی۔

"ارے ایسا کیوں نہ کریں راشدہ پھپھو کی بیٹیوں کو بلوا لیں"۔ طٰہٰ نے چٹکی بجا کے بدمزہ انداز میں کہا۔

"ہاں تاکہ ہر پیکنگ پر حسرت بھرے آنسوؤں کے داغ نظر آئیں"۔ مزمل ہنسا۔

"زیادہ فضول گوئی کی ضرورت نہیں ہے اور مذاق بنانے کی بھی ضرورت نہیں ہے"۔ انھوں نے ڈانٹا۔

"میں تو مذاق کر رہا تھا"۔ مزمل جز بز ہو گیا۔

"اسی لیے کہہ رہی ہوں، تمہاری اور آدم کی ہی زبان بہت چلتی ہے، میں نے تمہارے نام کچھ سوچ کے ہی رکھے تھے، اپنے ناموں کی بے حرمتی نہیں کرو"۔ وہ غلط بات تو بالکل برداشت کرتی ہی نہیں تھیں۔

"چلیں آپ کی یہ بات ٹھیک ہے، آئندہ خیال کریں گے"۔ مزمل نے شرمندگی سے سر ہلایا۔

"امی! آپ کچھ بھی کہیں یہ پیکنگ آپ ان لوگوں سے کروائیے، جو آپ کے کرنے کی ہے وہ خود کیجیے گا"۔ ضمران نے مسئلے کا حل دیا۔

"ویسے بھی امی! اتنی پیکنگ وغیرہ کا کیا فائدہ، بعد میں بے دردی سے کھلنا ہی ہوتا ہے"۔

"تم چپ رہو، ہر بات میں نہیں بولا کرو، ہر کام کو طریقے اور سلیقے سے کرنے سے انسان کے طور طریقوں کا پتہ چلتا ہے، میں سارے کام اور رسمیں طریقے سے کروں گی، لڑکی کے بھی ارمان ہوتے ہیں اور پھر ہمارے پاس سب ہے، اللہ کا شکر ہے، اچھے انداز میں تمہاری شادی کر سکتے ہیں"۔

"بے جا اسراف کا بھی تو گناہ ہے"۔ ضمران نے ان کی بات پر کہا۔

"ہاں یہ خوب لوگوں نے ریت نکالی ہے، اپنے مطلب پر اسلام پر چلنے لگتے ہیں، ارے یہ بے جا اسراف تو بعد میں آتا ہے، پہلے لوگ جھوٹ بولنا تو چھوڑ دیں، پھر یہ سب بعد کی بات ہے"۔

"امی! میں تو آپ کی وجہ سے کہہ رہا تھا، آپ اکیلی کیا کیا دیکھیں گی؟" ضمران ان کی بات پر قائل ہو گیا۔

"یہ میرے کرنے کے ہیں، مجھے کرنے ہیں، تم لوگوں کی دیکھا دیکھی نہیں کرو، میں اپنی حیثیت کے دائرے میں رہ کر ہی تمہاری شادی کی تمام رسمیں کروں گی، بے جا اسراف اور دکھاوے کی میں بھی قائل نہیں، میں صرف حباب اور تمہاری خوشی کے تمام ارمان پورے کرنا چاہتی ہوں"۔

"یار بھائی جان! امی تو اچھی خاصی مفکر بن سکتی ہیں"۔ آدم نے شرارتی لہجے میں ضمران سے تائید چاہی۔

"ہر وقت ہنسی مذاق نہیں کیا کرو"۔ وہ جھینپ گئیں۔

"میں تم لوگوں کو سمجھا رہی تھی، وہ لوگ الگ ہوتے ہیں، جب کنجوسی انھیں کرنی ہوتی ہے تو فوراً اسلام پر چلنے لگتے ہیں، یہ فضول رسم ہے، یہ غلط ہے اور بعد میں پھر لڑکی کے ساتھ وہی روایتی سلوک شروع ہو جاتا ہے، اس وقت مذہب کہاں چلا جاتا ہے، جو لڑکی کو طعنے دیئے جاتے ہیں"۔ رضوانہ کو اپنی شادی کے بعد کی زندگی یاد آ گئی، یہی کچھ ان کے ساتھ بھی تو ہوا تھا۔

"ارے کیا ہے آپ لوگ خوشی کی باتیں کریں"۔ طٰہٰ نے تیز لہجے میں مداخلت کی۔

"یہ باتیں بھی ضروری تھیں، جو تم سب کو سمجھانی تھیں، چلو مزمل! یہ سامان میرے کمرے میں رکھو"۔ وہ ان تینوں کو ہی کام میں لگاتی ہوئی اٹھ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

ہیثم کے آفس میں اسے کام کرتے ہوئے دس دن ہو گئے تھے، اس نے گھر میں کسی کو بھی نہیں بتایا تھا، نارمل طریقے سے وہ جاب پر جا رہی تھی۔

"مرتضیٰ صاحب دو چکر لگا چکے ہیں، تم گھر پر ہی نہیں ملتی ہو"۔ امی نے اسے تیار ہوتے ہوئے دیکھا۔

"ان سے بولیے کیوں آتے ہیں؟ آرام سے گھر میں بیٹھیں اور ہمیں بھی بیٹھنے دیں"۔ اس نے بڑا سا پرنٹڈ سرمئی آنچل پھیلا کے اپنے سر پر کیا، وہ میک اپ وغیرہ بالکل کر کے نہیں جاتی تھی، اور اسے کسی کو اپنی جانب متوجہ کرنا بھی نہیں تھا۔ پھر ہیثم جیسے بندے کا کوئی بھروسہ بھی نہیں، کچھ بھی الزام لگا دے، اور بول دے اس لیے وہ بہت محتاط اور ریزرو ہو کر وہاں کے لوگوں سے بات کرتی، اول تو کرتی ہی نہیں تھی، اگر کبھی کرتی بھی تو چہرے پر سنجیدگی اور رعب رکھ کر تاکہ وہ حد کراس نہیں کریں۔

"خوشنما! میں دیکھ رہی ہوں تم بہت بدتمیز ہوتی جا رہی ہو"۔

"آپ وہی بات کیوں دوہراتی ہیں، نہیں بتایا کریں وہ یہاں آیا کریں تو، مجھے سخت کوفت ہوتی ہے، ان سے بولیں پہلے اپنے نواسے کو سدھار لیں، آخر اسے کس بات کا اتنا گھمنڈ ہے، میں ایسی بے وقعت اور فالتو نہیں ہوں کہ اپنی بے عزتیاں کرواتی پھروں، اور وہ نزہت بیگم..... ان کی نگاہیں آپ نے دیکھی تھیں؟" وہ ایک دم ہی غصے میں آ گئی۔

"آہستہ بولو، باہر تمہارے ابو بیٹھے ناشتہ کر رہے ہیں"۔ انھوں نے اسے چپ کروایا، خوشنما خفیف سی ہو کر لب بھینچ کے رہ گئی، صاف ستھرا قرینے سے سجا کمرہ اس کی نفاست کا منہ بولتا ثبوت تھا، وہ بے ترتیبی تو بالکل دیکھ ہی نہیں سکتی تھی، تو ہیثم جیسا بدتمیز، بددماغ شخص وہ کیسے قبول کر لیتی، کم از کم یہ تو کر ہی سکتی ہے کہ اس سے دور رہے، مگر قسمت وہ اس کے پاس ہی جاب کر رہی تھی، صرف اس لیے کہ صحیح غلط کی پہچان کروائے گی اور تمیز اور سلیقہ بھی سکھا کے دم لے گی۔

"پلیز امی! آپ صبح صبح اپنا اور میرا موڈ خراب کر دیتی ہیں، مجھے جلدی ہے رات میں بات ہو گی"۔

"آپی! لنچ پیک کر دیا ہے"۔ رمنا اس کا لنچ باکس لے کے اندر آئی، صبح ناشتہ وہی بناتی تھی۔

"تین پراٹھے رکھے ہیں"۔ وہ باکس تھام کے بولی۔

"جی تین ہی رکھے ہیں اور آملیٹ بھی تین بنائے ہیں"۔

"کتنی اچھی میری بہنیں ہیں، یا اللہ میری ان بہنوں کو شوہر بہت اچھا دینا"۔ خوشنما نے ہاتھ اوپر کر کے دعائیہ انداز میں ہاتھ پھیلائے۔

"آپی! تم تو پتہ نہیں کیا ہو گئی ہو"۔ رمنا جھینپ گئی، کچھ دن سے وہ نوٹ کر رہی تھی، خوشنما کا لب و لہجہ تک اتنا شوخ ہوتا جا رہا تھا۔

"میں جو ہو گئی ہوں وہ بالکل ٹھیک ہو گئی ہوں"۔ رمنا کے رخسار پر ہلکی سی تھپکی دی اور اپنا سامان اٹھا کے باہر آ گئی، ابو ناشتہ کر رہے تھے ان کے سامنے مودب ہی رہتی تھی۔

"بیٹا! کسی دن مرتضیٰ صاحب سے ہی مل لو، کتنی دفعہ آئے اور ملے بغیر چلے گئے، تم اس وقت تک آتی ہی نہیں ہو"۔ وہ لب بھینچ کے شرمندہ ہونے لگی، وہ انھیں یہ کیسے بتا دے، پیچھے سے ایمن اسے میسج کر دیتی تھی، وہ جان بوجھ کے دیر سے آتی تھی۔

"کوشش کروں گی"۔ وہ یہ کہہ کر نکل گئی، امی فکرمند نگاہوں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

حسنیٰ اکڑ کے بیٹھی ہوئی تھی، حباب نے کتنی ہی کالز کر لیں اور کتنے ہی میسجز کر لیے تھے، مگر اسے تو شہریار پر غصہ تھا، اس نے ایسی باتیں کیوں کی تھیں، شادی کے دن تو تیزی سے قریب آ رہے تھے، حباب کی دھڑکنوں کی بے ترتیبی بڑھتی جا رہی تھی، اس لیے کہ آنے والا وقت پتہ نہیں وہاں کیا رنگ دکھائے، نئے لوگ، نئے گھر میں ایڈجسٹ ہونا تھا، اس کی کم گو اور ریزرو طبیعت کسی سے اتنی جلدی گھلتی ملتی بھی نہیں تھی، اور ضمران جو اس کا زندگی بھر کا جیون ساتھی بن رہا تھا، اس سے اسے کوئی انسیت نہیں ہوئی تھی، بلکہ اسے غصہ ہی آ رہا تھا جب بھی وہ اس سے ٹکرایا کچھ اچھا نہیں ہوا تھا۔

"تم پھر الٹی سیدھی سوچوں میں بیٹھی ہو"۔ شہریار نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"نہیں تو"۔ وہ جھینپ گئی۔

"شہریار ماموں! یہ تو خوشی ہو تب بھی اداس کوئل بنی ہوتی ہے اور اداسی ہو تو پھر بہانہ ہی چاہیے"۔ ارومہ اپنی ناشتے کی ٹرے لے کے بیڈ پر بیٹھی، وہ بھی آج یہاں رکی ہوئی تھی، صرف شہریار کی وجہ سے ورنہ اس کی تو حسین بیگم سے بھی نہیں بنتی تھی۔

"تم تو فضول بکواس کرتی رہا کرو"۔

"وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے، یہ بتاؤ تمہارے ساتھ اب مسئلہ کیا ہے، حسنیٰ نہیں آ رہی ہے اس کی فکر ہے"۔ وہ سمجھ گیا تھا، کیونکہ اس دن سے حباب نے حسنیٰ کی کوئی بات بھی نہیں کی تھی۔

"اگر بولوں کے ہاں ہے، تو کیا آپ انھیں لے آئیں گے؟" اس نے منہ بسور کے کہا۔

"وہ اتنی خاص تو نہیں ہے جو تم اس کی فکر لگا کے بیٹھی ہو"۔ شہریار کو بھی کچھ عادت ہو گئی تھی جب تک حسنیٰ سے الجھ نہیں لیتا چین ہی نہیں پڑتا تھا۔

"آپ کو پتہ ہی ہے ان دونوں کی دوستی کتنی ہے"۔ ارومہ نے پھر تائیدی کہا۔

"وہ لڑکی پتہ نہیں اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے، تمہارے ماموں کا دو دفعہ رشتہ ریجیکٹ کر چکی ہے، تم ہو کہ اس فکر میں اداس بیٹھی ہو"۔ شہریار نے اس کی صورت دیکھی، جو اتری ہوئی تو کسی اور وجہ سے تھی، یہ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔

"مجھے حسنیٰ آنٹی بس بہت اچھی لگتی ہیں"۔

"تمہارے ماموں کو جبکہ وہ کچھ سمجھتی نہیں ہے، پھر بھی اچھی لگتی ہے؟" وہ خفگی سے گویا ہوا۔

"پتہ نہیں کچھ لوگ برے ہونے کے باوجود پھر بھی اچھے لگتے ہیں، ان میں صرف یہ برائی ہے کہ وہ منہ پھٹ بہت ہیں"۔

"منہ پھٹ ہونے کے ساتھ اول درجے کی کام چور بھی بہت ہے"۔ اس نے حباب کی بات کاٹی۔

"اس کا تو مجھے پتہ نہیں، مگر صاف گو بہت ہیں"۔

"تم اس کی سائیڈ ہی لینا"۔ شہریار نے اس کے بال کھینچے۔

"شہریار ماموں! کاش آپ کی اور حسنیٰ آنٹی کی شادی ہو جائے، کسی بھی طرح"۔ ارومہ نے حسرت بھرے لہجے میں کہہ کر دونوں ہاتھ آپس میں جکڑ کے سینے پر رکھے۔

"یہ کاش کچھ نہیں ہوتا ہے"۔ حباب نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"مگر تصور تو کیا جا سکتا ہے"۔ ارومہ نے شہریار کو شرارتی انداز میں دیکھا وہ بھی ہنسنے لگا۔

"تم دونوں ایسے ہی خوش ہوتی رہو"۔ وہ اٹھ گیا، مگر ارومہ اس کے ذہن کو نئی بات سمجھا گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

"اوہ... نو... یہ یہاں کیسے آ گئے؟" خوشنما، مرتضیٰ علی کو دیکھ کر چھپنے کے لیے ہال کمرے کی سمت بڑھ گئی، پورا اسٹاف انھیں مودب انداز میں کھڑے ہو کر سلام کر رہا تھا، خوشنما نے اپنا چہرہ دوپٹے سے نقاب کی طرح کر کے چھپا لیا، مگر شاید ان کی نگاہ ابھی اس پر پڑی نہیں تھی۔

"آپ اور اس وقت؟" ہیثم ہڑبڑا کے چیئر سے اٹھ گیا، ان کی غیر متوقع آمد اچنبھے میں مبتلا کر رہی تھی۔

"مجھے تم سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں، گھر میں تم ٹک کے بیٹھتے نہیں ہو"۔

"نانا جان! یہ میرا آفس ہے، آپ ادھر باتیں کریں گے؟" وہ تو حیرت میں مبتلا ہو کر بولا۔

"جب تم گھر میں ٹائم نہیں دو گے، تو مجھے یہیں آنا پڑے گا"۔ مرتضیٰ علی اس کے فرنشڈ آفس کے روم میں صوفے پر بیٹھے تھے۔

"میں اس وقت کوئی بھی بات نہیں کروں گا، آپ کا ایک ہی ٹاپک ہوتا ہے جو مجھے قطعی پسند نہیں ہے"۔ وہ ناگواری سے بولنے لگا۔

"سیدھی طرح میری بات سن لو"۔ وہ تیز لہجے میں رعب کے ساتھ گویا ہوئے۔

"نانا جان! میں تنگ آ گیا ہوں روز روز کے اس ٹاپک سے، اسی لیے خود کو زیادہ سے زیادہ آفس میں بزی رکھنے لگا ہوں"۔

"تم خود کو کہیں بھی بزی رکھو، مگر میں جو کہہ رہا ہوں تمہیں وہ سننا پڑے گا"۔ انھوں نے ٹیبل پر زور سے ہاتھ پٹخے تھے۔ ہیثم کی فہمائشی نگاہیں ان پر تھیں، جو بہت آگ بگولہ ہی لگ رہے تھے۔

"جی بولیے!" اس نے جیسے ہار مان لی۔

"تمہاری بیوی کہیں جاب کرنے لگی ہے"۔

"اچھا یہ بھی کرتی ہے"۔ وہ تمسخرانہ لہجے میں طنزیہ گویا ہوا۔

"جو کہہ رہا ہوں وہ سنو! آگے سے بات کاٹ کے اپنے فضول کمنٹس نہیں دو"۔ مرتضیٰ علی نے اسے ٹوکا۔

"تمہاری بیوی جاب کر رہی ہے، تمہیں جا کر اسے منع کرنا ہوگا، کیونکہ ہمارے خاندان میں کوئی بہو بیٹی جاب نہیں کرتی"۔

"نانا جان! ایک طرف آپ براڈ مائنڈ بنتے ہیں اور دوسری طرف یہ روایتی دقیانوسی بات، اب وہ جاب کر رہی ہے تو کرنے دیں، ہر ایک کو اپنی مرضی کا اختیار ہے اور دنیا آج بہت آگے نکل گئی ہے"۔

"اپنی بکے جا رہا ہے، میری سن ہی نہیں رہا، گھامڑ وہ بیوی ہے تیری، اس کے نان نفقے کی ذمے داری تجھ پر عائد ہوتی ہے، نکاح میں ہے تیرے"۔

"یہ نان نفقہ نانا جان! کیا ہے صبح صبح اتنی ثقیل اردو بول کے آپ مجھے غصہ دلا رہے ہیں"۔ وہ چڑ کے گویا ہوا۔

"بے وقوف.... نان نفقہ مطلب اس کے خرچے وغیرہ اور ہر ضرورت کی ذمے داری تم پر ہے، کیونکہ تم اس کے شوہر ہو"۔ وہ روزانہ کا سبق پھر اسے یاد کرانے لگے۔

"ٹھیک ہے کتنا خرچہ بھیجنا ہے بتا دیں، مگر میں اسے واپس ہرگز ہرگز بھی لینے نہیں جاؤں گا، آپ مجھ پر زور زبردستی نہیں کر سکتے، اسے ساری زندگی ساتھ رکھنے پر، کیونکہ میری بھی اپنی مرضی اور پسند ہے"۔

"تمہاری جو بھی مرضی ہو، پسند ہو، مجھے کوئی مطلب نہیں، مگر میں اس لڑکی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہونے دوں گا، میں نے جاوید سے بڑی چاؤ سے یہ رشتہ مانگا تھا"۔

"نانا جان! پلیز آپ کیوں بار بار یہ بات دوہراتے ہیں، آپ مجھے زیادہ مجبور کریں گے تو میں یہ قصہ ہی تمام کر دوں گا"۔ اس نے دوٹوک انداز میں فیصلہ دیا۔

"کیا بک رہے ہو، ہمارے خاندان میں کبھی ایسا نہیں ہوا ہے سمجھے؟ اور یہ بات سوچنے اور کرنے سے پہلے خود غرق ہو جانا"۔ وہ جتنی ہیثم کو ڈھیل دے رہے تھے وہ خود سر ہی ہوتا جا رہا تھا۔

"پتہ نہیں تم کس دماغ کے ہو، میری بیٹی تو بہت نرم طبیعت کی تھی"۔ وہ دکھ و افسوس سے گویا ہوئے۔

"آپ مجھے اموشنلی بلیک میل مت کریں"۔ وہ بے زاری سے گویا ہوا۔

"ابھی تو میں جا رہا ہوں، رات میں تمہاری خبر لوں گا اور ہاں اگر تمہیں اپنی مرضی سے کہیں اور شادی کرنی ہے تو خوشی بیٹی سے اجازت لینی ہوگی"۔

"مجھے اس کی اجازت کی ضرورت بھی نہیں ہے"۔ اس نے انٹرکام پر خوشنما کو اندر آنے کو کہا تھا۔

"کیا بات ہے کہاں گئیں وہ اپنی سیٹ سے؟" ہیثم حیرانگی سے اچھل گیا، کیونکہ خوشنما کے بجائے پیون نے انٹرکام ریسیو کیا تھا۔ مرتضیٰ علی روم سے نکل گئے تھے، وہ بھی باہر نکلا تھا، اسے یہ لڑکی آج تک سمجھ نہیں آئی تھی۔

"آپ کو بتا کے بھی نہیں گئیں؟" ہیثم دونوں ہاتھ پشت پر رکھے فکرمند اور حیران بھی تھا۔ مرتضیٰ علی اسے تفتیشی نگاہوں سے دیکھنے لگے، ہیثم اپنی ایمپلائی کے لیے اتنا فکرمند۔

"آپ کچھ غلط نہیں سمجھ لیجیے گا، عجیب بے وقوف لڑکی کو میں نے رکھ لیا ہے، دماغ گھما کے رکھ دیتی ہے"۔ وہ جھنجلایا ہوا انھیں سمجھانے لگا، مرتضیٰ علی اسے گھورتے ہوئے باہر نکل گئے۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

مون شاہ

افسانہ

جنت

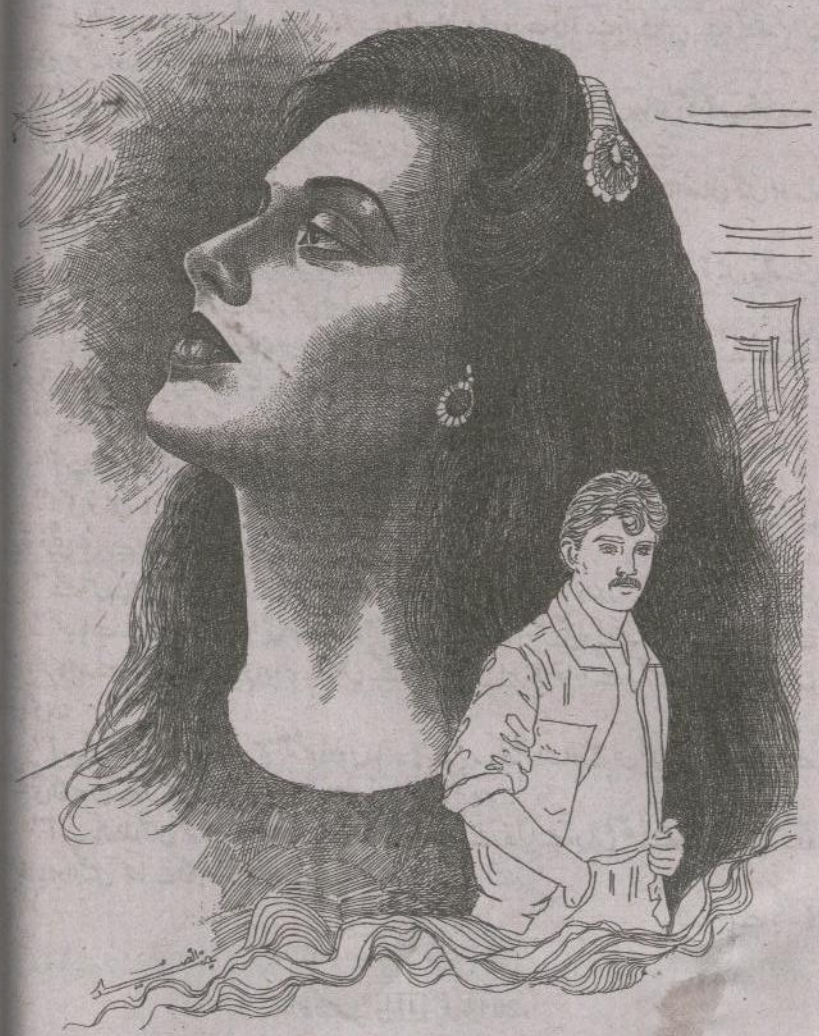

"عاشر کے ہونے سے اس کا نہ ہونا بہتر ہے"۔ چھوٹے سے صحن میں عاشر کی میت سفید کفن میں لپٹی پڑی تھی، اس کا پرسکون چہرہ دیکھتے ہوئے میرے ذہن میں جنت کے الفاظ گونج رہے تھے اور جنت....! اس کا رنگ کتنا زرد پڑ گیا تھا، جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو کہ اس کے لفظوں نے حقیقت کا روپ دھار لیا ہے۔ احد، حرا اور موحد نے رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیا تھا، میرا کلیجہ غم سے پھٹ رہا تھا، بالترتیب دس، آٹھ، پانچ سال کے بچے یتیم ہو گئے تھے، عاشر کی شفقت بچوں کے لیے ڈھارس تھی، ورنہ جنت تو سگی ماں ہو کر معصوموں سے سوتیلوں کا سا سلوک کرتی تھی۔ پورا محلہ طرح طرح کی بولیاں بول رہا تھا اور مجھے گزرا ہوا کل یاد آ رہا تھا، جب عاشر، جنت کے نزدیک بے حیثیت اور بے وقعت تھا۔

☆.....☆.....☆

حسب معمول آج پھر "خرچ" کی بات پر دونوں کے درمیان جھگڑا ہوا تھا۔ عاشر خفا ہو کر گھر سے نکل گیا اور جنت بلند آواز میں کوسنے دیتی رہی، جب اس پر بھی جی نہ بھرا تو بچوں کو پیٹنے لگی، دیوار سے دیوار ملی تھی، مجھ سے برداشت نہ ہوا، اور میں ان کے گھر چلی آئی، تینوں بچے دوڑ کر مجھ سے لپٹے۔

"جنت! تم دونوں کی آپس میں لڑائی کا ابال بچوں پر کیوں نکلتا ہے؟ تم انھیں بے وجہ مار مار کر ان کو احساس کمتری کا شکار بنا دو گی، تم ان کی شخصیت کو تعمیر کرنے کے بجائے برباد کر رہی ہو، خدا کے لیے اپنا خوف ان پر مسلط نہ کرو"۔

"بس کرو غازیہ بھابی! میں ان کی دشمن نہیں ہوں، اتنی مہنگائی کے دور میں گھر چلانا کون سا آسان کام ہے، اوپر سے ان تین بچوں کا ساتھ بھی ہے، ان کے باپ کو بچوں کی تعداد میں بڑھاوے کی فکر تو ہے لیکن فکر معاش نہیں ہے"۔ میں اس کے سفید جھوٹ پر حیران رہ گئی۔

"جنت! بچے خدا کی نعمت ہیں، عاشر صبح کا گیا رات گئے صرف تم لوگوں کے رزق کی خاطر لوٹتا ہے"۔

"ہونہہ.... بھابی! چند ٹکوں میں گزارا نہیں ہوتا بچے صرف امیروں کے لیے نعمت ہوتے ہیں، یہ اولاد کی عیاشی بھی امیروں کے لیے ہونی چاہیے"۔ میں حق دق اس ناشکری عورت کو دیکھ رہی تھی۔

"جنت! اسلامی تواریخ پر نظر ڈالو، تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ اس وقت گھرانوں میں شکر و قناعت کی برکت تھی، تم پڑھی لکھی ہو، تمہیں تو "صبر" کی عظمت اور اجر کا علم ہوگا، کیا تم نے حضرت علیؓ و فاطمہؓ کے ازدواجی حالات زندگی کا مطالعہ نہیں کیا، ہمارے اسلاف نے ہمارے واسطے بہترین نظام زندگی کا عملی نمونہ پیش کیا ہے"۔

"تمہارا مطلب ہے میں فاقوں کی زندگی بسر کروں، پیٹ پر دو دو روز تک "پتھر" باندھے رکھوں؟"

"اگر صبر و شکر کے ساتھ "پتھر" باندھو گی تو ضرور اجر ملے گا، ویسے نوبت یہاں تک پہنچی نہیں ہے"۔

"مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے"۔

"کیا تم جانتی نہیں ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے شکم اقدس پر "پتھر" بندھے ہوئے تھے اور انھوں نے تو فقر اختیار کیا تھا، اور حضرت علیؓ جن کی دعا یہی تھی کہ اے میرے رب! مجھے مسکینوں میں رکھ اور مسکینوں میں اٹھا۔ جنت! تقدیر کا لکھا مل کر رہتا ہے، اگر انسان اپنی تقدیر پر قانع ہو جائے تو دنیا امن کا گہوارا بن جائے، اپنے حالات سے سمجھوتہ کر لو، چیخنے چلانے سے حالات بدلا نہیں کرتے، اپنی تقدیر پر توکل کر کے بیٹھو تو آخرت میں ثواب پاؤ گی"۔

"تمہاری تبلیغ تمہیں مبارک ہو غازیہ بھابی! مجھے تو بس اتنا علم ہے کہ عاشر کا ہونا نہ ہونا ایک برابر ہے،

افسانہ

عشق کے رنگ ہزار سائیں

سنا تھا زندگی آزمائش لیتی ہے محسن
پر یہاں تو آزمائشوں نے زندگی لے لی

وہ گالوں پر پھسلتے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے صاف کرتی کالج کی طرف جا رہی تھی۔ جب اپنے پیچھے اسے شور سا محسوس ہوا، زینب نے بدحواسی سے مڑ کر دیکھا تھا، موٹر سائیکل پر سوار لڑکے نے بالکل اس کے سامنے بائیک روکی اور اسی اثناء میں پیچھے بیٹھا لڑکا اس کی جانب لپکا تھا اور اس کے منہ پر ہاتھ رکھے بائیک پر دھکیلا تھا، وہ جو گھر سے روتی دھوتی ہوئی نکلی تھی، اس اچانک آنے والی افتاد کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہو چکی تھی۔

"دیکھنا وہ کیسے بھاگا آئے گا، کمینے نے ہماری برسوں کی ساکھ خاک میں ملا دی اور وہ لڑکی... آنے دو، آتے ہی دونوں کو گولیوں سے بھون دوں گا"۔

اجنبی کرخت آواز میں سخت جملوں کو سنتے ہوئے وہ ہوش میں آئی تھی، ملگجے اندھیرے میں اس نے پلکیں جھپک کر دیکھا تو جگہ بھی اجنبی ہی تھی، زینب کا دل خوف سے بھرنے لگا، بان کی چٹائی پر بیٹھی وہ اردگرد پڑے ٹوٹے پھوٹے سامان کو دیکھتی خود بھی پھوٹ پھوٹ کر رو دی، اس کے یوں سسکنے پر حیدر شاہ اس کی طرف آیا تھا، اس کے علاوہ ایک لڑکا اور بھی وہاں موجود تھا۔

"ہوں... آ گئیں ہوش میں، ہوش تو اب ٹھکانے لگیں گے تمہارے گھر والوں کے"۔ حیدر شاہ کی

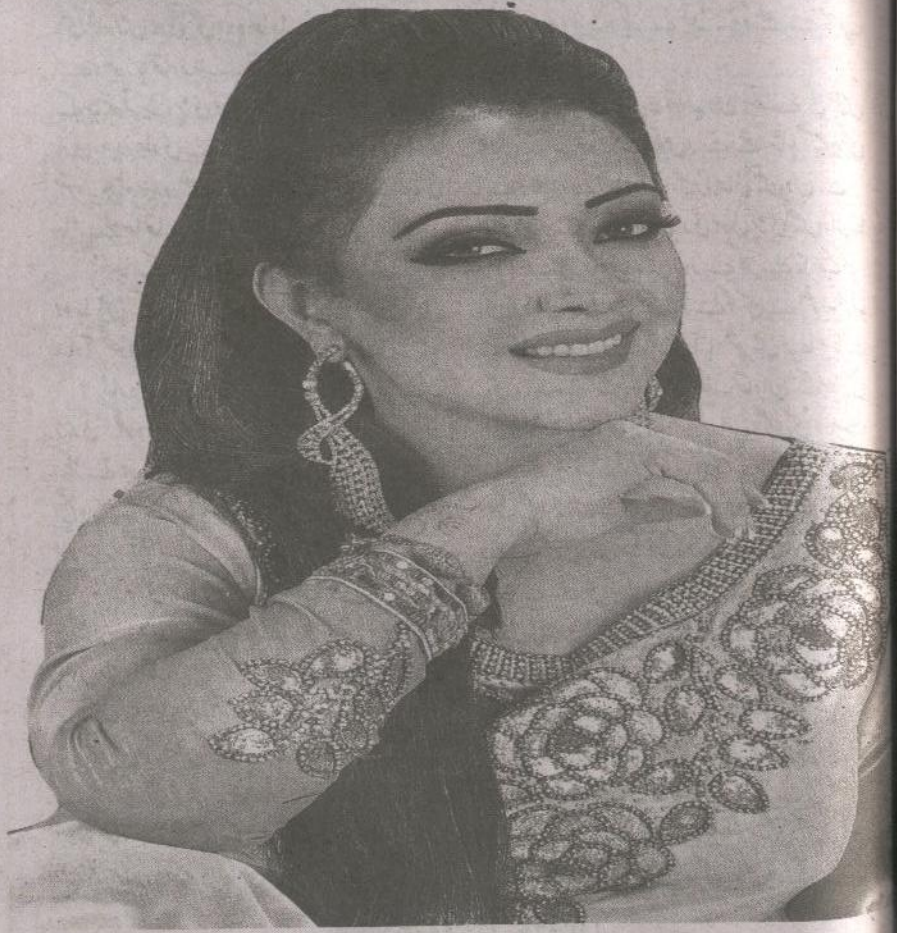

براؤن غلافی آنکھوں میں مارے غصے کے لالیاں اتر رہی تھیں، زینب نے دیکھا تو جیسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا، اسے لگا کہ ابھی اس کا دل بند ہو جائے گا، لیکن ایسا نہیں ہوا تھا، غیر محسوس انداز میں اس کے اندر خوف سرسرانے لگا، سامنے کھڑا حیدر شاہ کیا تھا زینب نواز کے لیے.... بس وہ جانتی تھی، لیکن اس وقت سوال یہ تھا کہ وہ اسے کیوں اٹھا لایا تھا اور اس طرح دھمکا کر آنکھیں کیوں دکھا رہا تھا؟ زینب کو صحیح معنوں میں موت سامنے محسوس ہونے لگی تھی، اوپر سے وہ جس اسٹیٹس سے تعلق رکھتا تھا، وہ تو اس کے ملازموں میں بھی شمار نہیں ہوتی تھی، وہ کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، زینب نے غصے سے سنسناتے دماغ کے ساتھ قریب پڑی کرسی کی ٹانگ اٹھا کر اسے دے ماری، حیدر جلدی سے سائیڈ پر ہو گیا تھا ورنہ اس کا ماتھا ضرور بجتا، حیدر غصے سے وہ ٹانگ اٹھا کر زینب کی جانب بڑھا تھا۔

''بجا کے دوں ایک سر پر... چودہ طبق روشن ہو جائیں گے، بلی کہیں کی''۔ حیدر نے اس کی گول سیاہ آنکھوں کو بلی کی آنکھوں سے تشبیہہ دی تھی۔

''مارو ایک ہی دفعہ مار ڈالو مجھے، نہیں چاہیے یہ زندگی''۔ وہ بپھری تھی اور اٹھ کر حیدر کے دونوں ہاتھ پکڑتے ہوئے چیخ رہی تھی، وہ حیران سا کھڑا اس کی چیخ و پکار ملاحظہ کر رہا تھا، حسن بھی حیرانگی سے ادھر آیا اور حیدر کو کھینچ کر باہر لے آیا تھا۔

''یہ واقعی حماد کی بھتیجی ہی ہے ناں؟'' اب وہ پریشان سا حیدر سے پوچھ رہا تھا، جو خود بھی پریشان سا بالوں میں انگلیاں پھنسائے کھڑا تھا، حسن کے پوچھنے پر چونک کر اسے دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ہاں یار! میں نے خود حنا کو کالج ڈراپ کرنے کے دوران کئی مرتبہ اسے حماد کے ساتھ کالج آتے دیکھا تھا، حنا نے بھی یہی بتایا تھا کہ وہ حماد کی بھتیجی ہے''۔ سمندر کی بپھری لہروں کو دیکھتے ہوئے وہ تفصیل سے بتا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

دروازہ دھڑام سے کھلا تھا اور چارپائی پر لیٹا نواز حسین اٹھ کر بیٹھ گیا، ہاتھ میں پکڑا کیلکولیٹر بھی نیچے گر گیا تھا۔

''کچھ پتہ بھی ہے، دوپہر سے رات ہونے کو ہے زینی ابھی تک گھر نہیں آئی''۔ ضیاء نے دھاڑ کر کہا تھا، نواز حسین نے غضب ناک ہو کر اسے دیکھا۔

''میں نہ کہتا تھا نہ پڑھاؤ لڑکیوں کو، خراب کر دیتی ہے یہ انگریزی تعلیم لڑکیوں کو، لیکن ایک نہ مانی تُو نے، اب دیکھ لے نتیجہ''۔ وہ غصے سے کانپ رہے تھے۔

''اوہ... مجھے کیا پتہ تھا یہ دن دکھائے گی ہمیں نااہل''۔ اب وہ زینب کو کوس رہے تھے، شاہد حسین بھی اسے ڈھونڈنے نکلا ہوا تھا، سمیرا بھابی تین دن سے سر پر پٹی باندھے چارپائی کو پیاری ہوئی پڑی تھیں، ان کا اکلوتا لخت جگر حماد ضیاء تین روز سے گھر سے غائب تھا، ان کا خیال تھا کہ ان کے لاڈلے کو کسی نے اغواء کر لیا ہے، کیونکہ کراچی جیسے گنجان آباد شہر میں یہ عام بات تھی، جبکہ ضیاء حسین کا نظریہ مختلف تھا، ان کے مطابق ان کا اکلوتا لاڈلا تھا ہی ہڈ حرام، اب بھی کسی دوست کے ساتھ سیر سپاٹے کو نکل گیا ہوگا، یہ پریشانی ختم نہیں ہوئی تھی کہ زینب کا مسئلہ کھڑا ہو گیا، ذکیہ خاتون دونوں ہاتھوں میں سر گرائے زینب کو کوس رہی تھیں، وہ تو سرے سے ہی لڑکیوں کی تعلیم کے خلاف تھیں، ان کے ذاتی نادر خیال کے مطابق لڑکیوں کو گھر میں رہ کر گھر داری کرنی چاہیے، اس کے علاوہ جو لڑکیاں کام کرتی ہیں خراب ہو جاتی ہیں، خواہ وہ کوئی ہنر ہو یا تعلیم۔ کنول بھابی خوش تھیں کہ ساس اور بڑی دیورانی ان کے ساتھ کیے ہوئے مظالم کے بدلے حق ادا کر رہی ہیں، کیونکہ وہ خود کو اتنا ہی مظلوم سمجھتی تھیں، جبکہ حقیقت میں ایسا تھا نہیں، وہ کبھی ساس تو کبھی دیورانی

کے ساتھ بیٹھ کر کھپارا (فکر) کرتیں اور کمرے میں آ کر بیٹی سے کہتیں۔

''دیکھا ثناء! اپنی دادی اور چاچی کو... کیسے مکاریاں کر رہی ہیں، ہمارے حساب دے رہی ہیں''۔ وہ چمک کر کہہ رہی تھیں۔

''تو اور کیا؟'' ثناء کون سی کم تھی، زور و شور سے ماں کی تائید کی تھی، اصل میں اسے بھی چاچی سمیرا ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی، کیونکہ وہ زین کے حوالے سے اس پر کڑی نظر رکھتی تھیں، حماد کے خیال سے ثناء کی آنکھیں جگمگانے لگیں، زینب کو لاپتہ ہوئے پانچ دن ہو چکے تھے اور حماد کو غائب ہوئے پورا ہفتہ۔

حنا اور زینب کی دوستی زمین و آسمان کے ملاپ جیسی تھی، حنا شاہ ''شاہ انڈسٹریز'' کے مالک خاور شاہ کی اکلوتی بیٹی تھی، بے پناہ شوخ لیکن حساس اور سادہ، اسی طرح دوسری زینب نواز تھی، تین بہنوں اور تین بھائیوں میں تیسرے نمبر پر تھی، تین بہن بھائی اس سے چھوٹے تھے، تینوں بھائی ماں ذکیہ خاتون کی آنکھوں کے تارے۔ بیٹیوں کو وہ منحوس اور اپنے نصیب کی سیاہی سمجھتی تھیں، جن کا ذکر اکثر و بیشتر وہ برملا کیا کرتیں۔ بھائیوں کی شادیوں سے پہلے وہ ان کی لاڈلی ہوا کرتی تھی، خود اپنی ذہانت اور بھائیوں کی خواہش پر ہی زینب تعلیمی میدان میں آگے بڑھ پائی تھی، بھائیوں کی شادی کے بعد ان کی پوری کوشش تھی کہ زینب تعلیم کو خیر باد کہہ کر بھابیوں کے ساتھ کام میں ہاتھ بٹایا کرے، حالانکہ ان کی شادی سے پہلے بھی گھر کے یہی کام کاج ہوا کرتے تھے جو اب تھے، اصل بات یہ تھی کہ دونوں بھابیوں میں کسی کو بھی گھر داری سے شغف نہ تھا، دوسری بات انھیں زینب کی تعلیم بھی چبھتی تھی، اگر تھوڑا سا کام کر بھی لیتیں تو ان سے پہلے بھائیوں کو ہول اٹھنے لگتے، نواز حسین کوئی کام نہیں کرتے تھے، اس طرح اپنے بہن بھائی کی ذمے داری بھی ان کے کندھے پر تھی، تقریبات کے لیے دونوں بڑے بھائی پورا اہتمام کرتے تھے، لیکن ابا اور اماں میں سے کوئی ان کے حق میں نہ بولتا، اس خوف سے کہ کہیں وہ ان کا خرچہ بند نہ کر دیں، ویسے بھی انھیں بیٹیوں سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا، ان کے ساتھ مال مفت دل بے رحم والا معاملہ تھا۔

خاور شاہ بستر پر دراز تھے، منہ پر آکسیجن ماسک لگا ہوا تھا، تفکر اور ڈپریشن کی لکیریں ان کے چہرے کو خطرناک حد تک زرد کیے ہوئے تھیں، حیدر شاہ ان کی سائیڈ پر بیٹھا کسی گہری سوچ میں گم تھا، گھر سے دفتر، دفتر سے اسپتال اور اسپتال سے سی سائیڈ بنے فارم ہاؤس کے چکروں نے اسے الجھا کر رکھ دیا تھا، عین شادی کے روز بہن بیوٹی پارلر سے بھاگ گئی تھی، وہ بھی ایک مڈل کلاس لڑکے کے ساتھ، لیکن حماد تھا بہت خوبرو اور ویل ایجوکیٹڈ۔ حنا نے باپ کو بتایا کہ وہ حماد کو پسند کرتی ہے، لیکن انھوں نے اس کی ایک نہ سنی، وجہ وہی طبقاتی فرق۔ یہ باتیں اسے مما نے ہی بتائی تھیں، حیدر نے کئی مرتبہ حنا کو کال کی وہ اٹینڈ تو کرتی تھی، لیکن وہ بات نہ کرتی، حیدر نے پھر دھمکی دے ڈالی کہ وہ حماد کو آگاہ کر دے، اسی دھمکی پر عمل کرتے ہوئے اپنے کلوز فرینڈ حسن رضوی کے ساتھ مل کر زینب کو اندھیروں میں گھسیٹ لایا۔

☆.....☆.....☆

آٹھویں روز کی شام بھی ڈھل رہی تھی، اکلوتے جالی کے بنے سوراخ سے سنہری دھوپ چھن چھن کر اس کے شدت کرب سے سوجے چہرے کو عجیب سا سوگوار حسن بخش رہی تھی، حیدر شاہ آہستہ سے اس گھٹن زدہ اسٹور نما کمرے کا دروازہ کھول کر اس کے قریب چلا آیا، براؤن کلر کی چادر میں لپٹی، گھٹنوں پر سر رکھے وہ حیدر شاہ کی آمد سے بھی غافل تھی، جیسے کسی طوفان کے گزرنے کے بعد خاموشی ہوتی ہے، بالکل ویسی خاموشی و وحشت اس کے معصوم چہرے پر بھی تھی، حیدر شاہ کو پہلی بار اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے

نفرت نہیں ہو رہی تھی، بلکہ ترس آ رہا تھا، حماد کی طرف سے دکھائی گئی بے حسی اور خود غرضی سے اسے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ لڑکی اپنے گھر والوں کے نزدیک کیا اہمیت رکھتی ہے؟ ابھی کل ہی تو اس نے ضیاء کو ان کے لاڈلے کا کارنامہ بتایا تھا، لیکن زینب کے متعلق کچھ نہیں کہا تھا، پھر بھی ضیاء حسین کا دھواں دھواں چہرہ وہ بخوبی دیکھ سکتا تھا، ان کی آنکھوں میں مچلتے سوالات سے نظریں چراتا وہ ساری رات اپ سیٹ رہا تھا، اس سے قبل وہ اپنے کسی دوست سے اپنی الجھن شیئر کرتا زینب کو کوس رہا تھا۔

''کمینی نے پڑھائی کا یہ اثر دکھایا، عزت خاک میں ملا کر روپوش ہو گئی ہے''۔ حیدر نے دیکھا اس کے ماتھے پر گہرا ٹیل پڑ چکا تھا، اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ماتھے کو چھونا چاہا تو زینب سہم کر دیوار سے جا لگی۔

''ڈونٹ وری، میں کچھ نہیں کہوں گا آپ کو''۔ وہ عاجزی سے کہتا اس کے قریب چلا آیا تو زینب چیخ اٹھی۔

''ڈونٹ ٹچ می... دور رہو مجھ سے، تم کیا سمجھتے ہو تم نے میرے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا ہے، اب عاجزی دکھاؤ گے تو میں تمہیں عظیم انسان سمجھ کر تمہارے قدموں میں گر جاؤں گی، تم برے ہو، بہت برے ہو، میں نفرت کرتی ہوں تم سے، شدید ترین نفرت''۔ وہ چلا رہی تھی، بچوں کی طرح بلک رہی تھی اور پھر ہوش و حواس سے بے گانہ ہو کر ایک جانب لڑھک گئی۔

☆.....☆.....☆

کچھ سوچنا چاہیے تھا تجھے ستم کرنے سے پہلے
میں تیری محبت نہیں تھی مگر انسان تو تھی

وہ ساکت بیٹھی موتیا کی شاخ پر پھدکتی چڑیوں کو دیکھ رہی تھی، کافی فاصلے پر بھابی کے ساتھ محلے کی کوئی خاتون بیٹھی آہستگی سے باتیں کر رہی تھیں، وہ جانتی تھی موضوع اسی کی ذات ہو گی، وہ بمشکل خود کو گھسیٹتی اندر بند ہو گئی تھی، اسے اس قید سے واپس آزادی کی طرف لوٹے دوسرا روز تھا، لیکن محسوس ہوتا تھا کہ روح وہیں کہیں کسی بوسیدہ گڑھے میں قید ہو کر رہ گئی ہے، پھڑ پھڑاتی ہے، تڑپتی ہے، پرواز بھرتی ہے لیکن رستے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے پھر سے اس اسٹور نما کمرے کے کسی بوسیدہ و بدبودار گڑھے میں گر کر ہانپنے لگتی ہے، وہ گھر میں داخل ہوئی تو سب سے پہلے حرا کی نظر اس پر پڑی۔

''آپی...!'' وہ چیخ کر اس کے گلے لگ گئی، سلمیٰ اور سدیس بھی اس سے لپٹ گئے تھے، یہ اس کے ماں جائے تھے۔

''نکال آئی ہماری عزت کا جنازہ؟'' بڑی بھابی نے گل فشانی کی تھی۔

''یہاں آنے سے پہلے تُو مر کیوں نہ گئی کمبخت... تُو نے تو میرے بچوں کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا''۔ اماں کو اب بھی اپنے بیٹوں کی فکر تھی، زینب نے کرب سے سب کو دیکھا تھا، پھر لہرا کر فرش پر ڈھیر ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ جوں ہی اندر داخل ہوا اندر کا منظر دیکھ کر حیران رہ گیا، حنا، خاور شاہ کے قدموں میں بیٹھی رو رہی تھی، عالیہ بیگم بھی رو رہی تھیں، حماد سپاٹ چہرہ لیے لب بھینچے کھڑا تھا، وہ شدید طیش میں آگے بڑھا اور حماد کو گریبان سے پکڑ لیا۔

''تم... تمہاری جرأت کیسے ہوئی یہاں آنے کی؟'' وہ آپے سے باہر ہو رہا تھا، عالیہ بیگم نے آگے بڑھ کر اسے اپنی جانب کھینچا تھا۔

''ہوش کرو حیدر! ہم اسپتال میں ہیں''۔ انھوں نے کہا تو وہ ان ہی پر چڑھ دوڑا۔

''مما! آپ نے گھسنے کیوں دیا ادھر؟'' اس نے قہر بھری نظر حنا پر ڈالی جو رو رہی تھی، صرف اسی بہن کی خاطر اس نے کسی معصوم کو خوامخواہ رسوا کر دیا تھا، حیدر

شاہ نے زینب نواز کو کسی قسم کا جانی و مالی نقصان نہیں پہنچایا تھا، لیکن ایک لڑکی جو ہفتے بعد اپنے گھر جاتی ہے تو... اس سے آگے حیدر شاہ سوچنا نہیں چاہتا تھا، یہ مردوں کا معاشرہ تھا اور یہ بات حیدر شاہ بھی اچھی طرح جانتا تھا، اسے بار بار اس کی التجائیں اور آنسوؤں سے بھری پرشکوہ آنکھیں کسی لمحے چین نہ لینے دیتی تھیں، وہ شدت سے محسوس کر سکتا تھا کہ ان آنکھوں میں آنسوؤں، شکوؤں کے علاوہ بھی کچھ تھا لیکن کیا؟ یہ راز اسے دبیز اور کافی پراسرار سا کر دیتا تھا، وہ پست ذہنیت کا بندہ نہیں تھا، اسے اپنی لاڈلی بہن پیاری تھی، لیکن جو اس نے کیا تھا، اس کے لیے وہ خود میں اسے معاف کرنے کا ظرف نہیں پاتا تھا، اس نے دونوں کو کمرے سے باہر دھکیل دیا۔

''بھیا پلیز! مجھے پاپا سے بات کرنی ہے، مم... مجھے معاف کر دیں''۔ وہ سسک رہی تھی، گڑگڑا رہی تھی۔

''دفع ہو جاؤ یہاں سے''۔ وہ بھنچی آواز سے غرایا تھا، عالیہ بیگم نے ان کو اشارہ کیا تو وہ دونوں وہاں سے چلے گئے، وہ بیٹی سے بہت محبت کرتی تھیں، خاور شاہ ہوش میں آئے تو حنا کو پکار رہے تھے، وہ ان کی لاڈلی بیٹی تھی، خاور شاہ اس کی ہر جائز و ناجائز ضد پوری کرتے تھے، تبھی تو وہ اتنا خودسر ہو گئی تھی، ویسے بھی جو کچھ حنا نے کیا تھا یہ ان کی کا اس میں عام سمجھا جاتا تھا، حیدر شاہ مضطرب سا باہر نکل آیا، اذیت سی اذیت تھی، وہ آپ اپنی بے قراری سے خائف تھا، اس نے بے ساختہ دیوار پر مکا مارا تو ہاتھ زخمی ہو گیا، مگر اسے پرواہ نہیں تھی، اسے اس معصوم سی لڑکی کا تڑپنا بلکنا یاد آتا تو دل کرتا پوری دنیا کو آگ لگا دے، ایسے ہی جیسے اس کے اندر لگی ہوئی تھی، رات بستر پر لیٹتا تو اس کی سسکیاں سونے نہ دیتیں اور وہ پہروں اسے سوچتا اور خود کو ملامت کرتا رہتا، ابھی شام میں ہی وہ جب اسٹور سے دوائی لینے گیا تو وہاں پر موجود چادر میں لپٹی لڑکی کو بے ساختہ کھوجنے لگا، جس پر وہ اسے سخت سناتی ہوئی چلی گئی، بعد میں وہ کتنا شرمندہ ہوا تھا، سیلز مین بھی اس کی حرکت پر مسکرا رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

وہ ہوش میں آئی تو اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی، میم جو اس کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھی نے بڑھ کر اسے گلے لگایا تھا، اسے اپنی یہ پھپھو بہت اچھی لگتی تھی، جو اس کی ہمراز اور سہیلی بھی تھی، وہ خاموشی سے الگ ہوئی تو میم نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

''تُو ٹھیک تو ہے ناں، تیرے ساتھ کچھ ہوا تو نہیں؟'' وہ نرمی و حلاوت سے پوچھ رہی تھی، زینب کا دل بے ساختہ کانپ اٹھا، اس نے سراسیمہ ہو کر میم کو دیکھا۔

''نن... نہیں''۔ وہ بمشکل بول پائی۔

''اللہ تیرا شکر ہے''۔ وہ جیسے مطمئن ہوئی تھی، جبکہ زینب کا دل چاہا تھا تیل ڈال کر خود کو آگ لگا لے، عزت تو تار تار ہو چکی تھی، یہ بات سوچتے ہوئے اسے خود سے بھی خوف آتا تھا تو وہ دوسروں کو کیسے بتاتی کہ اس پر کیا قیامت ٹوٹ چکی ہے، اسی دوران ضیاء بھائی اندر داخل ہوئے، زینب نے بے ساختہ سر جھکا لیا تھا، ان کی مار کھانے کو وہ تیار تھی، لیکن وہ آگے بڑھے اور اسے گلے لگا کر رو پڑے تھے، وہ خود بھی روئی تو گویا گھر کے در و دیوار ہل کر رہ گئے۔

''بھائی نے اچھا نہیں کیا بابا! ان کے کیے کا خمیازہ پھپھو کو بھگتنا پڑا ہے، ویسے بھی ہمارے معاشرے میں کرتے مرد ہیں مگر خمیازہ ہم مظلوم عورتوں کو بھگتنا پڑتا ہے''۔ کہہ کر وہ رکی نہیں تھی اور کمرے سے باہر نکل گئی تھی، ضیاء وہیں پر کھڑا زینب کے بال سہلاتا رہا، اس کا قصور نہیں تھا، قصور ان کے بیٹے کا تھا، ویسے بھی وہ تھوڑے نرم دل تھے، گھر کے معاملوں میں زیادہ نہیں بولتے تھے، شام سے رات ہو گئی تھی، میم نے اسے منہ دھلا کر چینج کروا دیا تھا، لیکن

ایک اداسی نے اسے گھیر رکھا تھا، وہ باہر آئی تو ابا چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے، اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھے، زینب کے سر پر ہاتھ رکھا اور خود سے لگا کر تسلی دی، وہ حیران سی اندر کی جانب بڑھ گئی، وہ سب کے ردعمل پر حیران تھی، وہ ہر وقت کمرے میں بند رہتی تھی، اماں آ کر سمجھاتی بجھاتیں لیکن وہ تو اندر سے مر ہی چکی تھی، میم بھی اس کی حالت دیکھ کر رو پڑتی تھی، اسے پتہ چل گیا تھا کہ اس کی پھپھو کے ساتھ کچھ برا ہو چکا ہے جس نے انھیں سرتاپا بدل دیا ہے۔ وہ اپنی پھپھو کو آئیڈیل مانتی تھی، وہ جانتی تھی کہ وہ غلط نہیں ہیں، لیکن ان کے ساتھ ظلم بہت بڑا ہوا تھا، اس نے طے کر لیا کہ زین اور حنا کے علاوہ حنا کے والدین کو بھی آئینہ دکھائے گی، وہ زبان کی تیز اور دماغ کی گرم تھی، اکثر باتیں منہ پر کہہ دیتی تھی، سمیرا بھابی بیٹی کی عادات سے اکثر خائف رہتی تھیں، میم کا اصل نام منزہ تھا، سب پیار سے میم کہتے تھے، زینب سے وہ صرف دو سال چھوٹی تھی، دونوں کی خوب بنتی تھی، سب کہتے تھے کہ میم زینب پر گئی ہے۔

☆.....☆.....☆

"تجھے تو وائرس ہو گیا ہے جگر!" حسن نے کہا تو حیدر نے غصے سے اسے دیکھا تھا، وہ جو پچھلے ایک گھنٹے سے اسے اپنے دکھڑے سنا رہا تھا جواباً اس کی یہ بکواس سن کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھ یار! بیٹھ جا"۔ حسن اسے بٹھا رہا تھا، لوگ ان کی طرف متوجہ ہو رہے تھے کیونکہ وہ دونوں سی سائیڈ پر تھے، ہر طرف گہما گہمی اور زندگی سے بھرپور چہرے تھے۔

"وہی جسے عرف عام میں م۔ح۔ب۔ت کہتے ہیں"۔ حسن نے آنکھ دبا کر کہا تو وہ گہرا سانس بھرتا بیٹھ گیا تھا، یہ تو اسے معلوم تھا کہ اسے زینب نواز سے محبت ہو چکی ہے، لیکن اس تک یہ بات کیسے پہنچائے اس کے حل کے لیے وہ حسن کے پاس آیا تھا، جو اس کی حالت کی پرواہ کیے بغیر اپنی ہانک رہا تھا۔

"ایسا کرتے ہیں پہلے زینب بھابی سے بات کرتے ہیں، تُو پہلے بھابی کو منا"۔ اس کے بھابی کہنے پر حیدر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا، وہ مسکرا رہا تھا، حیدر بھی مسکرا دیا وہ دل جیتنے کے ہنر سے واقف تھا، وہ دونوں کافی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

☆.....☆.....☆

اس نے رو رو کر اپنی حالت غیر کر لی تھی، دل کر رہا تھا کہیں سے وہ شخص اس کے سامنے آ جائے اور وہ تھپڑوں سے اس کا چہرہ سرخ کر دے، اماں کی گود میں سر رکھے وہ خلاؤں میں گھور رہی تھی، جبکہ سمیرا بھابی اسے گھور رہی تھیں۔

"دیکھ تو ذرا، اتنا سا منہ نکل آیا ہے، کھایا پیا کر، خوش رہا کر، وہ بڑے لوگ ہیں، ہم کیا کر سکتے ہیں ان کا؟" اماں کو آج اس بیٹی پر پیار آ رہا تھا۔

"نکمی اولاد پیدا کر ڈالی، ہمیں شرمیں ڈال کر کھلا ڈلا پھر رہا ہے" اب وہ بہو کو سنا رہی تھیں، وہ ایک جھٹکے سے اٹھیں اور کمرے میں جا گھسیں، اصل میں وہ بہت خوش تھیں کہ ان کے لاڈلے نے اتنے بڑے گھر کی لڑکی پر ہاتھ ڈالا ہے، وہ تو صرف شوہر کی وجہ سے خاموش تھیں، ورنہ ساس کو تو وہ خاطر میں ہی نہیں لاتی تھیں۔

☆.....☆.....☆

دھاڑ کی آواز سے دروازہ کھلا تھا کہ حسن کے ہاتھ میں موجود کافی کے کپ سے گرم کافی اس کے مضبوط ہاتھ پر چھلک پڑی تھی، حیدر شاہ نے بھی کافی حواس باختگی سے دروازے کی سمت دیکھا تھا، منزہ ضیاء کافی غصے سے ہانپتی ان کے قریب چلی آئی تھی۔

"تو مسٹر حیدر شاہ! ان اونچی لمبی عمارتوں میں بیٹھ کر باہر چلتے پھرتے لوگ کیڑے مکوڑے لگتے ہیں، آپ نے جو کیا بڑا کام کر دیا، کمزور ذات کو نشانہ بنایا اور تسکین ہو گئی تو چھوڑ دیا، آپ کی تو تسکین ہو گئی، کبھی

سوچا اس کا کیا ہو گا؟ وہ معصوم دنیا کی نظروں میں کیا ہو گی؟ یہ دنیا اور اس دنیا کے لوگ کیا سمجھیں گے اسے؟ نہیں سوچا، سوچا تو صرف اپنی بہن کو، اب جب وہ سامنے آئے تو مار دینا گولی پھر میں کہوں گی آپ واقعی میں غیرت مند بھائی ہیں، بزدل ہو تم، بزدل"۔ وہ رو رہی تھی، حسن نے مسکراتی نگاہوں سے اس شعلہ جوالہ کو دیکھا تھا، اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھتا وہ جیسے آئی تھی ویسے ہی چلی گئی جبکہ حیدر شاہ سر کو دونوں ہاتھوں میں گرا کر کرسی پر ڈھے سا گیا، حسن رضوی نے اس کے میز پر دھرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر تسلی دی تھی، جبکہ آنکھوں میں اس شعلہ جوالہ کا سراپا گھوم رہا تھا، وہ دونوں زینب کے سامنے بیٹھے تھے، میم اور حرا بھی وہیں موجود تھے، حنا اس کے ہاتھ پکڑے بیٹھی تھی، حماد گلوگیر لہجے میں مسلسل اسے کنوینس کر رہا تھا، جبکہ وہ خود خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی، سب گھر والوں نے انھیں معاف کر دیا تھا، آخر کو وہ اس گھر کا سب سے بڑا پوتا تھا، البتہ حنا کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے بھائی نے ایسا کیا ہے، زینب کی ہچکیاں بندھ رہی تھیں، وہ کیسے بتاتی انھیں، وہ انھیں کیسے بتاتی کہ ان دونوں کی وجہ سے اس کا کتنا بڑا نقصان ہو چکا ہے، وہ ساری زندگی بیٹھی روتی رہے تو بھی افسوس کم نہ ہو، اذیت ختم نہ ہو، زینب نے بے ساختہ حنا کے ہاتھ جھٹکے اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی، میم اور حرا بھی اس کے پیچھے ہی نکلی تھیں، حماد دل گرفتہ سی بیٹھی رہ گئی، نادانی میں اٹھایا گیا یہ قدم اسے پچھتاووں میں دھکیل رہا تھا، عزیز از جان دوست اور والدین جیسی ہستی تک کو کھو دیا تھا اس نے، سمیرا بیگم خوب آگے پیچھے ہو رہی تھیں اس کے، آخر کو اکلوتی لاڈلی بہو تھی ان کی، بیٹے کی من پسند اور خوبصورت۔

☆.....☆.....☆

عالیہ بیگم حیرانگی سے حسن کو دیکھ رہی تھیں، یہ کیا کہہ رہا تھا وہ، انھیں اب سمجھ آ رہا تھا کہ کیوں وہ حیدر کی غیر موجودگی میں چلا آیا تھا۔

"استغفراللہ... یہ کیا کر دیا تھا حیدر نے"۔ ان کی آواز کانپ رہی تھی۔

"اسی لیے تو آنٹی! ہم چاہتے ہیں کہ آپ باقاعدہ رشتہ لے کر جائیں ان کے گھر، غلطی ہم سے ہوئی ہے تو سدھاریں گے بھی ہم"۔ وہ انھیں قائل کر رہا تھا، انھوں نے کچھ سوچتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا حسن نے گرمجوشی سے ان کے ہاتھ دبائے تھے، وہ رات بارہ بجے گھر آیا تو پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا، وہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گیا، عالیہ بیگم جو کافی دیر سے اس کا انتظار کر رہی تھیں اس کے برابر میں آ بیٹھیں، حیدر چونکا تھا اور ماں کو دیکھ کر سر جھکا لیا۔

"کچھ پتہ بھی ہے آپ نے کیا کیا ہے حیدر! میری یہ تربیت تو نہیں تھی، ادھر حنا نے اثر دکھایا اور ادھر آپ نے مجھے خدا کے سامنے جواب دہ کر دیا، ٹھیک ہے ہماری رسوائی ہوئی، ہمیں ذلت اٹھانی پڑی، اس سب میں ہماری لڑکی خود راضی بہ رضا تھی تو کسے دکھانے اور جتانے کے لیے آپ نے اس معصوم لڑکی کے ساتھ ایسا کیا؟ آپ نے تو مجھے بہت مایوس کیا ہے حیدر!" وہ اس پر برہم ہو رہی تھیں، وہ ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"آئی ایم سوری مما! غصے میں میرا بی پی شوٹ کر گیا تھا، میں پاگل ہو گیا تھا پاپا کی حالت دیکھ کر، مجھے معاف کر دیں مما پلیز! وہ رو رہا تھا۔

"میں بہت بے چین ہو چکا ہوں مما!" عالیہ بیگم نے اسے زمین سے کھڑا کر کے بانہوں میں بھر لیا تھا۔

"اٹس فائن... سنبھالو خود کو، مجھے اذیت ہو رہی ہے جان! ہم کوشش کرتے ہیں کہ بات بن جائے"۔

☆.....☆.....☆

تیسری بیل پر گیٹ کھولا گیا تھا، گیٹ میم کھول کر انھیں اندر لے آئی تھی، وہ انھیں ڈرائنگ روم میں

بٹھا کر بابا اور دادی کو بلانے گئی تھی، عالیہ بیگم گھر کا جائزہ لے رہی تھیں، گھر مناسب اور صاف ستھرا تھا، کچن سے نکلتی حنا انھیں دیکھ کر ساکت رہ گئی تھی، دوسری طرف ان دونوں کا بھی یہی حال ہوا تھا، دوپٹہ سر پہ مضبوطی سے جمائے مہذب سی وہ لڑکی یقیناً ان کی بیٹی ہی تھی، اس نے بڑھ کر انھیں سلام کیا تھا کہ اس کی آواز بھی رندھ گئی تھی، گلے میں آنسوؤں کا گولہ جو اٹک گیا تھا، عالیہ بیگم نے بیٹی کو سینے سے لگالیا، خاور شاہ نے بھی اسے گلے لگا کر سر پر پیار کیا تھا، ان کے بھی سارے دم خم نکل چکے تھے، اولاد چیز ہی ایسی ہے، پھر وہ تو ان کی لاڈلی بیٹی تھی، قسمت میں ان کے اولاد کی خوشیاں ایسے ہی لکھی تھیں، اتنے میں گھر کے بڑے بھی آ گئے تھے، عالیہ بیگم اور خاور شاہ کی اچھی تواضع کی گئی، جو بھی تھا وہ اس گھر کے مہمان تھے عالیہ بیگم نے بات شروع کی تو سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے، بھابیوں نے ایک دوسرے کو اشارے کیے، معاملہ کچھ کچھ ان کی سمجھ میں آ رہا تھا، حنا بہت خوش تھی، ذکیہ خاتون اکڑی بیٹھی تھیں، وہ لوگ اچھی امید لے کر واپس آئے تھے، رشتہ داروں میں یہ بات آگ کی طرح پھیل گئی تھی، جب سے حادثہ ہوا تھا، بھانت بھانت کی باتیں بنائی گئی تھیں، اب بھی کچھ ایسا ہی حال تھا، بہر حال جلن شدید تھی، زینب نے رو رو کر حالت خراب کر لی تھی، میم بمشکل اسے سنبھالے ہوئے تھی۔

''دیکھ زینو! وہ اپنی غلطی کا ازالہ کر رہا ہے، پھر تُو دیکھ رشتے دار کیسی باتیں کر رہے تھے، ایسے میں کیسے منہ بند ہو گئے ہیں سب کے، سب کی خوش فہمیاں ختم کر دی ہیں، اچھا سن! بابا کہہ رہے تھے اس جمعے کو نکاح ہے، اس لیے پلیز سنبھال خود کو''۔ وہ اسے سمجھا رہی تھی، پھر جمعہ بھی آ گیا اور قریبی عزیزوں کی موجودگی میں سادگی سے ان کا نکاح ہو گیا، وہ زینب نواز سے زینب حیدر شاہ بن گئی، وہ بالکل خاموشی سے ہر مرحلے سے گزرتی چلی گئی، کسی نے بھی پوچھنا گوارا نہ کیا کہ وہ کیا چاہتی ہے، شاید سب ہی یہی چاہتے تھے کہ یہ ذلت و رسوائی کا بوجھ جلد اترے، وہ سوچ سوچ کر کڑھ رہی تھی، رشتہ داروں نے اس کے ناکردہ گناہوں کی سزا دلانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، ایسے ایسے رشتے ڈھونڈ کے لائے تھے کہ خدا کی پناہ، گھر والے تو نیم رضامندی بھی دے دیتے تھے، لیکن وہ تو میم تھی جس کی وجہ سے بچاؤ ہو جاتا تھا، وہ سب کی لاڈلی تھی اور اس کے والدین اس کی ضرور مانتے تھے، اسی کی سفارش پر وہ اب تک بچی ہوئی تھی، سب کی مشترکہ رائے یہی ہوتی تھی کہ اس سے شادی کون کرے گا، اس لیے یہی رشتہ بہتر ہے، اب جب اتنا اچھا رشتہ خود چل کر آیا تھا تو وہ انکار کیسے کر سکتے تھے۔

☆.....☆.....☆

''بم.....بم ہے یہاں بھاگیں یہاں سے، بھاگیں!'' وہ ایک معروف اسٹور پر شاپنگ کرنے آئی ہوئی تھی جب ہر طرف بھگدڑ مچ گئی، لوگ باہر کی طرف بھاگ رہے تھے، وہ بھی بدحواس ہو کر بھاگی تھی، لیکن وہ غلطی سے پچھلے آؤٹ ڈور سے نکلی تھی، سیڑھیوں پر پاؤں پھسلا تھا، اور وہ گرنا ہی چاہتی تھی جب کسی نے اسے بازو سے پکڑ کر سرعت سے اپنی طرف کھینچا تھا، وہ بے جان سی اس کے سینے سے جا ٹکرائی تھی،، زینب نے بدحواسی سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا، سیاہ گلاسز لگائے سیاہ ہی تھری پیس میں وہ اسے کوئی دیوتا لگا تھا، حسن مجسم تھا کوئی اس کے سامنے، وہ نقاب کیے ہوئے تھی، لیکن اس کی ہرنی جیسی آنکھیں اسے تک رہی تھیں، اچانک اس مجسمے میں حرکت ہوئی تو وہ کرنٹ کھا کر اس سے الگ ہوئی، حیدر شاہ نے پیچھے کی طرف اشارہ کیا تو زینب نے گردن موڑ کر دیکھا تھا، جہاں کئی فٹ گہرا ہول تھا، اس نے تشکر سے اس جادوگر کو دیکھا اور آگے بڑھ گئی تھی، لوگ اب دوبارہ مال میں داخل ہو رہے تھے،

کیونکہ آج یکم اپریل تھی اور کسی منچلے نے لوگوں کو فول بنا کر یقیناً لطف اٹھایا تھا۔

☆.....☆.....☆

''زینی! دودھ پی لو!'' میم نے کہا تو وہ اپنے خیالوں سے باہر آئی تھی اور دودھ کا گلاس تھام لیا، حیدر شاہ سے ٹکراؤ کے بعد اس نے پہلی مرتبہ کسی مرد کو سوچا تھا، کتنا کیئرنگ اور حساس لگا تھا وہ شخص اسے، اب جو حیدر شاہ نے اس کے ساتھ کیا تھا وہ اس کے لیے بہت اذیت ناک تھا، ابھی تو وہ اسے سوچنا شروع ہوئی تھی، اسے جاننے کی خواہش نے انگڑائی لی تھی، پانے کی جستجو تو دور کی بات تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ خوش تھا، بے پناہ خوش، حسن نے اسے زینب سے رابطہ کرنے کے ہزار آئیڈیاز دیئے تھے لیکن وہ اس کے روبرو ہو کر معافی مانگنا چاہتا تھا، حسن رضوی کے بار بار اکسانے پر ہی اس نے زینب نواز سے رابطہ کیا تھا، وہ اپنے ہی خیالوں میں ڈوبی اذیت کے سمندر میں ڈبکیاں لگا رہی تھی، جب بیڈ پر پڑا اس کا سیل فون چیخ اٹھا۔ انجان نمبر تھا، اس نے اٹھانا مناسب نہ سمجھا، لیکن مسلسل بیلز نے اسے اٹھانے پر مجبور کر دیا، دوسری طرف کی گمبھیر سی آواز سن کر وہ ساکت رہ گئی، وہ اس شخص کی دیدہ دلیری پر حیران تھی، وہ معافی مانگ رہا تھا، اپنی غلطی کا ازالہ چاہتا تھا۔

''جسٹ شٹ اپ! تم کیا سمجھتے ہو، یوں معافی مانگ لینے سے تم بری الذمہ ہو جاؤ گے، میں تمہیں معاف کر دوں گی؟ مجھے حاصل کر کے بڑا کام کر لیا''۔ وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی، حیدر سخت بے چین ہو گیا تھا، دل نئی اذیت سے چیخ گیا تھا۔

''زینی! پلیز مت روئیں، مجھے اذیت ہو رہی ہے''۔ وہ بے بسی سے بولا تو زینب نے سیل دیوار پر دے مارا تھا، بستر پر گرے وہ اوندھے منہ سسک رہی تھی، وجود میں نارسائی کا دھواں بھرنے لگا، اذیت کا سمندر بپھرا اور وہ ڈوبتی چلی گئی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ مر گئی ہو، بیٹھے بیٹھے دل کرتا ہر چیز تہس نہس کر دے، روئے، چیخے، چلائے اور فضا میں گہرے گہرے سانس لے، وہ مر ہی تو گئی تھی، اس شخص کے ہاتھوں ذلیل ہوئی تھی جسے اس کے دل نے انتہائی معتبر مقام پر رکھا تھا، اس دیوتا کا بت ٹوٹا تھا تو زینب نواز کا دل بھی جیسے ٹوٹ گیا تھا، لیکن نہیں، اسے اپنے دل کی ہی تو سمجھ نہیں آ رہی تھی، اسے محسوس ہوتا کہ اس کا اپنا دل بالکل بھی ساتھ نہیں دے رہا تھا، یک طرفہ محبت کا سوگ و روگ کیا کم تھا جو اس سنگدل نے اس تابوت میں آخری کیل ٹھونکنا بھی ضروری سمجھا تھا، گھر میں زینب کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے، شاہد حسین اس صورت حال کے دوران شدید بے چین تھا، کنول بھابی اور ثناء تو اس کایا پلٹ پر آگ میں جاگری تھیں، وہ تو بس موقع کے تلاش میں تھیں، وہ دونوں ثناء کے لیے حماد کو سوچتے تھے، شاہد حسین گرم دماغ کا تھا، اس لیے اب تک زینب کو معاف نہیں کر سکا تھا، اوپر سے بیوی بھی ہمہ وقت بھڑکائے رکھتیں، اس فیملی کو تو زینب سے اللہ واسطے کا بیر ہو گیا تھا، کافی منت سماجت کرنے کے بعد میم حیدر شاہ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو پائی تھی۔

☆.....☆.....☆

آج میم بڑی فرصت سے اسے لے کر حیدر شاہ کی بتائی ہوئی مطلوبہ جگہ پر آئی تھی، اس نے حیران ہو کر میم کو دیکھا تھا جو بے بسی سے کندھے اچکا کر رہ گئی تھی، وہ ابھی پوری طرح سے حیران بھی نہ ہو پائی تھی کہ سامنے گاڑی سے نکلتے شخص کو دیکھ کر دھک سے رہ گئی۔

''میں شاپنگ سے واپسی پر آپ کو لیتی جاؤں گی''۔ میم کی آنکھوں میں پتہ نہیں کیا تھا، زینب کو شدید غصہ آیا، وہ اسے اس شخص کی خاطر دھوکہ دے کر

لائی تھی، اسے یقین نہیں آرہا تھا، اس نے شعلہ بار نظروں سے سامنے کھڑے حیدر شاہ کو دیکھا، کتنا سکون تھا اس کے چہرے پر۔

''اوہ...تو یہ گھٹیا پلاننگ تمہاری تھی، تم سمجھتے کیا ہو خود کو، سب کو اپنی طرف کر کے مجھے اکیلے پن کا احساس دلا کر اپنی اہمیت جتاؤ گے تو یہ تمہاری بھول ہے''۔ وہ کانپ رہی تھی۔

''مجھے ان سب کی نہیں تمہاری ضرورت ہے، صرف تمہاری، میرا خدا جانتا ہے زینب! میں بہت فیئر سا بندہ ہوں، پاپا کی حالت دیکھ کر اور پھر پتہ نہیں کیا ہوا، غصے میں تمہیں میں نے رسوائی میں دھکیل دیا، پھر مجھے احساس ہوا اور میرے ضمیر نے مجھے بار بار ملامت کی، ادھر دیکھو میری طرف''۔ وہ رخ موڑے کھڑی تھی جب حیدر نے ہاتھ بڑھا کر اپنی طرف موڑنا چاہا تھا۔

''دور رہو مجھ سے، تم ایک گھٹیا اور چھوٹی ذہنیت کے مرد ہو، آئی ہیٹ یو''۔ وہ چلائی تھی، حیدر شاہ کی آنکھوں میں سرخیاں اترنے لگیں، وہ ایک کیئرنگ اور حساس شخص تھا، اس میں ایک خامی تھی کہ بلا کا شدت پسند تھا، غصے و انتقام میں اٹھایا گیا قدم اسے پچھتاوے دے رہا تھا، وہ زینب سے محبت کرتا تھا بے حد بے تحاشہ، اس کے سرکل میں کئی لڑکیاں تھیں، وہ جس کے سامنے کھڑا تھا وہ اسے سب سے منفرد لگی تھی، لیکن وہ اس سے نفرت کرتی تھی، یہ سوچ اسے پاگل کر رہی تھی، وہ تو ہمیشہ چاہا گیا تھا لیکن وہ جسے چاہتا تھا وہ اسے نہیں چاہتی تھی، اس کی نظروں میں اس کی وقعت ہی نہیں تھی۔

''تم مجھے سزا دینا چاہتی ہو ناں؟'' وہ سرد و سپاٹ لہجے میں پوچھ رہا تھا، زینب نے کوئی جواب نہ دیا اور رخ پھیرے کھڑی رہی، اسے محسوس ہو رہا تھا، اگر اس نے حیدر شاہ کی سمت نگاہ کی تو وہ پلٹنا بھول جائے گی اور دل بغاوت پر آمادہ ہو جائے گا۔

''ٹھیک ہے میں اس کے لیے تیار ہوں، بتاؤ میں کیا کروں؟ اس کھائی میں کود جاؤں؟'' اس نے تھوڑے فاصلے پر موجود گہری کھائی کی طرف اشارہ کیا اور آگے بڑھنے لگا۔ زینب کو حقیقی معنوں میں اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی، وہ دہل کر رہ گئی، حیدر شاہ جنونی ہو رہا تھا، بادامی آنکھوں میں غضب کی لالیاں تھیں، وہ بدحواس ہو کر اس کے پیچھے بھاگی تھی۔

''حیدر! رک جاؤ''۔ وہ اتھل پتھل ہوتی سانسوں کے درمیان بولی تھی لیکن وہ نہ رکا۔

''حیدر! پلیز تمہیں میری قسم''۔ وہ پوری قوت سے چلائی تھی اور گاڑی سے لگ کر نیچے بیٹھ گئی، حیدر نے فوراً مڑ کر اسے دیکھا تھا اور بھاگ کر اس کے پاس آیا تھا، وہ رو رہی تھی، حیدر نے اسے بازو سے پکڑا تو وہ اس کے سینے پر کے برساتی سینے سے لگ گئی تھی، وہ روتی رہی اور وہ اس کی ریشمی زلفیں سہلاتا رہا تھا۔

''تم ایسا کچھ نہیں کرو گے، تمہیں میری قسم! مم...مجھے پتہ نہیں چل رہا حیدر! مجھے کیا ہو رہا ہے، میں خود کو بے بس فیل کرتی ہوں''۔ وہ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامے کہہ رہی تھی وہ بے خود سا اسے دیکھے گیا، ستواں ناک میں سجی وائٹ نوز پن اور سایہ فگن پلکیں وہ بہت پیاری تھی۔

''میں برا ہوں ناں، میں بہت برا ہوں''۔ وہ بچوں کی سی معصومیت سے بولا تو زینب نے اثبات میں سر ہلا دیا، وہ حیدر شاہ سے محبت کرتی تھی، محبت کو پانا یا اقرار کرنا اس جیسی حالات کی سہمی ہوئی لڑکی کے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا، وہ تو زندگی کے بنیادی حقوق سے محروم تھی، پھر محبت تو بہت دور کی بات تھی۔

☆.....☆.....☆

گھر میں شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے، زرد رنگ کے شلوار قمیض اور پھولوں کے زیورات سے سجی سنوری زینب بہت کھل رہی تھی، سفید کلف

کے شلوار قمیض میں حیدر شاہ بھی سب کی توجہ کا مرکز تھا، شہر کے معروف ہوٹل میں تقریب ارینج کی گئی تھی، پوری تقریب کے دوران حسن اور میم نے خوب ایک دوسرے کو آنکھیں دکھائی تھیں، دراصل طارق روڈ پر شادی کی شاپنگ کے دوران دونوں کی ٹھن گئی تھی، اب پھر وہی دشمنی عود کر آئی تھی، رخصتی دو روز بعد تھی، سب تیاریاں مکمل تھیں، ثناء کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کچھ کر ڈالے اس کا ذاتی خیال تھا کہ پھپھو خوب ہنگامہ کرے گی اور بالآخر حنا کو اس گھر سے نکلوا کر ہی رہیں گیں، لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوا تھا، دونوں ماں بیٹیاں اندر ہی اندر خاک ہوئی جا رہی تھیں، اب تو سب سے بڑا پتہ ان کے ہاتھ لگ گیا تھا، میم اور زینب کے درمیان حیدر شاہ سے ملاقات اور زینب کی حیدر شاہ سے خاموش محبت کا فسانہ پتہ نہیں کیسے ثناء نے سن لیا تھا، اس طرح ماں نے یہ بات شوہر کے کان میں ڈالی کہ بہن مظلوم نہیں بلکہ شاطر ہے اور انھیں اپنی مرضی سے انگلیوں پر نچا رہی ہے، شاہد حسین وہیں کھڑے کھڑے بھڑک اٹھا تھا، کسی کو معلوم نہیں تھا کہ تقریب کے دوران وہ کیا گل کھلا چکی ہیں۔

''ہماری عزت خاک میں ملا دی اس لڑکی نے ضیاء بھائی! میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا''۔ شاہد بہت غصے میں تھا۔

''آہستہ بات کرو اور زیادہ تماشا کرنے کی ضرورت نہیں، اگر زینو کو مار دیا ناں تو لوگ سو باتیں بنائیں گے، رسوائی ہماری ہوگی، وہ تو دفن ہو جائے گی، پھر تو سوچ ہماری بیٹیوں کا کیا ہوگا؟ کون آئے گا انھیں بیاہنے؟ ویسے بھی وہ نحوست کل اس گھر سے ٹلنے والی ہے''۔ ضیاء اسے سمجھا رہا تھا، وہ سر جھٹکتا ہوا باہر نکل گیا، جیسے یہ سب اسے گوارا نہیں، انھوں نے حنا کو کچھ نہیں کہا تھا کیونکہ وہ بڑے گھر کی لڑکی تھی اور ان کے سب سے بڑے وارث کی من پسند، رہ گیا زین....تو وہ مرد تھا اور مردوں سے یہ فضول پوچھ گچھ کرنا وہ ضروری نہیں سمجھتے تھے، ان کی ساری تان زینب پر ٹوٹ رہی تھی، ریڈ بھاری لہنگے اور بھاری زیورات سے آراستہ وہ کسی موم کی گڑیا جیسی لگ رہی تھی، ساری دنیا سے بے خبر وہ موت کو شکست دے کر نئی زندگی کی طرف لوٹی تھی، حیدر شاہ اس کا نازک سا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں دبائے دیوانوں کی طرح اسے دیکھے جا رہا تھا، دودھ پلائی کی رسم میں اسے زہر دیا گیا تھا، شاہد حسین نے اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کی پوری کوشش کی تھی، حجلہ عروسی میں ہی وہ بے سدھ ہو گئی تھی، لیکن فوری ٹریٹمنٹ سے اسے بچا لیا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ولی بہت اچھل رہا تھا، ایئرپورٹ پر خاصی رونق تھی، وہ دونوں بیٹے کی تو تلی باتوں پر مسکرا رہے تھے، میم اور حسن اپنی دو سالہ بیٹی کے ہمراہ ایبروڈ سے واپس آرہے تھے، حنا اور زین کمپنی کی طرف سے دیئے گئے گھر میں شفٹ ہو گئے تھے، البتہ شاہد لوگوں سے ان کی فیملی نے بائیکاٹ کر لیا تھا، اپنی پھپھو کے ساتھ کی گئی زیادتیوں نے زین کو بہت دل برداشتہ کر دیا تھا، حیدر کو بھی زینب نے بمشکل ٹھنڈا کیا تھا، وہ اس کے بھائی کے خلاف کارروائی کرنے کو مچل رہا تھا، البتہ باقی فیملی زینب سے ملنے آتی رہتی تھی، حرا میڈیکل کے تیسرے سال میں تھی، سلمٰی نے آرمی جوائن کر لی تھی، حیدر شاہ نے ان کا بھرپور ساتھ دیا تھا، پانچ سال گزرنے کے باوجود حیدر شاہ کی محبت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی، حنا اور زینب کی دوستی بھی ہو گئی تھی، حنا کی دو جڑواں بیٹیاں تھیں، زینب اکثر سوچتی کہ اس کے ساتھ ہوئے حادثات میں بھی خدا کی مصلحت پوشیدہ تھی، حسن اور میم اُچکے تھے وہ دونوں آگے بڑھ کر ان سے ملنے لگے، زندگی سے بھرپور ان کے قہقہے ماحول کو گرما رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

سعدیہ عابد

قسط نمبر 19۔

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جاناں

"میرا ان کے ساتھ یہاں آنا اتنا بھی ضروری نہ تھا، میری مرضی کے خیال سے ہی ممی منع کر دیتیں لیکن نہیں، اوپر سے وہ مجھے ماہ ولاز لے گئے، صرف اپنی ضد پوری کرنے کے لیے، آپ خود بتایئے

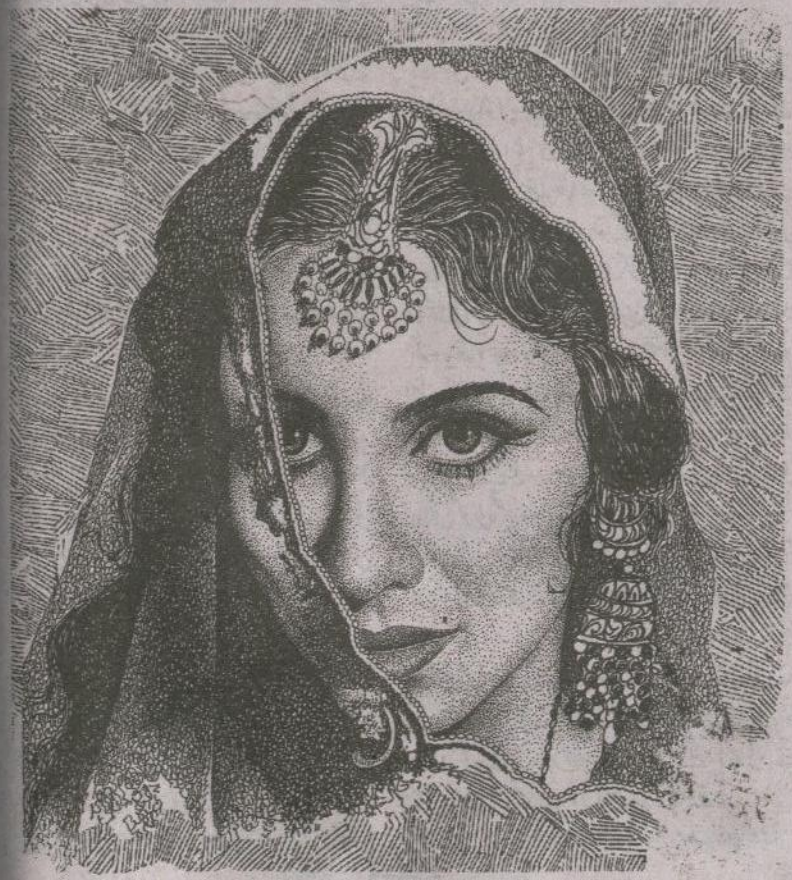

اس فراک میں کیا برائی تھی، جو انھوں نے مجھے یوں پارٹی میں نہ لانے کی دھمکی دے کر یہ ساڑھی پہننے پر مجبور کر لیا"۔ وہ سوں سوں کر رہی تھی کہ اس سے بھی کسی نے کچھ بائے فورس نہیں کروایا تھا، اس کا ذہن و دل اس وقت بری طرح ہرٹ ہوئے تھے کہ اول تو وہ نکاح کے لیے ہی بمشکل راضی ہوئی تھی اور نکاح کے بعد جس طرح اس کو باؤنڈ کیا جا رہا تھا، ہر جگہ جس طرح اس کی چل رہی تھی، اس کی ناپسندیدگی بڑھ رہی تھی کہ اپنوں کی چاہت اور توجہ نے اسے خود پسند بنا دیا تھا، اور آج اس کی انا بری طرح متاثر ہوئی تھی کہ وہ تو ان لوگوں میں سے تھی کہ نرمی و پیار سے جان بھی مانگ لو تو دے دیں اور غصہ و زبردستی سے ایک تنکا بھی دیتے ہوئے اپنے اندر خالی پن محسوس کرنے لگے اور وہ بھی اپنے اندر خالی پن اترتا بہت کچھ ٹوٹتا محسوس کر رہی تھی کہ اس کی زندگی میں وہ واحد تھا، جس کے سامنے اس کو جھکنا پڑ رہا تھا، جس کے سامنے اس کے اپنے اسے جھکا رہے تھے، اس کی مان کر اسے ڈی گریڈ کر رہے تھے اور یہ ساری سوچیں اس کی حد درجے خود پسندی و حساسیت کا سبب تھیں۔

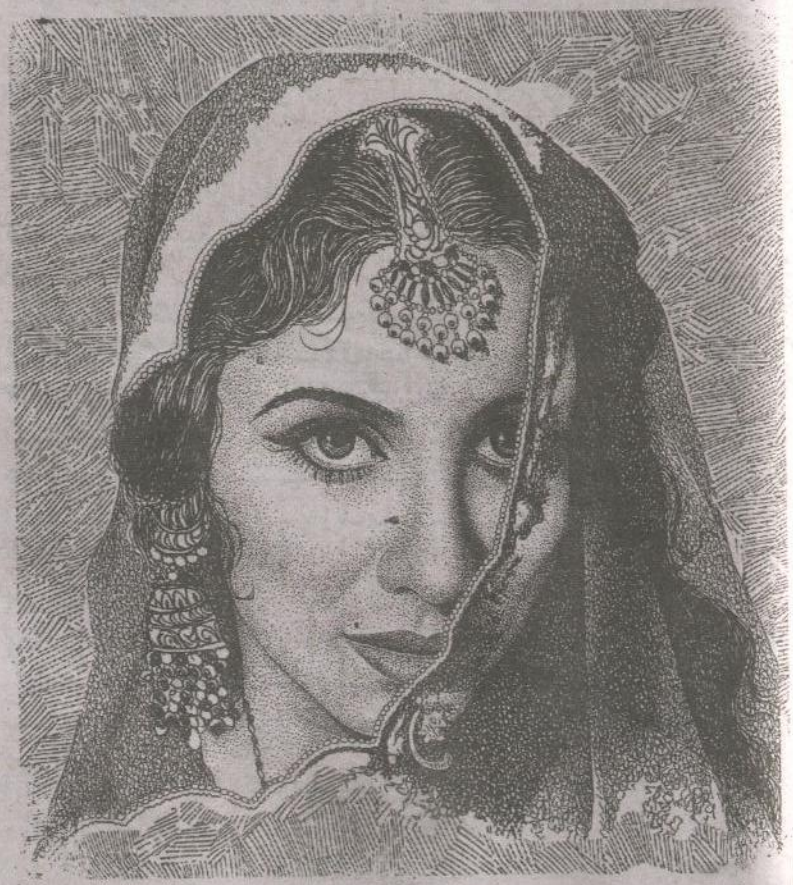

"میں ارحم بھیا کو اس سب کے لیے کبھی معاف نہیں کروں گی، مجھے لگتا ہے آپی! جیسے ارحم بھیا نے اپنی قسم دے کر مجھے قربان کر دیا ہے، باقی لڑکیوں کی شادی ان کی پسند و رضا سے ہوئی ہے اور میری شادی میں میری کوئی مرضی شامل ہی نہیں ہے، اور وہ شخص جب ابھی اپنی بات کو مقدم رکھتا ہے تو کیا آگے میری بات کی اہمیت ہوگی؟ میری ذات کی نفی ہو رہی ہے، میری شخصیت آپ سب نے ایک زبردستی کا رشتہ جوڑ کر مسخ کر دی ہے"۔ وہ بے تحاشہ رو رہی تھی، اس شخص سے ہی نہیں اس کی وجہ سے باقی اپنوں سے بھی بہت ناراض تھی، بدگمان ہو رہی تھی، اور سب سے زیادہ ناراض وہ ارحم الحسن سے تھی، جیسے ہی اس پر نگاہ پڑی وہاں سے نکلنے کو تھی کہ وہ اس کا ہاتھ تھام گیا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ وہ اسے دیکھ کر ٹھہرے گی نہیں اسی لیے زمین کو چپ رہنے کا اشارہ کر دیا تھا اس نے اس سے آج بات تک نہیں کی تھی، مگر جب اس نے اسے Wish کیا تھا، اپنی تمام تر ناراضی کے باوجود تو وہ اس کے صاف دل اور اچھی فطرت کا قائل ہوتا نرمی سے مسکرا دیا تھا وہ اتنی ہی سچی، دوسروں کی خوشیوں کا خیال رکھنے والی تھی کہ اس نے جان کر کبھی کسی کو زک نہیں پہنچائی تھی۔

"جہاں تک میں دیکھ رہا ہوں جو میں محسوس کر رہا ہوں، وہ تم اپنی ناراضی کے چلتے نہ دیکھ سکتی ہو نہ ہی محسوس کر سکتی ہو"۔ نہایت نرمی سے کہہ کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

"کنعان! کو تمہارے لیے پرفیکٹ پا کر ہی تمہارا اس سے رشتہ جوڑا ہے اور میں اپنے لیے فیصلے سے تمہاری ناراضی کے باوجود مطمئن ہوں کہ میں تمہیں خوش و مطمئن دیکھنا چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تم کنعان کے ساتھ خوش رہو گی، وہ شخص تمہیں بہت چاہت سے رکھے گا"۔ وہ نہایت نرمی و سنجیدگی سے پرشفقت لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"میری ذات، میری مرضی، میری انا کو متاثر کر کے خوش رکھیں گے تو کیا فائدہ؟ جنت سے ان سے رشتہ قائم ہوا ہے، میری ذات پس پشت جا رہی ہے، مجھے بہت بڑی خوشی نہیں چاہیے ارحم بھیا! میرے لیے میری مرضی سے میری خواہش کے مطابق حاصل ہونے والی معمولی خوشی انمول خزانے سے بڑھ کر ہے کہ میں نے تو ہمیشہ صرف گزرتے پل کو اہم جانا ہے، آپ نے میری بڑی خوشی کے خیال سے چھوٹی چھوٹی سی خوشیاں مجھ سے چھین لی ہیں، سب سے بڑی بات آپ سب نے مجھ سے میری پسند، میری مرضی کا حق چھین لیا ہے، جس لڑکی کو کبھی آئسکریم ناپسندیدہ فلیور کی کھانے کے لیے مجبور نہیں کیا گیا، اس کا جیون ساتھی ایک ناپسندیدہ شخص کو بنا دیا گیا ہے، جس لڑکی کی مرضی کے خلاف کبھی اسے کچھ نہیں دلایا گیا، کہیں نہیں لے جایا گیا، اسے زبردستی کبھی ڈنر کے لیے بھیجا جاتا ہے تو کبھی پارٹی میں، اس لباس میں، میں چاہے کتنی ہی اچھی لگ رہی ہوں، مگر مجھے اپنا آپ پرایا لگ رہا ہے کہ یہ میری چوائس نہیں ہے، یہ ریشمی قبا مجھے زبردستی پہنائی گئی ہے، میں کہیں نہیں ارحم بھیا! اور ایسے میں مر جاؤں گی، اپنی ذات کی نفی کر کے جینے والے جی لیتے ہوں گے، میں نہیں جی سکتی، میرا چند ماہ میں دم گھٹنے لگا ہے اور یوں ہی چلتا رہا تو میرا دم نکل جائے گا"۔ وہ بری طرح رو رہی تھی، وہ دونوں ہی کیا ماہ کنعان عابدی بھی ساکت رہ گیا تھا کہ اسے وہ خود پسند و شدت پسند لگی ضرور تھی، مگر اس حد تک تو اس کے تصور میں بھی نہ تھا، اس کا لفظ لفظ اس کے دل میں پیوست ہو گیا، اس کے آنسوؤں نے اس کے دل کی سرزمین جل تھل کر ڈالی تھی، جس میں اسے اپنی ذات بہتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

"اسجد! آخر تم نے سوچا ہوا کیا ہے؟ یہ روز روز تم آفس سے جاتے کہاں ہو؟" نوید عالم کی بات پر وہ گڑبڑا گیا تھا۔

"روز کہاں ابو! بس کبھی کبھار دوستوں کی طرف چلا جاتا ہوں"۔ ان کی خشمگیں نگاہیں خود پر جمی محسوس کرتے ہوئے دھیمے سے کہا تھا کہ خاموش بھی نہیں رہ سکتا تھا۔

"توقیر کے علاوہ تمہارا کوئی دوست نہیں ہے اور توقیر بھی کچھ ماہ قبل لاہور شفٹ ہو گیا ہے، تو اب یہ نیا دوست کون ہے، منہ سے بتاؤ گے یا میں کچھ کہوں؟" اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ اس کی طرف سے اتنے بھی غافل نہ تھے۔

"ابو! انسان کی کئی مصروفیات، کئی دوست ہوتے ہیں، اب ہر بات، ہر دوست کی تفصیل تو آپ لوگوں کو نہیں دے سکتا"۔ خفت اور دل کا چور چھپانے کو اس نے خفگی و دبے دبے غصے کا سہارا لیا تھا۔

"تفصیل ہمیں جاننی بھی نہیں ہے، مگر تم یہ مت بھولو کہ تم کوئی چھڑے چھانٹ نہیں ہو، شادی شدہ مرد ہو، اپنی ذمے داریوں کو سمجھو، شادی کو ڈیڑھ سال ہونے کو ہے، اور مجال ہے جو ہم نے تمہیں مائدہ بیٹی کو کہیں لے جاتے دیکھا ہو، یا اس سے گھر میں ہی سیدھے منہ بات کرتے دیکھ لیا ہو"۔ وہ درشتگی سے کہتے اسے بے طرح چونکا گئے تھے اور اسے رات کی گفتگو یاد آنے لگی تھی کہ مائدہ کو میکے لے کر جانا تھا، مگر وہ بھول گیا تھا اور رات گئے جب وہ اپنی من چاہی بیوی کے ساتھ وقت گزار کر لوٹا تھا، اسے بیٹھے بیٹھے صوفے پر سوتے دیکھ کر شرمندہ ہو گیا تھا کہ اس کی تیاری سے ہی لگ رہا تھا کہ وہ جانے کو تیار تھی اور انتظار کرتے کرتے ہی سو گئی تھی، وہ تھی بھی گھر میں اکیلی نوید عالم کے کسی جاننے والے کے ہاں شادی تھی، جانا بہت ضروری تھا اس لیے وہ سب وہاں چلے گئے تھے اور اس نے فیور ہونے کی وجہ سے معذرت کی تھی اور راشدہ کی تسلی کے لیے کہ وہ اسے اکیلے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھیں، اس لیے اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ الحسن ہاؤس چلی جائے گی، اسجد مگر بھول گیا تھا اور فون پر یاد دلانے کے باوجود وہ دیر سے لوٹا تھا کہ اسے اطمینان تھا گھر میں کوئی نہیں، اس لیے وہ جواب طلبی سے بچ جائے گا، مگر اپنی اس قدر ناقدری پر وہ ضبط کھو بیٹھی تھی، وہ ہمیشہ کی طرح غصے میں بھی شائستگی کا دامن تھامے رہی تھی اور وہ جو ماں باپ کے ڈر سے آواز نیچی ہی رکھتا تھا، غصے میں آپے سے باہر ہی ہو گیا تھا، نہ صرف اس کو اس کی اوقات بتائی تھی بلکہ غصے میں اس کے اپنا قصور پوچھنے کے جرم میں ہاتھ تک اٹھا لیا تھا، اور اسے یہی لگا تھا کہ مائدہ نے ہی ان سے کچھ کہہ دیا ہے، جو وہ جواب طلبی کر رہے ہیں، یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، اس کی ساری بکواس ان دونوں میاں بیوی نے اپنے کانوں سے سنی تھی، جہاں اس کی کم ظرفی و بدنصیبی پر غصہ و افسوس ہوا تھا، وہیں مائدہ کا مقام ان کے ذہن و دل میں اور بلند ہو گیا تھا، وہ تو اسی وقت جواب طلبی کرتے کہ راشدہ انھیں زبردستی کمرے میں لے گئی تھیں، وہ نہیں چاہتی تھیں کہ جس عزت نفس کی حفاظت اور مقام کے لیے وہ ڈیڑھ سال سے اذیت میں تھی، وہ بڑھ جائے اس کا بھرم چکنا چور ہو جائے۔

"آپ سے مائدہ نے کچھ کہا ہے؟" لہجے سے زیادہ اس کی نگاہوں میں اشتعال تھا۔

"اس نے کچھ کہنا ہی ہوتا تو ڈیڑھ سال سے مشق ستم نہ بن رہی ہوتی، ہم سب نے محسوس کیا، دیکھا مگر آنکھوں کے ہوتے ہوئے اس امید پر اندھے بن گئے کہ تم اس لڑکی کو فراموش کر کے ایک دن بیوی کو چاہت سے اپنا لو گے، مگر ہمیں اندازہ بھی نہ تھا کہ تم اس حد تک بھی مائدہ بیٹی کے ساتھ برا کر سکتے ہو"۔

راشدہ نے بھی غصے و ناراضی کا اظہار کیا تھا۔

''کیا برا کر رہا ہوں میں آپ کی لاڈلی بہو کے ساتھ؟ اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا ہوں، اسے کس چیز کی کمی ہے؟'' وہ ادب ملحوظ رکھتے ہوئے ماں سے بولا تھا، ورنہ غصہ تو اتنا آ رہا تھا کہ اگر سامنے اصل فساد کی جڑ ہوتی تو وہ آج تو کچھ کر ہی ڈالتا۔

''عزت اور محبت کی کمی ہے اسجد! مائدہ دنیاوی آسائشات پر مرنے والی لڑکی نہیں ہے، بیوی ہے تمہاری، اسے چاہت و خلوص تو کیا دیتے اس کے بنیادی و ازدواجی حقوق سے ہی تم نے محروم کر رکھا ہے۔'' اس کے غصے کو محسوس کرتیں وہ بھی اشتعال میں آ گئی تھیں کہ رات سے ہی وہ پریشان تھیں، مائدہ کی تکلیف کا احساس انھیں بے چین کیے ہوئے تھا اسی لیے وہ نرمی کا دامن چھوڑ گئی تھیں اور وہ.... اس کا تو غصے سے برا حال ہونے لگا تھا، اس نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لی تھیں، اسے مائدہ سے ایسی امید نہیں تھی کہ وہ ان کے آپسی تعلقات کی کیاں، محرومیاں سب سے کہہ دے گی، اس نے ماں سے بے ساختہ ہی نظریں چرائی تھیں ان کی ملامتی نگاہیں اسی پر جمی تھیں۔

''اور آفرین ہے اس بچی پر جس نے اف تک نہ کیا، نہ رویے سے نہ انداز اور نہ ہی زبان سے کبھی کچھ کہا نہ اظہار کیا''۔ ان کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی تھی۔

''اس نے کچھ نہیں کہا تو آپ لوگوں پر نعوذ باللہ وحی نازل ہو گئی ہے؟ ہمارے آپسی تعلقات کیسے ہیں یہ آپ لوگوں کو کیسے پتہ چلا؟'' وہ اپنی خجالت و شرمندگی مٹانے کو غصے کا اظہار کر رہا تھا۔

''رویے بہت کچھ سمجھا دیتے ہیں اسجد! مگر ہم نے آنکھوں دیکھی مکھی نگلی، تم پر بھروسہ کیا، تم سے آس لگائی جو ان کے مفہوم و مطالب بھی نہیں جانتا، مگر ہم تمہیں بہت کچھ سمجھا چکے، بہت ڈھیل دے چکے فیصلہ کر لو آج ابھی اسی وقت کہ تم نے مائدہ کے ساتھ زندگی گزارنی ہے یا نہیں؟'' وہ غصے سے پھنکارے تھے۔

''یہ سوال بہت جلدی نہیں پوچھ لیا آپ نے؟'' اس نے طنز سے ہنکارا بھرا تھا۔

''میں اب تک مجبوری میں آدھے ادھورے نام نہاد رشتے نبھاتا رہا ہوں، جبکہ مائدہ سے مجھے نہ کل دلچسپی تھی، نہ آج ہے اور نہ ہی میرا ارادہ ہے، فیصلہ لیکن میں نے نہیں آپ نے کرنا ہے کہ شادی زبردستی کروائی تھی اب اس کو خود ہی انجام دے دیں گے تو اچھا ہوگا''۔ وہ ہر لحاظ بالائے طاق رکھتا صاف گوئی کی انتہاؤں کو پہنچا ہوا تھا۔

''ہاں کرنا تو مجھے ہی کچھ پڑے گا، مگر تم اس غلط فہمی میں مت رہنا کہ تم مائدہ بیٹی کی زندگی برباد کر کے اس لڑکی کو جسے چاہتے ہو آباد کر لو گے، مائدہ سے نہیں اس گھر سے، ہم سب سے تمہارا رشتہ ختم ہوگا، تمہیں میں عاق کر دوں گا، کہ اس گھر کی بہو صرف مائدہ ہے، اور میری آخری سانس تک وہی رہے گی''۔ وہ کف اڑا رہے تھے اور وہ مارے تذلیل و اہانت کے سلگ اٹھا تھا، جبکہ وہ ایک قہر آلود نگاہ اس پر ڈالتے وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے۔

''امی! آپ ابو سے کہہ دیجیے گا انھوں نے جو کرنا ہے کر لیں کہ میں مائدہ کو نہیں اپنانے والا اور مجھے ضرورت بھی نہیں ہے میں جسے چاہتا تھا شادی کر چکا ہوں اور مجھ میں اتنا دم ہے کہ یہاں سے نکل کر نوید عالم کے عاق کر دینے پر نہ خود بھوکا مروں گا نہ بیوی اور بیٹی کو ماروں گا''۔ جبکہ وہ تو اس کی باتوں میں ہونے والے انکشاف پر ہی اٹک گئی تھیں۔

فضائل قرآن

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

★ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف کو سیکھے اور سکھائے۔

★ حق سبحانہ وتقدس کا یہ فرمان ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف کی مشغولی کی وجہ سے ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی، میں اس کو سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ شانہ کے کلام کو سب کاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ خود حق تعالیٰ شانہ کو تمام مخلوق پر۔

★ حسد دو شخص کے سوا کسی پر جائز نہیں۔ ایک وہ جس کو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن شریف کی تلاوت عطا فرمائی اور دن رات اس میں مشغول رہتا ہے دوسرے وہ جس کو حق سبحانہ نے مال کی کثرت عطا فرمائی اور وہ دن رات اس کو خرچ کرتا ہے۔

★ حق تعالیٰ شانہ اس کتاب یعنی قرآن پاک کی وجہ سے کتنے ہی لوگوں کو بلند مرتبہ عطا کرتا ہے اور کتنے ہی لوگوں کو پست و ذلیل کرتا ہے۔

★ قیامت کے دن صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن شریف پڑھتا جا اور بہشت کے درجوں پر چڑھتا جا۔ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا۔ بس تیرا مرتبہ وہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے۔

★ جو شخص ایک حرف کتاب اللہ کا پڑھے اس کے لئے اس حرف کے عوض ایک نیکی اور ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے برابر ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سارا (الم) ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف، میم ایک حرف ہے۔

★ جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے اسکے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا جسکی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ ہوگی اگر وہ آفتاب تمہارے گھر میں ہو۔ پس کیا گمان ہے تمہارا اس شخص کے متعلق جو خود عامل ہے۔

★ جس شخص نے قرآن پڑھا پھر اس کو حفظ یاد کیا اور اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت میں داخل فرمادیں گے اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمادیں گے جس کے لئے جہنم واجب ہو چکی ہو۔

★ جس شخص کے قلب میں قرآن شریف کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں وہ بمنزل ویران گھر کے ہے۔

★ دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسا کہ لوہے کو پانی لگنے سے زنگ لگتا ہے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ ان کی صفائی کی کیا صورت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ موت کو اکثر یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔

★ تم لوگ اللہ جل شانہ کی طرف رجوع اور اس کے یہاں تقرب اس چیز سے بڑھ کر کسی اور چیز سے حاصل نہیں کر سکتے جو خود حق سبحانہ سے نکلی ہے یعنی کلام پاک۔

★ جو شخص ایک آیت کلام اللہ کی سنے اس کیلئے دو چند نیکی لکھی جاتی ہے اور جو تلاوت کرے اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔

★ کلام اللہ کو آواز سے پڑھنے والا علانیہ صدقہ کرنے والے کے مشابہ ہے اور آہستہ پڑھنے والا خفیہ صدقہ کرنے والے کی مانند ہے۔

★ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کلام پاک سے بڑھ کر کوئی سفارش کرنے والا نہ ہوگا نہ کوئی نبی نہ فرشتہ وغیرہ۔

★ اگر تو صبح کو جا کر ایک آیت کلام اللہ شریف کی سیکھ لے تو نوافل کی سو 100 رکعات سے افضل ہے اور اگر ایک باب علم کا سیکھ لے خواہ اس وقت وہ معمول بہ ہو یا نہ ہو تو ہزار رکعات نفل پڑھنے سے بہتر ہے۔

★ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو اطلاع دی کہ بہت سے فتنے ظاہر ہوں گے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ان سے خلاصی کی کیا صورت ہے انہوں نے کہا کہ قرآن شریف۔

"مائدہ سے شادی سے 2 ماہ قبل میں نے یسریٰ سے شادی کر لی تھی، اب تو میری ایک 2 ماہ کی بیٹی بھی ہے، بتا دیجیے گا ابو کو، اور وہ اپنے فیصلے پر قائم رہے تو میں یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلا جاؤں گا، مگر ان کی لاڈلی بھتیجی و بہو کو اب آزاد تو کسی صورت میں نہیں کروں گا اور جتنی تذلیل اس کے سبب میری ہوئی ہے سود سمیت بدلہ نہ لیا تو میرا نام بھی اسجد عالم نہیں"۔ وہ انکشاف کے صدمے سے نہ نکلی تھیں کہ اس کی دھمکی، آنکھوں سے نکلتے شعلے وہ یکدم ہی دہل گئی تھیں۔

"تم یہ ہمیشہ یاد رکھنا اسجد! مائدہ تم باپ بیٹے کی ضد و غصے میں بے قصور ہی پس رہی ہے، وہ معصوم سیدھی بچی اس نے ہم سے ایک لفظ نہیں کہا، ہم نے ساری حقیقت اپنے کانوں....!" وہ کہہ رہی تھیں مگر وہ رکا کب، گھر سے ہی نکل گیا تھا اور ماں کو ساری حقیقت بتا چکا تھا، اس لیے اب اسے کسی بات کا ڈر بھی نہ تھا، کہ وہ فیصلہ بھی کر چکا تھا، یسریٰ کے ساتھ مستقل رہنے اور مائدہ کو اذیت بھری ناآسودہ زندگی دینے کا فیصلہ، اس لیے وہ رات گھر نہیں آیا تھا، دوسرے دن ماں کے فون کرنے پر وہ منہ بنائے جس وقت گھر میں داخل ہوا تھا، گھر میں صرف حنین اور مائدہ ہی تھیں وہ دونوں بہنیں اور نوید عالم کچھ گھنٹے قبل ہی اپنی خالہ کی میت میں نوابشاہ چلے گئے تھے۔ مجبوراً اسے ہی کال کر کے گھر پہنچنے کو کہا تھا کہ انھیں واپسی میں دیر بھی ہو سکتی تھی۔ ایسے میں مائدہ اور حنین گھر میں اکیلے نہیں رہ سکتی تھیں، راشدہ نے تقریباً دن کے ڈھائی بجے اسے فون کیا تھا، مگر وہ رات کے 9 بجے گھر میں داخل ہوا تھا۔ مائدہ آنے والے بے رحم وقت سے انجان اپنی سادگی اور معصومیت کے ساتھ اس کے سامنے تھی۔

"کھانا لے آؤں آپ کے لیے؟" اس کے پاس گھر کی چابی تھی، وہ لاک کھول کر کب آیا تھا وہ اس لیے انجان تھی کہ وہ حنین کے کمرے میں تھی، دونوں نے مل کر انڈین مووی "من" دیکھی تھی جو مائدہ کی پسندیدہ فلم تھی جو وہ کئی بار دیکھ چکی تھی، مگر جیسے اس کا دل ہی نہیں بھرتا تھا، سچی، بے لوث محبت اس کے دل کی محرومیوں کو بڑھا دیتی تھی، مگر وہ اپنی زندگی سے مایوس نہ تھی کہ اس نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ رکھا تھا، اور اللہ نے ہی اس کی زندگی میں مزید مشکلات رکھی تھیں کہ کچھ لوگ بہت بانصیب بھی ہوں تو آزمائش کی بھٹی سے گزرتے ہیں۔

اپنے خیالوں میں گم اسجد آواز پر چونکا اور اسے دیکھ کر اسے اپنی کل کی بے عزتی، ماں باپ کی نگاہوں میں ناچتی نفرت وحقارت یاد آئی تھی۔ اس کی آنکھیں یکدم ہی سرخ ہوئی تھیں۔

"تم نے امی ابو سے کیا بکواس کی ہے؟" کڑے تیوروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا، وہ پریشان ہوئی تھی کہ کسی بھی بات کا اس کے فرشتوں کو بھی پتہ نہ تھا کہ کل لنچ ٹائم میں راحم اسے گھر لے گیا تھا اور آج چھوڑ گیا تھا وہ زیادہ تر میکے بھائیوں کے آسرے پر ہی جایا کرتی تھی، وہی لانے لے جانے کی ذمے داری اٹھائے ہوئے تھے، انھیں برا لگتا بھی تھا تو وہ بہن کا منہ دیکھ کر خاموش رہتے تھے، اور ان کی خاموشی میں فریدہ کا سارا ہاتھ تھا کہ وہ کچھ نہ جانتے ہوئے اپنی ممتا کے محسوسات کے ساتھ اس کے بھرم رکھنے کے مشن میں نہ صرف خود شامل ہوئی تھیں، شوہر اور بیٹوں کو بھی کر لیا تھا۔

"نہیں، میں نے تو بڑی مامی اور ماموں جان سے کچھ نہیں کہا، مگر میں سمجھی نہیں کہ آپ بات کس بارے میں کر رہے ہیں؟" وہ اس کے لہجے وگھورتی آنکھوں سے خائف ہوتی دھیمے لہجے میں بولی تھی۔

"شٹ اپ مائدہ! بہت بن چکیں تم معصوم مگر مزید نادان وانجان بننے کی کوشش کی تو میں تمہیں جان

سے ماردوں گا"۔ وہ اس کے قریب آتے ہوئے دھاڑا تھا، وہ بے ساختہ لرز کر کچھ قدم دور ہوئی تھی، اس کی آنکھوں سے نکلتے شعلے، لبوں سے اگلتے انگارے اس کا چہرہ زرد کر گئے تھے کہ وہ پرسوں رات کی بے عزتی بھولی نہیں تھی، زندگی کا پہلا تھپڑ اس بے صبر سنگدل شخص کے ہاتھوں کھا چکی تھی اور گھر میں کسی بڑے کا نہ ہونا اس کے اوسان خطا کر دینے کو کافی تھا، وہ اس بے حس، غصیلے شخص سے کچھ کچھ واقف ہو ہی گئی تھی، وہ غصے میں تو کچھ سوچتا ہی نہ تھا کہ اپنے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں اشتعال کی نظر کر دیتا تھا۔

"جواب دو مجھے تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی ہمارے آپسی تعلقات کی نوعیت ابو اور امی کو بتانے کی؟" اس نے لرزتی ہوئی مائدہ کا بازو جکڑا تھا اس کی چیخ کیا نکلی تھی، اس کا اشتعال دگنا ہو گیا تھا۔

"میں نے سچ میں کسی سے کچھ نہیں کہا، آپ میرا ہاتھ چھوڑیں، مجھے تکلیف ہو رہی ہے"۔ رخساروں پر موتی گرنے لگے تھے اور وہ منمنائی تھی کیونکہ اس کی انگلیاں اسے اپنے بازو میں گڑھتی محسوس ہو رہی تھیں، اس کی گرفت اشتعال آمیز و جارحانہ تھی۔

"جھوٹ بولو گی تو یہیں کھڑے کھڑے زمین میں گاڑھ دوں گا"۔ وہ نفرت سے کہہ اٹھا تھا۔

"بنتی تو کتنی بھولی ہو، اور ایثار پسند، مشرقی عورت ہو، اور جب تمہاری مشرقیت اور بھرم رکھنے کی ادائیں کہاں مر گئی تھیں جو تم ہمارے ازدواجی تعلقات کی نوعیت ابو کو بتا رہی تھیں؟" حقارت سے کہتے ہوئے اشتعال آمیز تاثرات کے ساتھ اس کے بازو کو جھٹکا دیا تھا۔

"پہلے ہی کہا تھا ناں میں نے تو، کہ میری قربت کی خواہش ہے تو مجھ سے کہو، یہ چور دروازے تلاش کر کے سرعام اشتہار لگا کر تم ثابت کیا کرنا چاہتی ہو؟" الزامات کی بھی کوئی انتہا تھی، وہ کھڑے کھڑے اسے ذلت کے پاتال میں اتار گیا تھا۔

"زبان سنبھال کر بات کریں اسجد! میں کچھ ثابت نہیں کرنا چاہتی اور نہ ہی میں نے چور دروازے ڈھونڈے ہیں، اللہ گواہ ہے آپ کے پیرنٹس تو کیا میں نے کبھی اپنے پیرنٹس کو بھی کچھ نہیں بتایا کہ میں اتنی بے حیا نہیں ہوں کہ اتنی گھٹیا باتیں اپنے بزرگوں سے کرتی پھروں، آپ اپنے دماغ کا علاج کروائیں، الزامات کی خوش فہمی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے"۔ وہ ایک جھٹکے سے اپنا بازو آزاد کرواتی شدتوں سے روتی کہہ رہی تھی، آج تو اس نے ڈیڑھ سالوں میں کی توہین کو تین سے ضرب دے کر اسے اتنا ذلیل کر ڈالا تھا کہ اس کے وجود میں کانٹے اگ آئے تھے، اور وہ چیخ پڑی تھی، غصے سے اسے دیکھ رہی تھی جو اس قابل تھا ہی نہیں کہ وہ اپنے سچے جذبات اس کے نام کرتی اس کے دل میں موجود اس کی محبت پھڑ پھڑانے لگی تھی، آزادی کی التجا کرنے لگی تھی کہ محبت بھی اتنی ذلت کہاں سہہ پاتی ہے۔

"مجھے آپ کی قربت کی خواہش کبھی نہیں رہی اور آپ کو یہ خوش فہمی لاحق ہوئی بھی تو کیسے، بتایئے مجھے کب میں آپ کے آگے بن ٹھن کے پھری؟ کب آپ کو اپنی اداؤں سے لبھایا؟ آپ نے اگر مجھے دھتکار دیا تو میں نے بھی آپ کو پانے، حاصل کرنے کی کوشش نہ کی، کہ مجھے اپنی عزت نفس اور انا دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر عزیز ہے اور میں اپنے مقام سے نہیں گر سکتی، آپ مجھے اپنی طرح گرا ہوا نہ سمجھیں کہ جب میں نے اپنے جائز مطالبات کے لیے آپ کے آگے آواز بلند نہ کی تو چور دروازے ڈھونڈنے کی بھی مجھے کوئی ضرورت نہیں، اگر میں آپ کے لیے غیر اہم ہوں تو آپ بھی میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے، آپ اگر مجھے بیوی نہیں سمجھتے تو مجھے بھی آپ کو زبردستی اپنا شوہر بنانے کی کوئی ضرورت نہیں، میں یہاں صرف اپنے

پیرنٹس کے لیے ہوں ان کو دکھ سے بچانے کے لیے مجبوری کے آدھے ادھورے رشتے نبھا رہی ہوں، لیکن اب مزید نہیں کہ اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے، میں اب یہاں آپ کے ساتھ آدھے ادھورے رشتے جوڑ کر نہیں رہوں گی، چلی جاؤں گی میں یہاں سے"۔ وہ رو رہی تھی، سسک رہی تھی، بے تاثر نگاہوں سے اس کے لہو رنگ چہرے کو دیکھ رہی تھی، یکدم وہاں سے جانے کو پلٹی تھی وہ وہاں سے اس شخص کے سامنے سے اس کی نفرت و حقارت بھری تذلیل چھلکاتی نگاہوں سے دور چلی جانا چاہتی تھی۔

"تم یہاں سے جانا تو دور سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں تمہیں یہاں سے جانے نہیں دوں گا"۔ اس نے اس کی گلابی چوڑیوں سے سجی دودھیا نرم کلائی تھام کر اسے اپنی اور کھینچا تھا اور اس کی سرخ نمناک آنکھوں میں جھانکتا کہہ رہا تھا۔

"تم نے نہیں کہا کچھ، میں نے نہیں بتایا کچھ، ان لوگوں کو کیسے معلوم ہوا، اور یہ سلسلہ آگے بڑھے مجھ پر میری مردانگی پر سوال اٹھیں، اس سے پہلے ہی مجھے اس سارے قصے کو ختم کرنا ہو گا"۔ اس کا سرد لہجہ اس کے وجود میں سنسنی سی دوڑا گیا تھا اس نے چند قدم پیچھے لے کر اس سے فاصلہ قائم کیا تھا، کلائی آزاد کروانا چاہی تھی مگر اس کی گرفت بھی بلا کی مضبوط تھی، اور اس کی نازک گلابی کانچ کی چوڑیاں اس کی گرفت کی نظر ہونے لگی تھیں۔

"نہ خواہش تمہیں ہے، نہ ہی کوئی آرزو میرے دل میں پنپ رہی ہے، مگر وہ کہتے ہیں ناں کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے، وقت حسین ہے، رات بھی خوبصورت ہے، تم بھی جواں ہو حسیں ہو، کچھ میں بھی تو اس معصوم حسن کے جلوے دیکھ لوں، کچھ اپنے کمالات دیکھ لوں کہ قربتیں ضروری تو نہیں ناں کہ ہمیشہ من چاہی ہوں"۔ وہ اس کے لفظوں پر غور کرتی اس کی جسارتوں پر بند باندھتی، لرزتی، سسکتی اپنی پوری جان لگا کر اپنی کلائی آزاد کرواتی دروازے کی طرف بڑھی تھی کہ اس نے اسے بازو سے تھام کر بیڈ کی طرف دھکیل دیا تھا، وہ اوندھے منہ بیڈ پر گری تھی، مگر اس کی حسیات بڑی تیزی سے کام کر رہی تھیں، وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں سیدھی ہوئی تھی اور اس کو دیکھنے لگی تھی، جس نے شرٹ کے بٹن کھولے بنا دونوں ہاتھوں سے شرٹ کی بٹن پٹیوں کو یوں کھینچا تھا کہ سارے بٹن ٹوٹ کر بکھر گئے تھے اور اس نے شرٹ اتار کر صوفے پر اچھال دی تھی، وہ اس کے تیوروں سے خوفزدہ ہوتی بیڈ سے اتری تھی۔

"دل میں تمہارے لیے جگہ نہیں تو کیا ہوا مائدہ! تمہیں اپنے پہلو میں تو جگہ دے ہی سکتا ہوں کہ بات اب مردانگی تک جا پہنچی ہے اور کیا پتہ تم ادائیں دکھاؤ تو میں تم پر تمہارے اس سادہ حسن پر دل بھی وار دوں"۔ وہ ہوش و حواس سے بیگانہ لگ رہا تھا، اس پر خود کو برتر ثابت کرنے کی دھن سوار ہو گئی تھی، وہ اپنے معیار اور اخلاقیات سے نیچے گر گیا تھا، اور وہ خود کو پاتال میں دھنستا محسوس کرنے لگی تھی، اس کی مضبوط گرفت میں بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپتی رہائی کے لیے فریاد کناں ہو گئی تھی۔

"پلیز اسجد! آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں، چھوڑ دیں مجھے، جانے دیں خدا کے لیے، میں مر جاؤں گی، یوں میری تذلیل نہ کریں، میری نسوانیت تار تار نہ کریں"۔ وہ رو رہی تھی، سسک رہی تھی، مگر وہ جیسے آنکھوں کے ہوتے اندھا ہو گیا تھا، اس کی بے بسی اس کی تڑپ نہیں دیکھ سکتا تھا، کانوں کے ہوتے بہرہ ہو گیا تھا کہ اس کی فریاد اس کا بلکنا، التجائیں کرنا کچھ بھی اس کے کانوں تک نہیں جا رہا تھا کہ اس کے تمام احساسات ہی فی الوقت مردہ ہو چکے تھے، اس کو صرف اپنی مردانگی ثابت کرنی تھی اور اس سب میں وہ اس

کانچ سی حساس لڑکی کو پتھر بنا گیا تھا اس کی سسکیاں دم توڑنے لگی تھیں، اور پھڑ پھڑاتی محبت دم آخر کو پہنچ کر جان کنی کے سخت مرحلے سے گزرنے لگی تھی، محبت پر چڑھی حسین قبا بدنما ہوگئی تھی، تار تار ہوگئی تھی، روح بے قبا ہوگئی تھی اور اس تار تار قبا سے اس کے آنسو پھسلتے جا رہے تھے، کہ جسم کی بے قبائی تو سب دیکھ لیتے ہیں مگر روح سے قبا چھین بھی لی جائے تو سب انجان ہی رہتے ہیں کہ روح کی بے قبائی دیکھنے کو حساس دل، شفاف آنکھیں چاہیے ہوتی ہیں اور بھرے شہر میں اجنبیوں اور اپنوں کے جھمگٹے میں اس کو کوئی ایسا نظر نہیں آتا تھا، جو اس کی روح کو قبا عطا کر کے پھر سے زندہ کر دیتا۔

ہم نے تو تصور بھی نہ کیا تھا جاناں!
کہ جب احساسات کی بند قبا کھلنے لگے گی
ہم اندر سے فنا ہو جائیں گے
جسم پر تو سجی ہوگی اطلس و کمخواب کی قبا
مگر روح بے قبا ہو جائے گی
ہمارے احساسات، ہمارے جذبات جاناں
ہماری زیست، ہماری خواہشات جاناں
روح کی بے قبائی پر خون روتی ہیں
اس طرح کھلتی ہے محبت کی بند قبا جاناں
تو کبھی نہ کھلتی بند قبا جاناں!
ہم حبس و نفرت کی سیاہ قبا ہی پہنے رہتے
روح تو نہ ہوتی بے قبا جاناں!
کبھی نہ ملتی احساس کو قبا جاناں
کبھی نہ کھلتی احساس کی بند قبا جاناں!

☆.....☆.....☆

''پاپا! میں مائدہ... مجھے آپ کی ضرورت ہے پلیز آپ مجھے آ کر لے جائیں''۔ اس کی بھیگی درد میں ڈوبی آواز ڈرائیونگ کرتے یوسف الحسن کو پریشان کر گئی تھی اور انھوں نے جیسے ہی گاڑی بیک کی تھی، فریدہ انھیں سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی تھیں۔

''مائدہ کا فون تھا، کچھ پریشان لگ رہی تھی اور رو بھی بہت رہی تھی''۔ انھوں نے دھیمے سے کہا تھا اور وہ مضطرب ہوگئی تھیں۔

''مائدہ نے آپ سے کچھ تو کہا ہوگا؟'' ان کا دل تو کل سے ہی گھبرا رہا تھا اور بار بار نجانے کیوں بیٹی کا ہی خیال آ رہا تھا اور مجبوری سی مجبوری تھی کہ وہ خالہ کی فوتگی میں نواب شاہ گئی ہوئی تھیں، اس لیے بیٹی سے رابطہ بھی نہ کر سکی تھیں اور راستے میں ہی تھیں کہ ان کی گھبراہٹ کا سبب مل گیا تھا۔

''نہیں اس نے کچھ نہیں کہا اس کی آواز بہت بھاری ہو رہی تھی، جیسے وہ روتی رہی ہو۔ میرا دل بیٹھ رہا ہے کہ نجانے کیا ہو گیا ہے بھائی صاحب اور بھابی بھی گھر میں نہ تھے، آج کل حالات بھی ٹھیک نہیں آپ بس دعا کریں کہ ہماری بیٹی خیریت سے ہو''۔ وہ دونوں ہی پریشان اور دل میں ہزار خدشے لیے جس پل

کاشانۂ عالم پہنچے وہ لوگ انھیں دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے کہ ان کی گاڑیاں آگے پیچھے ہی تو نواب شاہ سے کراچی پہنچی تھیں۔

''مائدہ کہاں ہے بھابی؟'' انھوں نے چھوٹتے ہی راشدہ سے پوچھا تھا۔

''کچھ دیر پہلے ہی ہم پہنچے ہیں، مائدہ سے تو ملے بھی نہیں ہیں، اپنے کمرے میں ہوگی، تم آرام سے بیٹھو! میں حنین سے کہہ کر بلوا لیتی ہوں اسے یہیں پر''۔ راشدہ سادگی سے بتاتے ہوئے حنین کو دیکھ کر بولی تھیں، مگر انھوں نے حنین کو روکا تھا اور کھڑی ہوگئی تھیں۔

''میں خود دیکھ لیتی ہوں''۔ اب تو وہ تینوں بھی پریشان ہو گئے تھے۔

''بات کیا ہے فریدہ! سب خیریت تو ہے؟'' نوید عالم پریشانی سے پوچھ رہے تھے تو انھوں نے مائدہ کے فون کا بتایا اور مائدہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں اور راشدہ بھی ان کے پیچھے ہی حیران پریشان سی بڑھی تھیں اور باقی رہ جانے والے یوسف الحسن اور نوید عالم کی نگاہیں حنین پر جم گئی تھیں کہ گھر میں وہی تو تھی، مگر اس نے نگاہیں چرائیں اور وہاں سے نکل گئی۔ فریدہ نے دروازے پر دستک دی تھی اور کوئی جواب نہ پا کر آواز لگائی تھی، ماں کی آواز سن کر اس نے دروازہ کھولا تھا، ماں کے سینے سے لگی جو رونا شروع ہوئی تھی ان دونوں کی ہی جان نکال لے گئی تھی۔

''مائدہ! میری جان! کیا ہوا ہے، کیوں اس طرح رو رہی ہو، بتاؤ مما کو؟'' وہ بہت مشکل سے پوچھ رہی تھیں کمرے کی حالت بھی ابتر تھی اور وہ یوں ٹوٹی بکھری لگ رہی تھی کہ فریدہ کا کلیجہ منہ کو آنے لگا تھا۔

''مما! پلیز مجھے یہاں سے لے جائیں''۔ وہ سسکیوں کے درمیان بولی تھی وہ بھابی کو دیکھنے لگی تھیں کہ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھیں اور راشدہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی بہت کچھ سمجھ رہی تھیں، اس لیے ان کی پریشانی فریدہ سے سوا تھی کہ ان کے اندازے فی الحال معمولی تھے اور جس نہج پر جا کر وہ سوچ رہی تھیں، قدموں تلے سے زمین سرکتی محسوس ہو رہی تھی۔

''مائدہ بیٹا! رو نہیں اور تسلی سے بتاؤ کہ بات کیا ہے؟ کیا اسجد سے جھگڑا ہوا ہے؟ اس نے کہا تم سے کچھ؟'' وہ اس کے چہرے پر آئے نم بالوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے بولی تھیں۔

''مما! اس شخص نے کچھ نہیں بہت کچھ کہا، میری ذات کا غرور چھین لیا، میں مر رہی ہوں مما! اس کمرے میں مجھے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا ہے، مگر میں یہاں مرنا نہیں چاہتی، مجھے یہاں سے لے جائیں، مجھے یہاں مرنے سے بچا لیں مما!'' وہ بولی نہیں تھی اپنی اذیت کا کچھ حصہ بیان کرتی ان دونوں کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لے گئی تھی، اور وہ یوں بکھر کر تڑپ تڑپ کر روئی تھی کہ سنگدل سے سنگدل بے مہر سے بے مہر پتھر کا سینہ شق ہو جاتا اور وہ تو پھر ماں تھیں، اس کو خود سے لگائے رونے لگی تھیں، راشدہ نے اگر دیوار کا سہارا نہ لیا ہوتا تو وہ پورے قد سے نیچے آ گرتیں یہ اور بات تھی کہ وہ اپنی نظروں سے ہی گر گئی تھیں اور وہ ماں کے سینے سے لگی روتے بلکتے اپنے حواس کھونے لگی تھی، ان دونوں کے ہی اس کے بے ہوش وجود کو دیکھ کر ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے، اور وہ سب ہی ہاسپٹل کے کاریڈور میں پریشانی سے کھڑے تھے اور اس کی زندگی کے لیے دعا گو تھے، جو زندہ رہنے کی ہر آس، ہر چاہت کو ہی ذات کی سیاہی میں دفنا چکی تھی، اس کے اعصاب بکھر گئے تھے اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا، گیارہ گھنٹوں سے وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں تھی، سب اس کی حالت سے پریشان اس کا سبب جاننا چاہتے تھے اور راشدہ نے روتے ہوئے خون ہوتے دل، مٹی میں

مل جانے والی تربیت کی تکلیف کو بھلائے اس باوقار وانا پسند، بھرم رکھتے رکھتے بکھر جانے والی لڑکی کا بھرم سب کے سامنے رکھ لیا تھا، اس کی ذات کو تشہیر سے بچالیا تھا، اسجد اپنے عمل پر نادم نہ تھا، وہ خود کو غلط نہیں سمجھ رہا تھا، مگر جب اسے مائدہ کے ہاسپٹل میں ہونے کا پتہ چلا تھا، ندامت کا احساس اس کے ہر احساس پر حاوی ہو گیا تھا اور اسی کے زیر اثر اس نے اپنا بھرم بھی تو رکھنا تھا، ہاسپٹل پہنچا تھا، نوید عالم نے کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر اس پر ہاتھ اٹھایا تھا اور وہاں سے دفع ہو جانے کو کہا تھا، اس کی ندامت پر ہونے والی بے عزتی حاوی ہو گئی تھی اور وہ وہاں ٹھہرا نہ تھا اس کو دیکھ کر فریدہ اور یوسف الحسن نے کسی قسم کا ری ایکشن ظاہر نہیں کیا تھا کہ ان کی حسیات تو بیٹی کی جانب مرکوز تھیں، ان کا تو رواں رواں اس کی صحت یابی کے لیے دعا گو تھا، گیارہ گھنٹے چوبیس گھنٹوں میں منتقل ہو گئے تھے، ارحم الحسن بھی پنڈی سے آ گیا تھا اور ان سب کی دعائیں ہی تھیں کہ روح کے مردہ ہو جانے کے باوجود اس کے وجود میں زندگی کی لہر دوڑ گئی تھی وہ نہ چاہتے ہوئے بھی موت کو شکست دے گئی تھی کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

☆.....☆.....☆

''مما! اس سب کی ذمے دار صرف آپ ہیں، آپ سے کتنی بار کہا تھا ناں میں نے کہ مائدہ کچھ پریشان لگتی ہے، وہ شادی کے بعد خوش نہیں ہے، اس نے ہنسنا مسکرانا چھوڑ دیا ہے، وہ اداس رہنے لگی ہے، مگر آپ نے میرا وہم کہہ کر ٹال دیا، نہ آپ نے خود بات کی نہ مجھے کرنے دی، اسجد نے میری بہن کی زندگی تباہ کر دی اور میں اب کسی کا بھی منہ دیکھ کر خاموش نہیں رہوں گا، اسجد کو جواب دینا ہوگا کہ اس نے جب شادی کی ہوئی تھی تو مائدہ سے شادی کیوں کی؟ کیوں میری بہن کو موت کے دہانے تک لے گیا اور یا خدا میری بہن کو کچھ ہوا تو میں اسجد کو جان سے مار دوں گا''۔ وہ بہن کی حالت دیکھ کر تڑپ اٹھا تھا کہ وہ شخص رشتوں سے محبت کرنے ان کا احترام کرنے والا تھا، خود سے وابستہ کسی بھی انسان کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا اور مائدہ کے لیے تو وہ پریشان رہا تھا، ماں سے اپنی پریشانی بانٹی بھی تھی، خود مائدہ سے پوچھا تھا مگر کہیں سے بھی اس کی تسلی نہ ہوئی تھی، اب انکشاف ہوا تھا کہ مائدہ سے شادی سے پہلے ہی اس نے شادی کی ہوئی تھی، اس کی ایک بیٹی بھی ہے اور یہی انکشاف مائدہ کو موت کے دہانے تک لے گیا۔ راشدہ کے علم میں یہ بات تھی مگر انھیں کیا پتہ تھا کہ جو بات وہ کسی کے سامنے کہہ نہیں پا رہیں، وہ سب کو نہ صرف بتائیں گی بلکہ اس کے ذریعے ہی کتنے لوگوں کا بھرم رہ جائے گا۔

''پلیز ارحم! کچھ الٹا سیدھا مت کر بیٹھنا کیوں کہ میں پہلے ہی پریشان ہوں''۔ ماں کو روتے دیکھ کر وہ نرم پڑ گیا تھا۔

''آئی ایم سوری مما! بٹ مائدہ کی حالت مجھ سے نہیں دیکھی جاتی، اس کے ہم سب مجرم ہیں، وہ دکھی تھی، پریشان تھی اور ہم سب اپنی زندگی میں مگن رہے''۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

''میں اپنی زندگی میں مگن نہیں تھی، مائدہ نے مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا، میرے پوچھنے پر بھی نہیں، اس نے مجھ سے صرف اتنا کہا تھا (مما! آپ کے محسوسات غلط نہیں ہیں، میں خوش نہیں ہوں، لیکن میں خدا کی ذات سے مایوس نہیں ہوں، مجھے یقین ہے کہ میری زندگی سہل ہو جائے گی اور جب مجھے یقین ہے تو کیوں میں اشتہار لگا کر سب کی ہمدردیاں سمیٹوں کہ مجھے اپنی انا بہت عزیز ہے، کوئی مجھ سے سوال کرے، یہ مجھے نہیں پسند، اور بتانے سے تکلیف راحت تو نہیں بنے گی ناں، اس لیے میرا بھرم قائم رہنے دیں، نہ آپ سوال

کریں نہ کوئی اور... ارحم بھیا سے بھی کہہ دیں کہ میں اپنی زندگی سے مطمئن ہوں، اور میرے نصیب میں خوشیاں ہوں گی تو وہ بھی مل جائیں گی کہ مکمل جہان تو کسی کو بھی نہیں ملتا) یہ سب کہا تھا مائدہ نے اسی لیے میں خاموش رہی، تمہیں بھی رہنے کو کہا کہ مائدہ بہت حساس لڑکی ہے، اپنی عزت نفس اور وقار اسے ہمیشہ عزیز رہا، اسجد کا رویہ ٹھیک نہیں تھا، توجہ، محبت کچھ نہیں دیا اس نے، مگر وہ سہہ گئی مگر یہ نہ سہہ سکی کہ اس کا شوہر ہی اس کا نہیں ہے''۔ وہ بیٹے کے کاندھے سے لگیں بری طرح رو رہی تھیں، وہ احساس جو وہ کبھی بیٹے سے تو کیا شوہر سے بھی نہیں کہہ سکتی تھیں، وہی احساس ان کو خون کے آنسو رلا رہا تھا، بیٹی کی ناقدری پر وہ تڑپ رہی تھیں، مگر کہہ نہیں سکتی تھیں۔

☆.....☆.....☆

''تڑاخ...!'' اسجد تو اس کو اپنے فلیٹ پر دیکھ کر ہی حیران تھا کہ اس کے عمل پر ساکت رہ گیا تھا۔

''یہ تھپڑ میں نے تمہیں مائدہ کا بھائی بن کر نہیں مارا ہے کہ اس کا بھائی بن کر تم سے جواب طلبی کرنے پر آؤں، تو تمہیں جان سے ہی مار دوں''۔ وہ بہت اذیت زدہ لہجے میں کہتا اس کو ہی نہیں یسریٰ کو بھی ششدر کر گیا تھا۔

''تم پر کتنا بھروسہ کیا تھا اسجد! اور تم نے ہم سب کا بھروسہ توڑ دیا''۔ کہتے ہوئے نگاہ یسریٰ پر پڑی تھی۔

''یہی لڑکی تھی ناں جس کا ایکسیڈنٹ تمہاری گاڑی سے ہوا تھا، تم اس کے لیے کتنا پریشان تھے، میرے ذہن میں کتنے ہی سوال اٹھے تھے، مگر تم پر شک نہیں کیا''۔ وہ اس پر سے نگاہ ہٹا گیا تھا، جو دو ماہ کی بچی گود میں لیے ساکت و شرمندہ سی کھڑی تھی۔

''اتنا تو با اختیار تھا ناں کہ اپنی اپروچ کے ذریعے تمہاری انکوائری کروا لیتا، مگر میں نے کچھ نہیں کیا، تمہاری زبان پر بھروسہ کیا جبکہ اگر تم مجھ سے کہتے ناں اسجد! کہ یہ لڑکی تمہاری محبت ہے، تمہاری محبت میں جان دینے چلی تھی، تو میں خود تمہاری اس سے شادی کرواتا، لیکن تم نے ہم سب سے جھوٹ بولا، ہمیں دھوکا دیا، ہماری بچی کی زندگی برباد کر دی، اس سے محبت تھی، شادی بھی کر لی تھی تو کیوں کی مائدہ سے شادی؟ اور شادی کر لی تھی تو کیا کمی تھی اس میں جو اسے خوش نہ رکھ سکے؟ تم پہلے انسان تو نہ تھے ناں جس نے دو شادیاں کی تھیں تو پھر کیوں میری بہن کو اس نہج تک لے گئے ہم آج کتنے بے بس ہیں کہ کچھ نہیں کر سکتے، تمہیں بددعا نہیں دے سکتے، ماموں جان سے جواب طلبی نہیں کر سکتے، تم نے اپنی کمزوری سے رشتوں کو سوال بنا دیا ہے، تم اتنا سب کچھ کر کے بھی یہاں مطمئن سی خوشگوار زندگی گزار رہے ہو، موت سے لڑ کر تو میری بہن آئی ہے، نظریں تمہارے والدین چراتے پھر رہے ہیں، ماموں جان کتنے دکھی ہیں، تمہارے کیے کی معافی وہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر مانگ رہے ہیں اور تم اپنی زندگی میں مگن ہو''۔ ارحم الحسن کا لہجہ بھیگا ہوا تھا اور وہ صحیح معنوں میں آج خود کو زمین میں گڑھتا محسوس کر رہا تھا، ان سب کی اعلیٰ ظرفی نے اسے کتنا حقیر بنا دیا تھا، وہ ارحم کو دیکھ رہا تھا جو اس وقت بھی اس تک اس لیے نہیں پہنچا تھا کہ اس نے اس کی بہن کو تکلیف پہنچائی تھی، اس لیے آیا تھا کہ وہ خود اپنے کیے کی معافی مانگے تاکہ اس کے پیرنٹس کو کسی سے معافی نہ مانگنی پڑے۔

''تمہارے کیے کسی بھی عمل میں ماموں جان اور بڑی مامی کا قصور نہیں ہے، اس لیے یہاں چھپ کر بیٹھنے سے بہتر ہے کہ سب کا سامنا کرو، زندگی کا فیصلہ کر لو، میں نہیں چاہتا کہ تمہاری وجہ سے ماموں جان معافی مانگیں کہ تم بے حس ہو گئے ہو، ہم میں ابھی انسانیت بھی باقی ہے اور رشتوں کا احترام بھی''۔ وہ ایک

غصہ ونفرت بھری نگاہ اس پر ڈالتا جیسے آیا تھا، ویسے ہی چلا گیا تھا اور اسے لگا تھا کہ وہ خود سے اب کبھی نظر نہیں ملا پائے گا، اسے احساس جرم ہو گیا تھا جو اسے ساری عمر ہی بے چین رکھتا، کہی ہوئی بات اور کیا ہوا عمل لوٹایا نہیں جا سکتا تھا۔

☆.....☆.....☆

"آپ لوگ کیوں ہر دوسرے دن میری ذات کی پنچایت لگا کر بیٹھ جاتے ہیں؟" دھیمے لہجے میں نپا تلا بولنے والی مائدہ شعلہ جوالہ بنی ان دونوں کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی، محض پندرہ دنوں میں وہ بالکل ہی نچڑ کر رہ گئی تھی۔ زرد چہرہ، آنکھوں کے نیچے گہرے سیاہ حلقے اس کو دیکھ کر راشدہ کے دل کو کچھ ہوا تھا وہ تین دن بعد جب ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر الحسن ہاؤس آئی تھی، اس کے بعد اس نے کاشانہ عالم کے کسی مکین سے سامنا نہیں کیا تھا، یہاں تک کہ حنین کو بھی اپنے سامنے سے دفع ہو جانے کو کہہ دیا تھا اور ذرا ذرا سی بات پر منہ پھلا لینے والی حنین نے ایک لفظ نہیں کہا تھا وہ اپنے دل میں اسجد کے لیے نفرت محسوس کرنے لگی تھی۔

"میں تم سے بہت شرمندہ ہوں مائدہ! ہو سکے تو ہمیں معاف کر دینا"۔ وہ رو رہی تھیں۔

"آپ لوگوں کی شرمندگی میرے دکھوں کا مداوا نہیں بن سکتی، میرا کھویا مان، میری ذات کا غرور نہیں لوٹا سکتی، تو مجھے کیا ضرورت ایسی شرمندگی کی؟ مجھے نہیں چاہیے آپ کی شرمندگی اور نہیں کرنا مجھے کسی کو بھی معاف، آپ اور ماموں جان ہی میری بربادی کے ذمے دار ہیں، آپ لوگوں نے ہی جانتے بوجھتے میری شادی اس شخص سے کروائی جو مجھ سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتا تھا، اور میں آپ کو اور ماموں جان کو کبھی معاف نہیں کروں گی"۔ شائستگی کی اعلیٰ مثال مائدہ اس وقت بدتمیزی کا نمونہ لگ رہی تھی، الحسن ہاؤس کے در و دیوار بھی اس کے تیز لہجے پر حیران تھے کہ وہ بھی تو اس کے نرم میٹھے لہجے کے عادی تھے۔

"تمیز سے بات کرو مائدہ! حالات کچھ بھی کیوں نہ ہوں، ہم تمہیں اپنے سے بڑوں کی توہین کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے"۔ وہ بیٹی کی حالت سمجھتی تھیں، اس کے باوجود سختی سے سرزنش کر گئی تھیں، راشدہ کا دھواں دھواں چہرہ انھیں شرمندہ کر گیا تھا اور وہ لوگ ان کے اور نوید عالم کے سبب ہی تو خاموش تھے کہ وہ کیسے بھی حالات میں بڑے بھائی اور بھابی کو شرمندہ یا بے عزت ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھیں، اسی لیے وہ لوگ نہ چاہتے ہوئے بھی اعلیٰ ظرفی دکھا گئے تھے۔ نم آنکھوں سے جب ہاتھ جوڑ کر نوید عالم نے ان دونوں میاں بیوی سے معافی مانگی تھی، تو یوسف الحسن بہت تڑپ کر ان کے ہاتھ تھام گئے تھے، وہ نوید عالم کی بہت عزت کرتے تھے۔

"اس کو کچھ نہ کہو فریدہ! یہ حق بجانب ہے، مگر خدا گواہ ہے مائدہ بیٹا! میرے علم میں جب بات آئی تو بہت دیر ہو چکی تھی، عین شادی کے دنوں میں شادی کینسل ہو جانے کے ڈر سے خاموش رہی، سوچا تھا کہ شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا، لیکن کیا پتہ تھا کہ اسجد اتنا کم ظرف ثابت ہوگا، اس پر بھروسہ کیا اور اس نے ہماری پرورش کو ہی گالی بنا دیا، ہم نے مگر تمہارا برا کبھی نہیں چاہا تھا، نوید بھی تم سے شرمندہ ہیں انھوں نے تمہیں کبھی زرمین سے کم نہیں سمجھا، تمہارے بارے میں اچھا سوچتے سوچتے تمہارے ساتھ ہم سب ہی برا کر گئے، ہم سب تمہارے مجرم ہیں، ہو سکے تو معاف کر دینا اور اتنا یاد رکھنا کہ اب تم جو فیصلہ لو گی، میں تمہارے ساتھ ہوں گی، تمہارا ہر فیصلہ ہمیں قبول ہوگا اور یہ شک کبھی دل میں نہ لانا کہ اسجد کی شادی کا ہم میں سے کسی کو علم تھا، ہم سب کو ہی اسجد نے بے وقوف بنایا، دھوکا دیا"۔ وہ بیٹے کی وجہ سے شرمندہ تھیں، اس

کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے، جنھیں وہ تڑپ کر تھام گئی تھی۔

"مامی! آپ کو میں نے کبھی مما سے کم نہیں سمجھا، تھوڑی دیر پہلے جو بکواس کی اس کے لیے مجھے معاف کر دیں، سارے قصے میں آپ سب کا کوئی قصور نہیں ہے"۔ وہ روتے ہوئے ان کے ہاتھ تھامے کہتی اپنی اچھی تربیت اور نیک فطرت کا ثبوت دے گئی تھی۔

"بیٹا تو وہ میرا ہی ہے ناں، اور اولاد والدین کا سر یوں ہی جھکا دیتی ہے، تربیت کو گالی بنا دیتی ہے"۔ ان کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

"بات صرف تربیت کی نہیں ہوتی، فطرت کی بھی ہوتی ہے بھابی! والدین تو اولاد کو ہمیشہ سیدھے راستے پر چلاتے ہیں، مگر اولاد ماں باپ کی انگلی تھامے سیدھے راستے پر چلتے ہوئے بھی بھٹک جائے تو والدین کا کیا قصور؟" فریدہ نے نم لہجے میں ان کی ڈھارس بندھائی تھی، انھیں شرمندگی کے حصار سے نکالنا چاہا تھا۔

"قصور جس کا ہے میں اس کو سزا دینے پر قادر نہیں ہوں، لیکن میں اسے معاف بھی نہیں کر سکتی ہوں، آپ کہہ دیجیے گا اسجد عالم سے جا کر کہ مجھے ڈائیورس چاہیے"۔ پتھرائے ہوئے انداز میں کہتی وہ ان دونوں پر ہی کوئی قیامت ڈھا گئی تھی۔

"مائدہ! یہ تم کیا کہہ رہی ہو بیٹا!" وہ مائدہ کے زرد چہرے اور بے تاثر آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

"جو آپ نے سنا مما! میں اس شخص کا حوالہ اپنی ذات سے مٹا دینا چاہتی ہوں، جس نے میری ذات کو تنکے سے بھی ہلکا کر دیا"۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر رو رہی تھی۔

"تم ابھی غصے میں ہو، بعد میں اس موضوع پر بات کریں گے کہ رشتے مذاق نہیں ہوتے، ہم اسجد کو برا کہہ رہے ہیں کہ اس نے برائی ثابت کی ہے، مگر اس سب کے باوجود ایسا فیصلہ نہ لو وہ جیسا بھی ہے تمہارا شوہر ہے"۔ وہ ان ماؤں میں سے نہ تھیں جو ذرا ذرا سی بات پر شہ دے کر اولاد کو سر چڑھاتی ہیں، معاملہ کچھ بھی تھا انھیں اس کا فیصلہ غلط لگا تھا، اس لیے پہلے ہی موڑ پر باور بھی کرا دیا تھا۔

"انھوں نے مجھے کبھی بیوی نہیں سمجھا، انھوں نے شادی کے ڈیڑھ سال تک میری توہین کی، مجھے یہ باور کروایا کہ میں ان کی بیوی نہیں ہوں صرف اس گھر کی بہو ہوں، اور میں نے آپ سب کے لیے، آپ سب کو دکھ سے بچانے کے لیے، اپنا بھرم بچانے کو ہر تذلیل سہی، سب کچھ برداشت کر لیا، ہر الزام، ہر کڑوی بات سہہ گئی، مگر اب ایک لمحہ ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی، جنھوں نے میرے سچے جذبات کو پامال کر دیا، مجھے اب کسی کے لیے بھی کمپرومائز نہیں کرنا، مجھے ڈائیورس چاہیے"۔ وہ بہت مشکل سے کہہ رہی تھی کہ عزت نفس کی خاطر اس نے کیا کچھ سہا تھا، حرف شکایت لب سے ادا نہ کرنے والی آگے عذاب سے بچنے کو تفصیلات بیان کر رہی تھی اور ایسا کرتے ہوئے بھی تکلیف میں تھی، خود کو کسی سے نظر ملانے کے قابل نہ سمجھ رہی تھی، اس لیے ان دونوں سے نگاہ چرائے رو رہی تھی۔

"مائدہ...!" انھوں نے آگے بڑھ کر بیٹی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا، چہرہ تھامنا چاہا تھا، مگر وہ فاصلے پر ہو گئی تھی۔

"مما! میں بہت تکلیف میں ہوں، لفظوں سے کھیلنا مجھے نہیں آتا، نہ ہی میں اظہار کے ہنر سے واقف ہوں، مگر آپ میری مثال اس پرندے کی سی سمجھ لیں، جس کے پر کاٹ دیئے جاتے ہیں اور وہ قفس کے

پنجرے میں پڑا اڑنے کی آس میں پھڑ پھڑا کر رہ جاتا ہے اور ایک دن آتا ہے کہ وہ اسی پنجرے میں اپنی جان دے دیتا ہے، مگر میں اس پنجرے میں پھر سے نہیں جانا چاہتی، وہاں جا کر میں پھڑ پھڑا بھی نہ سکوں گی اور آپ لوگ مجھ سے پھڑ پھڑانے، تڑپنے کا حق نہ چھینیں"۔ وہ شدت ضبط سے کانپ رہی تھی اپنی ذات کو سوالیہ نشان بنے دیکھ کر اذیت میں تھی۔

"اسجد عالم بے شک میرے شوہر ہیں، لیکن انھوں نے مجھے بیوی نہیں سمجھا، انھوں نے صرف اپنی مردانگی کو ثابت کیا حق ہی حاصل کرنا ہوتا تو ڈیڑھ سالوں میں حاصل کر چکے ہوتے، انھوں نے اپنی توہین کا بدلہ لیا ہے مجھ سے اور بس.... اس وقت میری جگہ کوئی اور ہوتا تب بھی انھوں نے یہی کرنا تھا کیونکہ انھوں نے تو اپنی مردانگی کو سوالیہ نشان بننے سے بچانا تھا، اور خود کو بچاتے وہ مجھے ایک سوال بنا گئے اور میں پھڑ پھڑا تو سکتی ہوں مگر کچھ کر نہیں سکتی کہ وہ دنیا کی نظر میں میرے شوہر ہیں، مگر میرے احساسات، میرے جذبات کے وہ قاتل ہیں، انھوں نے مجھے بری طرح توڑ ڈالا ہے، انھوں نے اپنا حق، حق کی طرح حاصل نہیں کیا، زور زبردستی اپنی مردانگی کی دھاک بٹھائی ہے اور ایک ایسے شخص نے جس نے مجھے عزت نہ دی، قدم قدم پر مجھے ذلیل کیا، مجھے میری ہی نظروں سے گرا دیا، اس کے ساتھ میں نہیں رہ سکتی، آپ لوگ مجھ پر ایک احسان کر دیں مجھے اس شخص سے طلاق دلوا دیں، میری روح مردہ ہو گئی ہے، یہ حوالہ مجھے جیتے جی مار رہا ہے، مجھے قفس سے رہائی دلوا دیں، مجھے تل تل مرنے سے بچا لیں"۔ وہ دوڑتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی، اور ان دونوں کی تو وہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، وہ ایک دوسرے سے نظر چرائے کھڑی تھیں کہ کچھ حقیقتیں بہت تلخ ہوتی ہیں، اندر تک مار دیتی ہیں، جیسے وہ مر گئی تھی اور وہ مرنے کے مرحلے سے گزر رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

"راحم! میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی، یہ میرا گھر ہے، آپ اسجد بھائی کے کیے کی سزا دینے کو مجھے میرے ہی گھر سے نہیں نکال سکتے"۔ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی، راحم آفس ٹیم کے ساتھ نیویارک گیا ہوا تھا، آج ہی اس کی واپسی ہوئی تھی، بات جیسے ہی اس کے علم میں آئی تھی اس کا سارا غصہ شازمین پر اترا تھا، اور اس نے اسے گھر سے جانے کو کہہ دیا تھا اور وہ حیرانگی سے نکلی تھی تو غصے و ناراضی سے انکاری ہو گئی تھی۔

"بکواس بند کرو، اور میرے سامنے سے چلی جاؤ شازمین! ورنہ میں غصے میں کچھ کر بیٹھوں گا"۔ وہ چیخ کر بولا تھا۔

"پلیز راحم! اس سارے قصے میں میرا کیا قصور ہے، جو آپ میرے ساتھ ایسے پیش آ رہے ہیں؟" شازمین جان لٹانے والے شوہر کا ظالمانہ روپ دیکھ کر تڑپ اٹھی تھی۔

"قصور تو تمہارا بھی ہے، دھوکا تو تم نے بھی دیا ہے کہ تم بھی جانتی ہو گی ناں کہ اسجد بھائی، مائدہ میں انٹرسٹڈ نہیں ہیں لیکن تم نے سچائی ہم سے چھپائی"۔ وہ اس کو غصے سے گھور رہا تھا۔

"مجھے یہ سب صرف ایک دن پہلے پتہ چلا تھا، مگر میں یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ شادی کر چکے ہیں"۔ اس نے روتے ہوئے صفائی دینا چاہی تھی۔

"ایک دن ہو یا ایک سال، جب سچائی پتہ چلی تھی، ہمیں جب ہی سب بتا دینا چاہیے تھا، مگر تم نے اپنے بھائی کا خیال کیا اور میری بہن کی تم سب نے مل کر زندگی تباہ کر دی، اور اب میں تمہیں ایک لمحے کے لیے

اپنے گھر میں برداشت نہیں کروں گا، ابھی اسی وقت اپنے گھر چلی جاؤ، تمہارا بھائی اس لڑکی کو چھوڑ دے گا، اور میری بہن کو عزت سے اپنے ساتھ لے جائے گا، اس کے بعد ہی تم اس گھر میں واپس آ سکو گی، ورنہ میں تمہیں آزاد کر دوں گا"۔ وہ تڑپ کر اس کو دیکھنے لگی تھی، اس سے پہلے کہ کچھ کہتی کہ اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے گھر سے نکال باہر کیا تھا۔

"راحم! میری بات سنیں، مجھے گھر سے نہ نکالیں، میں مر جاؤں گی، اسجد بھائی کی غلطی کی سزا مجھے مت دیں پلیز، دروازہ کھولیں"۔ وہ روتے ہوئے کہتی دروازہ پیٹ رہی تھی، اس کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا، مگر مائدہ کا زرد چہرہ، اداس آنکھیں یاد آتے ہی وہ خود کو حق بجانب سمجھنے لگا تھا۔

"شازمین! کیا ہوا ہے؟" ارحم کہیں جانے کے ارادے سے اپنے کمرے سے نکلا تھا اس کو دیکھ کر اس تک چلا آیا تھا۔

"ارحم بھیا! راحم مجھے گھر سے نکال رہے ہیں"۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

"وہ پاگل ہو گیا ہے اور کچھ نہیں، مگر تم پریشان نہ ہو، ہم سب کے ہوتے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہو گی"۔ اس نے روتی ہوئی شازمین کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی و شفقت سے اسے دلاسا دیا تھا۔

"وہ بہت غصے میں ہیں ارحم بھیا! مجھے طلاق دینے کی بات کر رہے ہیں"۔ وہ سہارا پا کر بکھری تھی اور وہ تو دھک سے ہی رہ گیا تھا، غصے سے کھولتے ہوئے اس نے دروازہ پیٹ ڈالا تھا۔

"راحم! دروازہ کھولو"۔ وہ جو سمجھ رہا تھا شازمین ہے ارحم کی آواز سن کر لمحہ ضائع کیے بنا دروازہ کھول گیا تھا۔

"کیا تماشا لگایا ہوا ہے تم نے، کہا تھا ناں میں نے تم سے کہ اس سارے قصے سے تم شازمین کو دور رکھنا، تو پھر کیوں اسے گھسیٹ رہے ہو؟" وہ اس پر بری طرح برس رہا تھا حقیقت جان کر بھی اس نے یہی بکواس کی تھی اور اس نے راحم کو بہت نرمی و پیار سے غصہ نہ کرنے اور رشتوں کی اہمیت سمجھائی تھی اور اسے لگا تھا کہ اس کو بات سمجھ آ گئی، مگر وہ غلطی پر تھا کہ جو وہ اس سے کہہ کر آیا تھا، کمرے میں آ کر اسی پر عمل کرتے ہوئے اسے گھر سے جانے کو کہہ دیا تھا۔

"لینا دینا ہو یا نہیں مگر میں فیصلہ کر چکا ہوں، اپنی بہن کو دیکھیں گے تب انھیں پتہ چلے گا کہ ایک بہن کی بربادی ایک بھائی کو کتنا بے سکون کر دیتی ہے، اور جب وہ میری بہن کو کوئی خوشی نہ دے سکے تو مجھے کیا ضرورت پڑی ہے جو ان کی بہن کو خوش رکھوں؟" وہ ارحم کے احترام میں آواز نیچی کر کے بول رہا تھا، ورنہ غصہ تو اتنا تھا کہ بس چلتا تو دنیا کو آگ لگا دیتا۔

"تم اسجد کی بہن کو نہیں اپنی بیوی کا خیال کرتے ہوئے اس کو خوش رکھتے رہے ہو اور آگے بھی رکھو گے"۔ اس کو غصے سے گھورا تھا۔

"میں فیصلہ لے چکا ہوں بھائی! جس سے ایک انچ نہیں ہٹوں گا"۔ وہ اس کے غصے سے خائف ہو کر بولا تھا۔

"پاگلوں جیسی باتیں نہ کرو کہ کسی کی برائی کو اپنا لینا کہاں کی دانشمندی ہے؟ غصے میں اس کی حالت تو فراموش نہ کرو کہ اللہ نہ کرے کسی قسم کی اونچ نیچ ہو گئی تو کون ذمے دار ہو گا؟" وہ اب اسے نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

''میں کچھ بھی سوچنا، سمجھنا نہیں چاہتا میں اسے اس کے گھر بھیجنے کا فیصلہ کر چکا ہوں، اور یہی اس کے بھائی کے لیے بہت ہے کہ میں اسے زندہ سلامت اس تک بھیج رہا ہوں، جبکہ میری بہن وہاں اس کے گھر سے زندگی اور موت کی کشمکش میں لوٹی ہے، اور میں جانتا ہوں میں غلط کر رہا ہوں مگر پھر بھی کروں گا کہ اسجد بھائی کے جرم میں یہ بھی برابر کی شریک ہے، اس نے بھی ہمیں دھوکا دیا، کم از کم یہی ہمیں بتا دیتی کہ اسجد بھائی کیا چاہتے ہیں''۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی، مائدہ ان کی اکلوتی بہن تھی، بہت عزیز تھی وہ انھیں، اس کی تکلیف پر وہ تڑپ اٹھے تھے، شور اور تیز آوازوں پر وہ دونوں میاں بیوی ہی نہیں مائدہ بھی اپنے کمرے سے نکل آئی تھی۔

''پھپھو! راحم مجھے گھر سے نکال رہے ہیں، مجھے ڈائیورس دینے کی بات کر رہے ہیں، آپ سمجھائیں انھیں، یہ ایسا نہ کریں، میں مر جاؤں گی پھپھو!'' وہ فریدہ کو دیکھ کر لپک کر ان سے لپٹ کر جو بولی تھی اسے سن کر ان کے پیروں تلے سے زمین ہی سرک گئی تھی۔

''تم یہاں سے چلی جاؤ شازمین! ورنہ میں تمہیں خود جان سے مار دوں گا''۔ وہ دھاڑا تھا۔

''کیا بکواس ہے یہ راحم؟'' یوسف الحسن اس کے عین سامنے ٹھہر گئے تھے۔

''آئندہ تم نے شازمین سے اس لہجے میں بات بھی کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا، شازمین اس گھر کی بہو ہے اور ہم اپنی بہو کی توہین اس کے شوہر کے ہاتھوں بھی برداشت نہیں کر سکتے، شازمین اور مائدہ ہماری بیٹیاں ہیں، ایک برباد ہو رہی ہے، تم چاہتے ہو دوسری کو بھی برباد کر دیں، جبکہ یہ ہماری بیٹی کی بربادی کی ذمے دار بھی نہیں ہے، تو پھر اسے تم سزا کیوں دینا چاہتے ہو؟'' وہ دکھ اور غصے سے ملے جلے تاثرات کے ساتھ بول رہے تھے۔

''اس کا قصور ہے یا نہیں، میں نہیں جانتا مگر اب میں اسے صرف اسی صورت بساؤں گا جب اسجد بھائی میری بہن کو ساتھ لے جائیں گے، اس لڑکی کو طلاق دے دیں گے کہ اگر انھوں نے مائدہ کو طلاق دی تو میں شازمین کو طلاق دے دوں گا''۔ وہ کسی کے بھی غصے کو خاطر میں لائے بناء اپنی بات و فیصلے پر ڈٹا تھا۔

''تڑاخ....! بکواس کرتے ہو، ایسا کچھ کیا تم نے تو جان سے مار دوں گا میں تمہیں''۔ یوسف الحسن اس پر ہاتھ اٹھا چکے تھے اور بہت غصے میں آتے دھاڑے تھے۔

''پاپا! کوئی بھی چیز مجھے میرے فیصلے سے نہیں ہٹا سکتی، اور تم کیا کھڑی ہو، دفع ہو جاؤ یہاں سے، جس دن تمہارا بھائی مائدہ کو طلاق دے گا، اس کے اگلے دن تمہیں بھی طلاق کے پیپرز مل جائیں گے''۔ اس نے باپ کی سائیڈ سے نکل کر اسے گھورتے ہوئے اس کی حالت کی پرواہ کیے بغیر باہر کی طرف دھکیلا تھا، وہ ڈس بیلنس ہوتی لڑکھڑائی تھی، اس سے پہلے وہ گرتی کہ مائدہ اسے تھام گئی تھی۔

''شازمین کو ساتھ رکھیں یا اسے چھوڑ دیں، مگر ایک بات میری اپنے ذہن میں بٹھا لیں کہ اسجد عالم مجھے نہیں چھوڑ رہے، وہ مجھے طلاق نہیں دے رہے، میں ان سے طلاق لے رہی ہوں، اور یہ میرا اپنا فیصلہ ہے، اس فیصلے کا اثر کسی کی زندگی پر نہیں پڑے گا اور پڑا تو میں اس گھر سے ہی چلی جاؤں گی، خود کو ختم کر لوں گی''۔ وہ ان سب کو ساکت چھوڑ کر راحم کو غصے و ناراضی سے دیکھتی نکلتی چلی گئی تھی اور وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر کی جانب بڑھا تھا۔

''ارحم! جا کر روکو اسے، غصے میں کچھ کر نہ بیٹھے''۔ وہ ہول کر بولی تھیں۔

''اس کے پیچھے نہ جاؤ کتنا ہی غصہ کر لے کچھ غلط نہیں کرے گا، اور تم شازمین بیٹی کو کمرے میں لے جاؤ، اس کا خیال رکھو۔ راحم کو میں خود سمجھا لوں گا وہ کوئی غلط فیصلہ نہیں لے گا''۔ وہ ارحم کو روکتے بیوی سے بولے تھے اور روتی ہوئی شازمین کے سر پر ہاتھ رکھتے اسے تسلی دیتے وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

''نوید...!'' وہ بے خبر سوتیں نہ جانے کس احساس کے تحت جاگی تھیں اور نوید عالم کو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا پژمردہ سا گہری سوچ میں ڈوبے دیکھ کر اٹھ بیٹھی تھیں، لائٹس آن کرنے کے بعد جب ان کے چہرے پر نظر کی تھی تو انھیں اپنا دل خون ہوتا محسوس ہوا تھا کہ ان کے چہرے پر آنسوؤں کی لکیریں سی بنی تھیں اور وہ اپنی عمر سے زیادہ بوڑھے لگے تھے۔

''سب کچھ ختم ہو گیا راشدہ!'' وہ ان کے ہاتھوں پر چہرہ ٹکائے شدتوں سے رو پڑے تھے۔

''مجھے میری اولاد نے کسی سے نظر ملانے کے لائق نہیں رکھا، اپنی ہی نظروں سے گر گیا ہوں، اسجد پر کتنا بھروسہ تھا، کتنا مان تھا اس نے میرے سارے بھرم توڑ دیئے، مجھے میری ہی اولاد نے رسوا کر دیا، میری اپنی اولاد نے بھرے مجمع میں میرے تن پر بچی ریشمی قبا کھینچ لی، مجھے برہنہ کر دیا، مجھے کوئی چیز، کوئی راستہ ایسا نظر نہیں آتا کہ جس سے میں اپنا وجود ڈھانپ لوں''۔ وقت کی کیا ستم ظریفی تھی کہ آج وہ اس شخص کو روتے دیکھ رہی تھیں، جو ان کے آنسو پونچھتا آیا تھا اور آنسو پونچھنے والوں کے آنسو پونچھنا کس قدر تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوتا ہے، یہ کوئی راشدہ عالم سے پوچھتا، وہ ان کے گرتے آنسوؤں کے ساتھ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر رہی تھیں، ان کو تسلی دینے کو ایک حرف نہ تھا وہ ہی نہیں ان کے ساتھ وہ خود شکست و ریخت کے مرحلے سے گزرنے لگی تھیں۔

''اسجد نے جب کہا کہ وہ مائدہ سے شادی نہیں کرے گا، میں نے سوچا کہہ رہا ہے لیکن جب شادی ہو گی تو میرا مان رکھے گا، میرا سر کسی کے سامنے جھکنے نہ دے گا، بھروسہ کیا اس پر، اور اس نے دھوکا دیا، میرے منہ پر طمانچہ دے مارا کہ کرواؤ میری شادی، مجھے نہیں بسانا تو نہیں بساؤں گا۔ میں مائدہ سے کس طرح معافی مانگوں؟ یوسف اور فریدہ سے کس طرح نظر ملاؤں؟ میں ٹوٹ گیا ہوں راشدہ! میری اولاد نے مجھے جیتے جی مار ڈالا ہے''۔ ان کی ہچکیوں میں راشدہ کی سسکیاں بھی شامل ہو گئی تھیں۔

''وہ بچی کتنا کچھ سہتی رہی، اس کی بربادی کا ذمے دار صرف میں ہوں راشدہ! اس سے کہو جا کر وہ مجھے معاف کر دے اس نے معاف نہ کیا تو میں سکون سے جی تو کیا مر بھی نہیں پاؤں گا''۔ وہ اذیت میں تھے شادی اگر انھوں نے جبراً بھی کروائی تھی تو ایسی بھی کوئی قباحت نہ ٹوٹی تھی کہ کتنے ہی لوگوں کی شادی ان کی مرضی کے خلاف ہو جاتی ہے، مگر یوں تو کوئی نہیں کرتا، جس طرح وہ کر گیا تھا۔ آگے زندگی نہ جانے کتنے امتحان لینے والی تھی، وہ ایک فیصلہ کر چکی تھی اور وہ اپنے فیصلے میں تن تنہا کھڑی تھی، اس کا موقف، اس کے احساسات سب اگر سمجھ بھی رہے تھے تو اس کی طرح سوچ کر کوئی فیصلہ نہیں لے سکتے تھے، وہ آگے کا سوچ نہیں رہی تھی، جبکہ ان سب کی نظریں مستقبل پر بھی جمی تھیں۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

نجومی لائبریری اینڈ فریمنگ پوائنٹ
سائز سسٹم اور جلد سازی کی سہولت موجود ہے
نئے اور پرانے ڈائجسٹوں کی خرید و فروخت کی جاتی ہے
دوکان نمبر 13 صدر بازار ہری پور

افسانہ

زندگی پانی کا بلبلہ

''ارے بھئی جلدی کرو، غیروں کی طرح کے ٹیم کے ٹیم (کیا ٹائم کے ٹائم) جانے کا ارادہ ہے تھارا (تمہارا) رشتے دار ہیں تو جلدی جانا چاہیے، پر تھارا لوگاں (تم لوگوں) کی تو تیاری ہی ختم ہونے کا نام نا (نہیں) لے رہی ہے''۔ صادق حسین صاحب دو مرتبہ باہر تک چکر لگا آئے، پر ان کے اہل خانہ کی تیاری اب تک مکمل نہ ہو پائی تھی، تبھی وہ گھر والوں کو آوازیں دے رہے تھے۔

''ابا! ہم شادی میں جا رہے ہیں تو تیار تو ہوں گے ناں، وہاں تو سب ایسے ایسے فیشن کرتی ہیں کہ اللہ کی پناہ''۔ صائقہ جو تیار ہو چکی تھی، اس نے اپنے ابا کو جواب دیا۔

''بیٹا! جتنی چادر ہو اتنے ہی پاؤں پھیلانے چاہئیں، آج کل کے فیشن میں تو آوائے کا آوا بگڑا ہوا ہے''۔

''ابا! میں بھی تیار ہوگئی''۔ صائقہ سے چھوٹی صائمہ بھی تیار ہو کر اپنے ابا کے پاس باہر صحن میں چلی آئی۔

''چلو شکر ہے، اچھا اب تم لوگ جلدی سے چادر پہن لو اور خلیل انکل کے گھر کی طرف چلو، میں اتنے تھاری ماں نے دیکھوں (تمہاری امی کو دیکھوں)''۔ وہ بیٹیوں کو شادی والے گھر کی طرف جانے کا کہہ کر اوپر بنے کی جانب بڑھے۔

''اے صائمہ کی ماں! اب آ بھی جا تھاری (تمہاری) ایک بیٹی کی خیر سے شادی ہو چکی ہے، باقی تے (تو) ابھی چھوٹی ہیں، پھر اتنی تیاری میں ٹیم (ٹائم) کیوں؟'' سلیمہ بیگم کے اتنی دیر میں تیار ہونے پر صادق صاحب نے چوٹ کی۔

''ہوا کے گھوڑے پر سوار ہونے کے سوا تنے (تمہیں) کوئی اور کام ہے کے؟ (کیا) ابھی سے یہ حال ہے، ابھی تو اگلے ہفتے صائبہ بھی آ رہی ہے، کاکے (بچے) کا چھوچھک لینے واسطے، دسیوں چکر لگے ہیں بازار کے مگر تھارے (تمہارے) میں صبر کہاں''۔ چادر کو اردگرد لپیٹتے ہوئے سلیمہ بیگم بولیں، اپنی بڑی بیٹی اور اس کے ننھے منے سے بیٹے کا ذکر سن کر صادق صاحب کا غصہ اڑن چھو ہو گیا، اور ان کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆.....☆.....☆

خلیل صاحب نے اپنے گھر کی پچھلی گلی جو کہ کافی صاف ستھری اور کشادہ تھی، اس کے دونوں اطراف شامیانے لگا کر اسٹیج، کرسیاں اور میزیں رکھ کر ہال کا سا رنگ دینے کی کوشش

کی تھی، بیچ میں پردہ لگا دیا گیا تھا، خلیل صاحب، صادق حسین کے چچازاد بھائی تھے اور آج خلیل صاحب کے بیٹے کا دعوت ولیمہ تھا، اور صادق صاحب چونکہ خلیل صاحب کے بڑے بھائی لگتے تھے اس لیے انھیں ہی کھانے کی دیگوں پر بٹھایا گیا تھا، کچھ مہمان آچکے تھے اور باقی آرہے تھے، صادق صاحب مردانے میں سب سے میل ملاپ کر کے دیگوں کے پاس اپنی نشست سنبھال چکے تھے، جبکہ ان کی بیگم زنانے میں اپنی ملنے ملانے والیوں میں مصروف ہو چکی تھیں، اور دونوں بچیوں کو بھی اپنی سہیلیاں مل چکی تھیں، دولہا دلہن کی آمد کے ساتھ ہی سب خواتین و بچیوں کی نگاہیں آج کی دعوت خاص کے مہمان خصوصی کی جانب مبذول ہو گئی تھیں، مردانے میں کھانا شروع ہو چکا تھا، جبکہ زنان خانے میں ابھی تک خواتین کی باتیں، شادی کی تیاریاں، دلہن اور اردگرد کی خواتین کے لباس و زیورات پر تنقید و تبصرے جاری و ساری تھے۔

☆.....☆.....☆

''آپا یہ اپنی فاطمہ کے ساتھ تو بہت برا ہویا (ہوا) چھوٹے چھوٹے بچے اس پر اس کے گھر والے کی ناگہانی موت بچاری تے (تو) صدمے سے ٹوٹ ہی گئی''۔ سلیمہ بیگم نے اپنی ایک دور پرے کی جاننے والی کے شوہر کے یوں اچانک گزر جانے پر اپنے پاس بیٹھی فاطمہ کی رشتے دار سے خاص رانگری لہجے میں اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا۔

''بس بہن! اب کے (کیا) کہوں، اس کے نصیب میں لکھا تھا یہ دکھ سہنا بھی''۔ فاطمہ کی رشتے کی بہن نے بھی افسوس سے کہا۔

''ہاں پر آپا! ابھی بچاری کی عمر ہی کے (کیا) تھی اوپر سے چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ، لڑکا بھی اس کا تو چھوٹا ہے جب بڑا ہووے تب کی تب، ابھی تو سب فاطمہ نے سنبھالنا ہے، فر (پھر) اس کے آگے پیچھے نہ کوئی دیور، جیٹھ نہ بھائی، سچ آپا! مننے (مجھے) تو بڑا دکھ ہویا (ہوا) اس کے گھر والے کا سن کے''۔

''ہاں بات تو تھاری (تمہاری) ٹھیک ہے پر بس کے (کیا) کریں، قسمت کے آگے سب مجبور ہیں، میں کل گئی تھی اس کے گھر، بیچاری صدمے سے گونگے کا گڑ کھا کے بیٹھی ہے، آس پڑوس والے آوے جاوے ہیں اور بچوں کی بھی دیکھ ریکھ کرے ہیں ابھی (تو) تے دسویں کی فاتحہ بھی نہ ہویا (نہیں ہوا) اور....!''

''ارے سلیمہ! بھئی مبارک ہو، تیں (تم) نانی بن گئی، بیٹی کیسی ہے اور ننھا کاکا؟'' تبھی اس کی میز پر ایک اور خاتون نے آکر فاطمہ کی رشتے دار کی بات کاٹتے ہوئے سلیمہ بیگم کو مخاطب کیا۔

''جی بہن! شکریہ، اللہ کا شکر، سب ٹھیک ٹھاک ہے، بیٹی بھی اور کاکا بھی''۔ سلیمہ بیگم نے اسے جواب دیا۔

''ارے سلیمہ! تھاری (تمہاری) بیٹی کے ہاں کاکا کب ہوا؟ مننے تو پتہ ہی نا (مجھے تو پتہ ہی نہیں)''۔ فاطمہ کی رشتے دار نے چونکتے ہوئے پوچھا، اب ان تینوں خواتین کی باتوں کا رخ سلیمہ بیگم کی بڑی بیٹی اور اس کے کاکے کی جانب مڑ چکا تھا، جو کہ اگلے ہفتے اپنے میکے آ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

مردانے میں کھانا شروع ہو کر ختم بھی ہو

چکا تھا اور اب زنانے میں شروع ہونے کو تھا کہ یکا یک شامیانے کے باہر سے امڈ آنے والے شور نے سب کی توجہ اس جانب کر دی، عجیب سی افراتفری اور نفسا نفسی کا سا ماحول ہو گیا تھا۔

''بچوں باہر کے (کیا) ہوا ہے؟ سب خیر تو ہے؟'' سلیمہ بیگم اور آس پاس کی میزوں پر بیٹھیں کافی عورتیں کھڑی ہو چکی تھیں، ان میں سے ہی ایک نے باہر سے آتے بچوں سے پوچھا۔

''باہر ایک انکل کو چوٹ لگ گئی، وہ دیگ کے پاس گر گئے اچانک''۔ ایک بچی بولی، تبھی سلیمہ بیگم کی چھوٹی بیٹی بھاگتی ہوئی باہر سے اندر کی جانب آئی اور ہانپتے ہوئے اپنی امی کو مخاطب کیا۔

''امی، امی! وہ باہر....وہ....!''

''سانس تو لے لڑکی! کے ہویا؟ (کیا ہوا)'' برابر میں کھڑی ایک عورت نے اسے کندھے سے پکڑ کر پاس پڑی کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

''وہ امی! باہر....امی! باہر ابا کے چوٹ لگ گئی شاید، تبھی بے ہوش ہو گئے ہیں، سب آدمی انھیں اٹھا رہے ہیں''۔ ایک ہی سانس میں جلدی سے وہ بولی۔

''اے چھوری کے بول رہی ہے، لے چل منے (مجھے بھی لے چل)''۔ سلیمہ بیگم حواس باختہ سی چادر سنبھالے کھڑی ہوئیں، ابھی دو قدم بھی نہیں چلی تھیں کہ باہر سے ایک اور بچی بھاگتی ہوئی آئی۔

''صائمہ....صائمہ باہر وہ جو انکل گر گئے تھے ان کا انتقال ہو گیا ہے''۔ خبر تھی یا قیامت، سلیمہ بیگم ہوش و حواس سے بیگانہ ہونے لگیں، دونوں بچیاں بھی زار و قطار رونے لگیں، آس پاس کی میزیں سب خالی ہونے لگیں، سب ہی خواتین اٹھ کر ان کی جانب آ گئیں اور بچیوں اور سلیمہ کو سنبھالنے لگیں۔

''یہ نہیں ہو سکتا، صائمہ کے ابا تو بالکل ٹھیک ٹھاک تھے، اچانک کے ہو گیا، یہ جھوٹ بولے ہے مننے (مجھے) باہر جانا ہے''۔ وہ سنبھالے نہ سنبھل رہی تھیں، اور باہر جانے کو ہمکنے لگیں، مگر خواتین نے انھیں روک رکھا تھا، ڈاکٹر اور ایمبولینس کو بھی بلایا گیا مگر تب تک صادق حسین صاحب دل کے شدید دورے کے باعث رحلت پا چکے تھے، جس نے بھی سنا ہکا بکا رہ گیا، آناً فاناً شادی کا ماحول ماتمی سا ہو گیا، ہر آنکھ سلیمہ بیگم کی یوں اچانک بیوگی پر نم تھی۔

''بہت برا ہویا سلیمہ کے تو کوئی چھورا (لڑکا) بھی نہیں، اب کیسے جیئے گی، شادی میں سج دھج کے آئے کسے بیڑا (خبر تھی) تھا کہ وہ یہاں سے بیوگی اور یتیمی کا داغ ساتھ لے جاوے گی''۔ کچھ دیر پہلے سلیمہ بیگم کسی اور کی بیوگی پر افسوس کر رہی تھیں، اور اب لوگ ان کی بیوگی پر اظہار افسوس کر رہے تھے، کون جانتا تھا کہ جو بچیاں کسی اور کی دعوت کے لیے اتنے اہتمام سے تیار ہو کر آئی تھیں، ان کا رزق اس دعوت کے ایک دانے پر بھی نہ تھا، کسے خبر تھی صادق حسین صاحب جو دیگ پر تشریف فرما ہیں اس دیگ کا کھانا ان کے نصیب میں نہیں؟

کسی نے ٹھیک ہی تو کہا ہے زندگی ایک پانی کا بلبلہ ہے، ابھی جو اتنا اوپر اٹھ رہا ہے، کسے خبر دیکھتے دیکھتے ہی بیٹھ جانا ہے، زندگی بس ایک خواب سی ہی ہے، کسے معلوم کس پہر، کس گھڑی آنکھ کھل جائے اور سب ختم....!

☆.....☆.....☆

سلسلے وار ناول

جو عشق میں بیتی وہ عشق ہی جانے

پتہ نہیں کیوں آج گھٹن بہت زیادہ محسوس ہو رہی تھی، دن کی روشنی میں ان کے اندر پھیلے اندھیرے ان کے اندر ہی سمٹے رہتے تھے، مگر ہر رات کے آخری پہر میں یہ اندھیرے آزاد ہو کر رات کی تاریکی میں مدغم ہو کر

ان کے اردگرد ہر جگہ پھیل جاتے تھے، اور اس اندھیرے میں سوائے ایک چہرے کے وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے تھے۔

قریب سوئے ہوئے فائز کا ہاتھ اپنے سینے سے ہٹا کر انھوں نے احتیاط سے اس کے قریب رکھا تھا، اور اس گھٹن سے نجات حاصل کرنے کی کوشش میں وہ کمرے سے باہر نکل آئے تھے مگر.... نجات کہیں نہیں تھی، وہ جانتے تھے، لاؤنج میں رکتے ہوئے چند لمحوں تک اس کمرے کی جانب دیکھتے رہے تھے جس کا دروازہ مکمل بند تھا، ان کا دل کسی آہنی شکنجے میں جکڑنے لگا تھا، ایک ان دیکھی طاقت آج ان پر اس طرح غالب ہوتی انھیں اس کمرے تک لے گئی تھی کہ انھیں خود پتہ نہیں چلا تھا، دروازہ کھولتے ہوئے ان کے ہاتھ کی لرزش نمایاں تھی، کمرے کے اندر بھی وہی تاریکی تھی جو اس وقت ان کی آنکھوں میں تھی، لائٹ آن کرتے ہی کمرہ روشن ہو گیا تھا، مگر پھر بھی ان کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا یا پھر جو وہ دیکھنا چاہتے تھے اس کا وجود یہاں تھا ہی نہیں، دل کا اضطراب ان کی جلتی آنکھوں میں ابھر آیا تھا، ان کی آنکھوں نے کوئی ایسی چیز ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی جسے

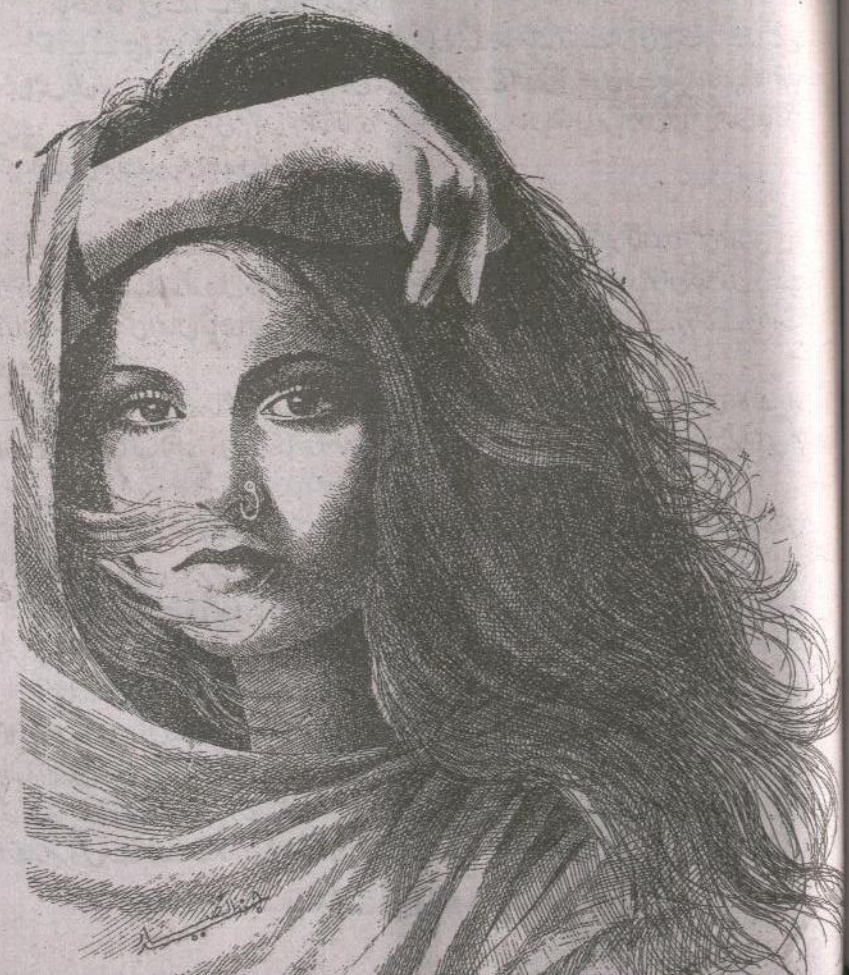

چھوکر وہ اپنے اضطراب کو کچھ کم کرسکیں لیکن ایسا کچھ بھی تو نہیں چھوڑا تھا اس نے، اپنے پیچھے کوئی نشان تک نہیں، مگر شاید سچ یہ تھا کہ انھوں نے خود اس کے نقش ان در و دیوار سے اس گھر کے ایک ایک کونے سے کھرچ ڈالے تھے، اگر کچھ باقی تھا تو صرف وہ زخم جو وہ ان کے دل پر لگا گئی تھی۔

ایسے زخم جن کو اب دنیا کی کوئی خوشی مندمل نہیں کرسکتی تھی، ان زخموں کو آہستہ آہستہ اب ان کے دل کا ناسور بن جانا تھا، دل کی اذیت بڑھتی جارہی تھی، تھکے تھکے قدموں کے ساتھ بیڈ کے قریب جاتے ہوئے انھوں نے جانے کیوں بے شکن چادر پر ہاتھ پھیرنا چاہا تھا، مگر پھر تھکے انداز میں ہی بیڈ کے کنارے بیٹھ گئے تھے، ان کے کندھوں پر ناقابل برداشت بوجھ بڑھتا جارہا تھا، ایک چیختی آواز ان کے سینے کا درد بڑھا رہی تھی۔

''شرم آتی ہے مجھے آپ کو اپنا بھائی کہتے ہوئے''۔ کسی نے ان کی پشت پر کوڑا مارا تھا۔

''میرا آپ سے کوئی رشتہ نہیں''۔

''نامحرم ہیں آپ میرے لیے''۔

''کیا منہ دکھائیں گے آپ میرے ماں باپ کو؟''

''آپ کے سینے میں کچھ نہیں سوائے پتھروں کے''۔ ایک کے بعد ایک کوڑے ان کی پشت پر لگتے انھیں زمین میں دفن کررہے تھے، درد سے پھٹتا سر ہاتھوں میں گراتے ہوئے ان کی آنکھوں سے سلگتا لاوا بہہ نکلا تھا، اس لاوے کی دہک وہ آسمان بھی کم نہیں کرسکتا تھا جو دھواں دھار پانی برسا رہا تھا، باہر بادلوں کی گھن گرج جاری تھی، مگر بارش صرف باہر نہیں ہورہی تھی۔

☆.....☆.....☆

ٹیرس کے چوپٹ کھلے دروازے سے زوردار کڑاکے سے چمکتی بجلی کی روشنی وقتاً فوقتاً اندر داخل ہورہی تھی، آسمان گرج چمک کے ساتھ برس رہا تھا مگر اس کی گہری نیند میں کوئی خلل نہیں آیا تھا، وہ تو ان قدموں کی بے آواز حرکت سے بھی انجان تھا جو اس کے سرہانے سے گزرتے آہستہ آہستہ ٹیرس کے کھلے دروازے کی سمت بڑھتے جارہے تھے۔

یکدم کھلتی آنکھوں کے ساتھ اس نے اپنے وجود کو تیز بارش میں بھیگتا پایا تھا۔ چار سمت تاریکی، کاٹ دار ہوا کے جھکڑ، خوفناک چنگھاڑوں کے ساتھ آسمان پر بجلی چمکی تھی، اور اس بھیانک منظر نے اس کے حواس گم کردیئے تھے۔

بلند اذیت ناک چیخوں نے عثمان کو ہڑبڑا کر اٹھنے پر مجبور کیا تھا، ایک پل کے لیے تو اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا مگر اگلے ہی پل وہ سرعت سے ٹیرس کی طرف دوڑا تھا، دروازے کے قریب وہ ایک لمحے کے لیے ساکت ہوگیا تھا، سامنے ہی گہری تاریکی میں برستی بارش میں وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے ہوئے تھی، اس کی دلخراش چیخوں نے عثمان کو دہلا کر رکھ دیا۔

''بیلا....!'' بلند آواز میں اسے پکارتے ہوئے وہ اس کی سمت گیا تھا اور اگلے ہی پل اس کے لرزتے کانپتے وجود کو بازوؤں کے گھیرے میں لیتا برق رفتاری سے واپس اندر لے آیا تھا، یہ کوئی خوف تھا یا کچھ اور بلند آواز میں روتی چیختی وہ اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتی بے قابو ہورہی تھی، عثمان کے لیے مشکل ہورہا تھا اسے سنبھالنا لہٰذا اس کے روتے مچلتے وجود کو مضبوطی سے سینے میں چھپائے وہ اس کے شانت ہونے کا انتظار صبر و تحمل سے کرنے لگا تھا، وہ شانت ہوئی تھی یا نہیں مگر اس کی یکدم بند ہوتی چیخوں اور بے جان غافل

ہوتے وجود نے عثمان کے ہوش ضرور اڑا دیئے تھے۔

بھیگے تر بتر لباس میں اس کا وجود برف کی طرح یخ اور منجمد ہوچکا تھا، لٹھے کی مانند سفید چہرہ نیلا پڑ رہا تھا، اس کے بے سدھ وجود کو وہیں صوفے پر لٹاتے ہوئے عثمان نے دو کمبل اس پر پھیلائے تھے اور اگلے ہی لمحے وہ اپنے سیل فون کی طرف بڑھا تھا، اس لمحے فجر کی اذانیں بلند ہورہی تھیں اور عثمان کو یقین تھا کہ خرمن بیدار ہوچکی ہوگی۔

''عثمان! سب خیریت تو ہے؟'' خرمن کی گھبرائی آواز نے اس کا ضبط ختم کردیا تھا۔

''اگر بیلا کو کچھ ہوگیا تو میں کبھی خود کو معاف نہیں کروں گا اور اس شخص کو تو قیامت تک نہیں جس نے میری زندگی کو درہم برہم کر رکھا ہے''۔ شدید اشتعال میں وہ بھڑک اٹھا تھا۔

''ہوش میں آؤ عثمان! مجھے بتاؤ بیلا کو کیا ہوا ہے؟'' خرمن دہل کر چیخ اٹھی تھی۔

''وہ ٹھیک نہیں، یہاں کچھ ٹھیک نہیں ہے، تم کسی طرح یہاں آجاؤ، ابھی اسی وقت ورنہ میں پاگل ہوجاؤں گا، پلیز آجاؤ''۔ عثمان کے ٹوٹے بکھرے لہجے نے خرمن کا دل مٹھی میں جکڑا تھا۔

''پریشان مت ہو، ہمت رکھو، میں بس ابھی نکل رہی ہوں عارش کے ساتھ''۔ خرمن نے عجلت میں کہہ کر لائن ڈسکنیکٹ کی تھی، گہری سانس لیتے ہوئے وہ دوبارہ اس کی طرف آیا تھا جو خود آگ میں جلتی اسے بھی انگاروں پر دھکیل گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

پیشانی پر محسوس ہوتے لمس پر اس نے ذرا آنکھیں کھول کر خود پر جھکے خرمن کے چہرے کو دیکھا تھا۔

''بخار اب بہت کم ہوچکا ہے، آرام سے سو جاؤ، میں یہیں ہوں تمہارے پاس''۔ خرمن کے مدھم لہجے پر اس کی آنکھیں بند ہوتی گئی تھیں، اس پر کمبل ٹھیک کرتی وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی اور پھر رک کر اسے دیکھا تھا جو صوفے پر نیم دراز کسی سوچ میں غرق تھا۔

''عثمان...!'' خرمن کی آواز پر وہ چونک کر متوجہ ہوتا سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

''کچن میں ہی آؤ گے یا یہیں ناشتہ لے آؤں؟''

''نہیں، میں صرف چائے لوں گا''۔ سنجیدگی سے بولتا وہ صوفے سے اٹھا تھا۔

''انسٹیٹیوٹ جانے کی ضرورت نہیں ہے، عارش تاکید کر گیا ہے لہٰذا پہلے اپنی نیند پوری کرو''۔ چائے کا مگ اس کے سامنے رکھتی وہ اس کے سامنے ٹیبل کے گرد بیٹھ گئی تھی، جواباً عثمان بس خاموشی سے مگ میں سے اٹھتی بھاپ کو دیکھتا رہا تھا۔

''مجھے ایک بات سمجھ نہیں آتی، جب تم خود کو اور بیلا کو اس شخص سے الگ کرچکے ہو تو اس شخص کو اپنے معاملات میں کیوں گھسیٹ لاتے ہو؟'' خرمن کے سنجیدہ لہجے پر اس کے تاثرات تن گئے تھے۔

''میں نے اس شخص سے بیلا کو کبھی الگ نہیں کرنا چاہا تھا، اس شخص نے خود بیلا کو اپنی زندگی، اپنے گھر سے نکالا تھا''۔ تلخ لہجے میں وہ یاد دلا رہا تھا۔

''انھوں نے جو کیا سو کیا مگر تم نے کیا کیا ان کے ساتھ، کبھی اس بارے میں سوچا تم نے؟ جو من مانی تم دونوں نے کی اس کے بعد انھوں نے جو کیا اگر تم ان کی جگہ ہوتے تو تم بھی وہی سب کرتے''۔

''مجھے من مانی پر مجبور کس نے کیا تھا؟'' وہ بگڑے تاثرات کے ساتھ ہی بولا تھا۔

"یہ سب جانتے ہیں، میں بھی"۔

"پھر بھی تمہیں میں ہی غلط نظر آتا ہوں"۔

"میں مان لیتی ہوں کہ تم اپنی جگہ ٹھیک ہو، مگر کیا تمہیں اپنی زندگی میں سب کچھ ٹھیک نظر آ رہا ہے؟" خرمن کے سوال پر وہ بس خاموشی سے چائے کے سپ لے رہا تھا۔

"تم بس چند لمحوں کے لیے خود کو فاروق بھائی کی جگہ رکھ کر ان کی تکلیف کا اندازہ لگاؤ، آج وہ ایک ایسے انسان ہیں کہ جس کی بہن کسی اور شخص کے لیے انھیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ چکی ہے اور اب وہ تن تنہا اس ذلت کا بوجھ اٹھا رہے ہیں، کسی سے نظر ملانے کے قابل وہ نہیں رہے، مگر پھر بھی دنیا کا سامنا کرنے پر مجبور ہیں، کیسی کیسی نظروں اور سوالوں کا سامنا انھیں کرنا پڑ رہا ہوگا، وہ کس اذیت میں زندہ ہیں ایک بار اس کا اندازہ تو کرو، میں نے ان کی آنکھوں میں اذیت دیکھی ہے، ان کی آواز میں درد کو محسوس کیا ہے، میں تم سے یہ نہیں کہتی کہ تم اپنے اقدام پر سر پکڑ کر پچھتاتے رہو، اپنی زندگی کے لیے تمہیں جو بہتر لگا تم کر چکے ہو، مگر اب جتنے لوگوں کی زندگی تم دونوں سے کبھی وابستہ رہی ہے ان کے لیے بھی کچھ بہتر کرنے کا عزم خود میں جگاؤ، میں جانتی ہوں تم خود غرض نہیں ہو، تمہیں ان سب کی پرواہ آج بھی ہے جو تمہیں چھوڑ چکے ہیں"۔ خرمن بہت نرم لہجے میں سمجھانے والے انداز میں بولتی جا رہی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ لوہا گرم ہے اور یہی وقت مناسب ہے۔

"اس میں کسی کو کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ تم بیلا سے محبت کرتے ہو، مگر محبت رشتوں کو توڑتی نہیں ہے، ٹوٹے رشتوں کو بھی جوڑ دیتی ہے، ان کو اور مضبوط کرتی ہے، اتنے قریبی اور عزیز رشتوں کو ناراض رکھ کر تم بیلا کے ساتھ ایک مکمل زندگی نہیں گزار سکو گے، اس حقیقت کو آج نہیں تو کل تمہیں تسلیم کرنا پڑے گا، تو بہتر ہے کہ وقت گنوانے کے بجائے آج قبول کر لو، اپنوں سے کٹ کر نہ تم پوری طرح مطمئن رہ سکتے ہو نہ بیلا کو رکھ سکتے ہو، تم اس کے قدموں میں دنیا کی دولت اور خوشیوں کا ڈھیر بھی لگا دو مگر کوئی چیز اس خلش کو ختم نہیں کر سکے گی جو آج بھی اس کے دل میں ہے، وہ تمہیں مطمئن رکھنے کے لیے کتنا ہی خوش نظر آئے مگر شاخ سے جدا ہونے کے بعد پھول زیادہ عرصے تک نہ اپنے رنگ برقرار رکھ سکتا ہے نہ خوشبو، صرف تم اسے مرجھانے سے بچا سکتے ہو عثمان! تمہاری محبت تم پر یہ ذمے داری عائد کرتی ہے کہ اسے زندہ رکھو، بیلا کے لیے تم سب کچھ کر سکتے ہو تو اس کے لیے ان سب کو راضی کیوں نہیں کر سکتے جن کے بغیر نا صرف وہ ادھوری ہے بلکہ تم بھی"۔ اپنے لفظوں پر زور دیتی وہ بغور اس کے تاثرات بھی نوٹ کر رہی تھی جو یک ٹک ٹیبل کی سطح کو دیکھتا بالکل خاموش تھا۔

"اپنے ماں باپ کو ناراض رکھ کر تم بھی تو مصنوعی خوشی کا اظہار کرتے ہو کیونکہ ان کی قطع تعلقی تمہارے دل کے لیے تکلیف کا باعث ہے، تو پھر بیلا سے تم کس طرح یہ شکایت رکھے ہوئے ہو کہ وہ اپنے دل کا درد اپنے غم تم سے چھپاتی ہے؟ اب تمہیں کوئی خدشہ نہیں ہے تم بیلا کو حاصل کرنا چاہتے تھے اور وہ اب تمہارے پاس ہے، کوئی اسے تم سے الگ نہیں کر سکتا، اس اعتماد کے ساتھ ان سب کو راضی کرنے کی کوشش کرو، جن کے سامنے سر جھکانے سے تمہارا قد چھوٹا نہیں ہو جائے گا، مجھے تم سے یہی امید ہے کہ تم میری ان سب باتوں پر غور کرو گے اور کوئی مثبت قدم اٹھاؤ گے، کچھ وقت لگے گا مگر تمہارے بڑھتے قدم ایک دن ان سب کو رام کر لیں گے جو آج تم سے روٹھے ہوئے ہیں"۔ خاموش ہو کر وہ چند لمحوں تک اس کے کچھ کہنے کی منتظر رہی تھی مگر وہ سوچوں کے جس جال میں الجھا تھا، خرمن کو یہی بہتر لگا تھا کہ اسے سوچنے دے۔

☆.....☆.....☆

نیند سے بوجھل ہوتی آنکھوں کے باوجود وہ اپنے بال سنوارنا نہیں بھولا تھا، ہیئر برش واپس ڈریسنگ پر رکھتے ہوئے اس نے ایک نگاہ خرمن پر ڈالی تھی جو جاء نماز پر اس وقت دعا مانگنے کے لیے ہاتھ اٹھا چکی تھی۔

"خرمن کی دعائیں نماز سے تین گنا زیادہ طویل ہوتی ہیں"۔ مسکراتے لہجے میں مخل ہونے کی ایک کوشش کرتا وہ بیڈ کی سمت بڑھ گیا تھا، کچھ دیر پہلے ہی وہ دونوں عثمان کی طرف سے واپس آئے تھے، بیلا کی طبیعت شام تک کافی بہتر ہو گئی تھی مگر خرمن کے منع کرنے کے باوجود عثمان ریڈیو اسٹیشن چلا گیا تھا، لیکن واپسی اس کی وقت سے پہلے ہوئی تھی، لہٰذا کھانا سب نے ساتھ ہی کھایا تھا۔

تکیے پر اس نے ابھی سر رکھا ہی تھا کہ سیل فون کے چیخنے پر اسے واپس اٹھنا پڑا تھا، ایبک کی کال نے اسے حیران نہیں کیا تھا۔

"آپ آج آن لائن نہیں ہوئے تو سوچا کال کر لوں مگر یہ بھی یقین نہیں تھا کہ میری کال ریسیو ہو جائے گی کیونکہ رات کے 1 بج رہے ہیں اور آپ تو 12 بجے ہی نیند کی فلائٹ پکڑ لیتے ہیں"۔ خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد حسب عادت وہ نان اسٹاپ بولا تھا۔

"دراصل آج میں ایک دوست کی طرف تھا، گھر بھی دیر سے واپس آیا ہوں، اچھا ہوا تم نے بروقت کال کی ورنہ میں کچھ ہی دیر میں سونے والا تھا"۔

"پھر تو میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا، مگر اس چیز پر مجھے کوئی شرمندگی نہیں ہے"۔ ایبک کے فوراً ہی کہنے پر وہ دھیرے سے ہنسا تھا۔

"ہارون خیریت سے ہیں؟" ایک نگاہ خرمن پر ڈالتے ہوئے اس نے آواز مدھم ہی رکھی تھی۔

"وہ بالکل خیریت سے ہیں، ابھی ریڈیو سے ان کی واپسی ہوئی ہے، میں نے ہی کچن میں جا کر ان کے لیے کھانا گرم کیا ہے جسے ابھی وہ تناول کر رہے ہیں، اب مجھے یہ فکر ہے کہ وہ مجھ سے کافی بنانے کی فرمائش نہ کر دیں"۔ وہ کوفت سے بتا رہا تھا۔

"تم اتنے سگھڑ ہو، مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا"۔ عارش نے مسکراتے لہجے میں کہا تھا۔

"ہو ہی نہ جاؤں میں سگھڑ، وہ تو رعب میں مجبوراً آنا پڑتا ہے، بڑے بھائی کا حکم نہ مان کر مجھے سڑک پر بسیرا نہیں ڈالنا"۔ وہ خشمگیں لہجے میں بولا تھا۔

"ویسے وہ حکم بھی اتنے پیار سے دیتے ہیں کہ ماننا پڑتا ہے، ماما نے انھیں بہت بگاڑ رکھا ہے، خود سے وہ کھانا پلیٹ میں بھی نہیں نکال سکتے، ان کے سامنے سجانا پڑتا ہے، خدا کا شکر ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے کھانا کھا لیتے ہیں، اگر رات میں، میں ان کے لیے کچن میں نہ جاؤں تو وہ کھانا کھائے بغیر ہی سو جائیں، ویسے روز ایسا نہیں ہوتا جس دن امی ان کی واپسی سے پہلے سو جاتی ہیں تب ہی ایسا ہوتا ہے کیونکہ وہ انھیں ڈسٹرب نہیں کر سکتے جیسے کہ میں آپ کو کر چکا ہوں"۔ وہ بغیر رکے تفصیلاً بولا تھا۔

"کوئی بات نہیں، تمہاری باتیں اس وقت سلیپنگ پلز کا کام کر رہی ہیں، مجھے بہت شاندار نیند آئے گی"۔ عارش کے کہنے پر وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

"میں آپ کے پاس آنا چاہتا تھا مگر آپ تو مصروف اتنے رہتے ہیں، آفس پھر انسٹیٹیوٹ، بندہ کس وقت ملے آپ سے؟" وہ شکایت کر رہا تھا۔

"بندہ مجھ تک آنے والا بنے پہلے، وقت نکل ہی آئے گا"۔ عارش نے کہا تھا۔

''میں تو کسی بھی وقت دھاوا بول سکتا ہوں مگر آپ تو میرے انوائٹ کرنے کے باوجود نہیں آئے میرا گھر میلوں دور تو ہے نہیں''۔

''اب تم مجھے شرمندہ مت کرو، میں ضرور آؤں گا اور جلد ہی''۔

''ٹھیک ہے، میں یقین کر لیتا ہوں، اب آپ سو جائیں، مجھے بھائی صاحب کی آواز آ رہی ہے، کافی بنوائے بغیر جان نہیں چھوڑیں گے وہ''۔ ایبک کے عجلت میں کہنے پر اس نے مسکراتے ہوئے خدا حافظ کہہ دیا تھا، فون سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے عارش نے اسے دیکھا تھا جو جاء نماز تہہ کرتی تیز نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''آخری بار کہہ رہی ہوں، آئندہ کبھی میری نماز یا دعا میں خلل مت ڈالنا''۔ وہ ناگوار لہجے میں تاکید کر رہی تھی۔

''میں کہاں خلل ڈالتا ہوں، میں تو تمہیں یاد دلاتا ہوں کہ اللہ نے اپنا ایک حسین ترین بندہ تمہارے حوالے کر دیا ہے، کچھ وقت اسے بھی دے دیا کرو''۔ مسکراتی نظروں سے وہ اسے دیکھتا ہوا بولا تھا، جو لائٹ آف کرتی اپنی جگہ پر آ گئی تھی۔

''مرد، اپنے بارے میں کچھ زیادہ ہی خوش فہمیوں میں مبتلا ہوتا ہے، اسی لیے عورت کے لیے کوفت کا باعث ہوتا ہے''۔ تکیہ درست کرتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

''سنہری حروف سے لکھا جائے گا تمہارا یہ قول''۔ عارش کے خشمگیں لہجے پر وہ بمشکل مسکراہٹ چھپا سکی تھی۔

''کس کا فون تھا؟'' تکیے پر سر رکھتے ہوئے وہ پوچھ رہی تھی۔

''میرا دوست تھا''۔ مختصراً جواب دیتے ہوئے عارش نے کمبل اس پر پھیلایا تھا۔

''تمہارے کسی دوست کا فون 12 بجنے کے بعد نہیں آتا کیونکہ سب جانتے ہیں کہ تم اس وقت سو رہے ہوتے ہو، کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے جو اس وقت کال کی؟'' خرمن کے تشویش زدہ لہجے پر عارش نے ایک نظر پیشانی تک دوپٹے میں چھپے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

''نہیں، کوئی ایسی بات نہیں۔ بس ایسے ہی خیر خیریت دریافت کرنے کے لیے اس نے کال کی تھی''۔ عارش کا جواب سن کر وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی تھی۔

''عارش! تمہیں ٹھیک لگ رہا ہے وہ جو عثمان نے کہا تھا؟'' خرمن کے سوال پر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''بیلا پتہ نہیں کیا سوچے گی، مگر عثمان تو پوری طرح سنجیدہ ہے اسے سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جانے کے لیے''۔

''میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں، مان نے جو کچھ بتایا ہے اس کے بعد کچھ کہا نہیں جا سکتا، بیلا کے لیے وہ زیادہ بہتر فیصلہ لے سکتا ہے، اس نے کچھ دیکھا ہے، محسوس کیا ہے تب ہی تو یہ ارادہ کیا ہے''۔ وہ سنجیدگی سے رائے دے رہا تھا۔

''اسے لگتا ہے کہ بیلا اپنے دل کی بات اس لیے عیاں نہیں کرتی کہ کہیں عثمان کو کوئی ٹھیس نہ پہنچے، وہ سمجھتا ہے کہ بیلا کو کونسلنگ کی، کتھارسس کی ضرورت ہے، ورنہ وہ اسی طرح اندر ہی اندر گھٹتی رہے گی''۔ وہ کچھ

افسردگی سے بول رہی تھی، مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا بیلا کی ذہنی حالت کا، وہ تو مجھ سے کوئی بات نہیں چھپاتی، وہ مجھ سے تو کھل کر ہر بات کر سکتی ہے''۔

''تمہیں کیا لگتا ہے؟'' عارش نے اس سے پوچھا تھا۔

''مجھے لگتا ہے کہ کسی سائیکاٹرسٹ سے زیادہ بیلا کو عثمان کی ضرورت ہے، بلکہ ان دونوں کو ہی آپس میں ہر معاملے پر بات کرنے کی ضرورت ہے، وہ دونوں ایک دوسرے کو زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور سنبھال بھی سکتے ہیں''۔ وہ بولی تھی۔

''تم نے مان سے کچھ کہا؟''

''ابھی تو میں نے اسے روک دیا ہے کہ بیلا کی طبیعت مکمل بہتر ہونے تک اپنا ارادہ اس پر ظاہر نہ کرے، وقت اور موقع دیکھ کر کوئی قدم اٹھائے، اب میں اسے حکم تو نہیں دے سکتی کہ وہ بیلا کو کسی سائیکاٹرسٹ کے پاس نہ لے جائے، کچھ بھی ہے آخر وہ اس کی بیوی ہے اور میں ایک حد کے اندر رہ کر ہی ان کے معاملات میں دخل اندازی کر سکتی ہوں''۔ وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

''میں کہوں گا مان سے کہ اگر بیلا اس کی بات مان کر سائیکاٹرسٹ سے ملنے کے لیے تیار ہوتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کے ساتھ زبردستی نہ کرے''۔ عارش کے کہنے پر اس نے بس تائیدی انداز میں سر ہلایا تھا۔

☆.....☆.....☆

سٹی ہال میں بک فیسٹیول شروع ہو چکا تھا، فیسٹیول کے پہلے دن تو وہ وقت نہیں نکال سکی تھی، مگر آج دوسرے دن وہ یہاں موجود تھی، ہر اسٹال پر بہت نایاب اور ہر موضوع سے متعلق کتابوں کا خزانہ موجود تھا، اسے تو سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ کون سی کتاب خریدے، اسے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا کہ تنہا آنے کے بجائے خرمن کو ہی ساتھ لے آتی، اس سے مشورہ تو وہ لے سکتی تھی۔

یوں ہی کتابوں کے سرورق پر نظر ڈالتے ہوئے اسے اپنے چہرے پر کسی چیز کا احساس ہوا تھا، اپنے اردگرد نظر ڈالنے کے بعد اس نے سامنے دیکھا تھا اور اگلے ہی پل اس کی دھڑکنیں رک سی گئی تھیں، کافی فاصلہ ہونے کے باوجود وہ اسے پہچان گئی تھی، اس کے ہاتھ میں ایک کتاب موجود تھی، منیزہ کو اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر وہ فوراً ہی اپنے ہاتھ میں موجود کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا تھا، جبکہ منیزہ اس پر سے نظر نہیں ہٹا سکی تھی، جو اپنی پر وقار شخصیت کے ساتھ لوگوں کے اس ہجوم میں بھی نمایاں اور الگ دکھائی دے رہا تھا، منیزہ کو لگ رہا تھا کہ جیسے سیاہ رنگ اس شخص کے لیے بنا ہے، آج دوسری بار بھی وہ اسے سیاہ رنگ میں دکھائی دے رہا تھا، فرق صرف اتنا تھا کہ آج اس نے بلیو جینز کے ساتھ بلیک شرٹ زیب تن کر رکھی تھی جس کی سلیوس کلائیوں سے کچھ اوپر تک فولڈ تھیں، منیزہ نے دیکھا وہ اسٹال پر کھڑے سیلز مین سے کوئی بات کر رہا تھا، اپنی توجہ اس جانب سے ہٹا کر وہ کچھ فاصلے پر موجود دوسرے اسٹال کی طرف بڑھ گئی تھی جہاں نسبتاً رش کم تھا، وہاں کتابوں پر نظر دوڑاتے ہوئے اسے چند لمحے گزرے تھے جب عقب سے کسی کے سلام کرنے کی بھاری گمبھیر سی آواز پر وہ جس طرح چونک کر پلٹی تھی، سامنے کھڑا شخص بھی کچھ شرمندہ سا ہو گیا تھا۔

''آئی ایم سوری، میں نے شاید ڈسٹرب کر دیا، یقیناً آپ نے مجھے نہیں پہچانا''۔ اس کی حیرانگی سے پھیلی آنکھوں میں دیکھتا وہ بولا تھا، حالانکہ کچھ دیر پہلے وہ بھی انجان بننے کی کوشش کر چکا تھا، مگر پھر جانے کیا سوچ کر اس تک پہنچ گیا تھا۔

''نہیں، میں نے آپ کو پہچان لیا ہے، آپ انسٹیٹیوٹ کے وزٹ پر آئے تھے''۔ اپنی گڑبڑاہٹ چھپانے کی کوشش کرتی وہ بولی تھی۔

''آپ کی یادداشت بہت اچھی ہے''۔ ہارون کے سنجیدہ لہجے پر منیزہ نے اسے دیکھا تھا جبکہ وہ مسکراتی نظریں اس کے حیران چہرے سے ہٹاتا اسٹال پر سجیں کتابوں کی جانب متوجہ ہوگیا تھا، کچھ عجیب سا منیزہ کو محسوس ہوا تھا لہٰذا لاتعلقی کے ساتھ وہ بھی قدرے فاصلے پر جاتی ایک کتاب اٹھا چکی تھی، مگر چند لمحوں بعد دوبارہ دھڑکنوں میں اتر جانے والی پرعب آواز اس کی سماعتوں کا انتظار ختم کرگئی تھی۔

''یہاں کتابوں کے بہت زبردست ذخیرے موجود ہیں، میری طرح شاید آپ بھی کنفیوژ ہیں کہ کون سی لیں اور کون سی چھوڑ دیں''۔ وہ بولا تھا، جبکہ اس کے لبوں پر موجود ہلکی سی مسکراہٹ نے منیزہ کے دل و دماغ کو جکڑ لیا تھا۔

''جی.... کچھ ایسا ہی ہے''۔ بمشکل مسکرانے کی کوشش کرتی وہ اس کی گہری آنکھوں سے نگاہ چرا گئی تھی۔

''اس کتاب کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟'' ہارون نے اچانک ایک کتاب اس کی سمت بڑھائی تھی جسے لیتے ہوئے منیزہ نے ایک نظر کتاب کے سرورق پر ڈالی تھی اور دوسری نگاہ ہارون پر اگلے ہی پل وہ اپنی مسکراہٹ کو چھپا نہیں سکی تھی۔

''میں کوئی رائے نہیں دے سکتی کیونکہ پوئٹری سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی''۔

''کمال کا اتفاق ہے مجھے بھی کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے''۔ ہارون نے فوراً ہی کتاب اس سے لے کر واپس اس کی جگہ پر رکھی تھی اور پھر وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے مسکرائے تھے۔

''مطالعے سے مجھے دلچسپی ہے، کتابیں جمع کرنے کا شوق بھی ہے مگر شاعری میرے سر سے گزر جاتی ہے، آپ مجھے مکمل طور پر بدذوق مت سمجھیے گا''۔ منیزہ نے کہا تھا۔

''میں کسی بھی طور سے آپ کو بدذوق نہیں سمجھ سکتا، آپ کی اس جگہ موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ سمیت یہاں کوئی بھی شخص بدذوق نہیں ہے''۔ بغور اس کے سادہ چہرے کو دیکھتا وہ بولا تھا۔

''ویسے آپ نے عارش کے انسٹیٹیوٹ کو کب جوائن کیا؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''کچھ عرصہ پہلے ہی اس کی دھمکیوں کے بعد، وہ میرے کزن بھی ہیں''۔ منیزہ نے بتایا تھا۔

''میں یقین نہیں کرسکتا کہ عارش جیسا سوفٹ نیچر بندہ کسی خاتون کو دھمکی بھی دے سکتا ہے''۔

''یقین کریں وہ دیتا ہے''۔ وہ دھیرے سے ہنستی بولی تھی۔

''ابھی ابھی مجھے الہام ہوا ہے کہ آپ کا نام ''ایم'' سے شروع ہوتا ہے۔ ہارون کے اچانک کہنے پر وہ چونکی تھی مگر پھر بے اختیار ہی اس نے اپنی گردن میں موجود سنہری چین میں چمکتے اپنے نام کے پہلے ایلفابیٹ کو چھوا تھا مگر بس مسکرا کر خاموش رہی تھی۔

''آج آپ انسٹیٹیوٹ نہیں گئیں؟'' اس کی خاموشی پر ہارون نے پوچھا تھا۔

''میں انسٹیٹیوٹ سے سیدھا یہیں آئی ہوں مگر ایک گھنٹہ گزرنے کے باوجود ابھی تک کوئی کتاب نہیں لے سکی''۔ منیزہ نے کچھ مایوسی سے کہا تھا۔

''کوئی بات نہیں، کتابیں لینے میں، میں آپ کو مشورہ دے سکتا ہوں، اس توقع کے ساتھ کہ آپ بھی میری کچھ مدد اس معاملے میں کریں گی''۔ ہارون نے کہا تھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اس کا سیل فون چیخ اٹھا تھا،

ہمدرد کا شربتِ فولاد

بوند بوند میں فولاد
مضبوط رکھے جیسے فولاد

بچوں بڑوں میں سبھی کے لئے نہایت مفید و موثر

ذہنی و جسمانی طاقت کے لئے ہمدرد کا شربتِ فولاد جس کی بوند بوند میں ہے فولاد کی طاقت۔ خاندان کے ہر فرد کے لئے شربتِ فولاد جو رکھے دن بھر چاق و چوبند۔

- بڑھتی عمر کے لئے
- بیماری کے بعد کمزوری دور کرے
- زمانہ حمل میں موثر

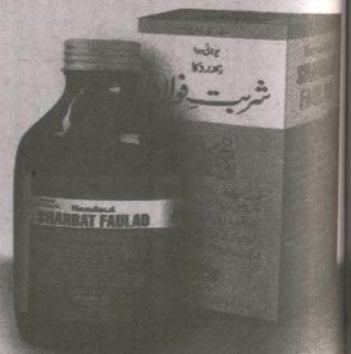

ہمدرد

نظرِ بد کی حقیقت

نظرِ بد کے بارے میں فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

آپؐ نے فرمایا: اَلْعَیْنُ حَقٌّ

ترجمہ: نظر کا لگ جانا برحق ہے (صحیح بخاری)

- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نظرِ بد سے بچنے کیلئے تعویذ استعمال کیا کریں۔ (ابوداؤد)
- حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر ایک لڑکی کو دیکھا جس کا چہرہ زرد تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا اس کے لئے دعا تعویذ کراؤ اسے نظرِ بد لگی ہے۔ (بخاری، مسلم)
- حضرت عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ زمانۂ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کرتے تھے (اسلام لانے کے بعد) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے تعویذات مجھے پیش کرو، اگر ان میں شرک نہ ہو تو ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ (مسلم)

علاج

- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظرِ بد سے بچنے کے لئے دعائیہ کلمات بھی اپنی امت کو بتلائے۔ مثلاً فرمایا کہ جب تمہیں کوئی چیز اچھی لگے تو بَارَكَ اللّٰهُ کہو۔ (مؤطا)
- جس کی نظر لگے، اس کو کہا جائے کہ غسل کرے اور اس کے غسل کا پانی اس شخص کے سر اور جسم پر ڈالا جائے جس کو نظر لگی ہو۔ (مشکوٰۃ)
- مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (سورۃ کہف) پڑھنا قرآن سے ثابت ہے۔
- سورۃ الفلق اور سورۃ الناس بھی نظر کے لئے بطور دم پڑھنا چاہیئے۔ (صحیح ترمذی)

الھدیٰ انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ آف اسلامک ایجوکیشن فار ویمن

اسلام آباد: 58-ناعم الدین روڈ، F-8/4 اسلام آباد، پاکستان فون: 051-2261759 فیکس: 051-2264773 ویب سائٹ www.alhudapk.com

کراچی: ممبرز پلازہ-2 ہلکو۔ نزد تین تلوار چوک، کلفٹن کراچی، پاکستان۔ فون: 021-5872923-5896704 فیکس: 021-5383560

سرعت سے شولڈر بیگ میں سے فون نکال کر اس نے کال ریسیو کی تھی جبکہ ہارون دوبارہ کتابوں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''آئی ایم سوری، مجھے جانا ہوگا، میرے بھائی باہر میرا انتظار کر رہے ہیں''۔ منیزہ کی آواز پر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''کل آپ اسی وقت یہاں آئیں گی؟'' ہارون کے سوال پر وہ حیران ہوئی تھی۔

''دراصل میں بھی اب جاؤں گا، یہاں آنے کا جو مقصد تھا وہ نہ آپ کا پورا ہوا ہے اور نہ میرا، مجھے تو ضرورت ہوگی کل آپ کی مدد کی''۔ اس کی حیران نظروں پر وہ کچھ جھجکتے ہوئے بولا تھا۔

''کل شاید میں وقت نہ نکال سکوں''۔ منیزہ تذبذب میں مبتلا ہوئی تھی۔

''پرسوں...؟'' سوال آیا تھا۔

''جی... پرسوں شاید میں آؤں''۔

''یقیناً کہتیں تو زیادہ بہتر ہوتا، لیکن پھر بھی میں پرسوں شام یہاں آپ کا انتظار کروں گا، آیئے چلتے ہیں''۔ قطعی لہجے میں بات ختم کرتا وہ اسے چلنے کا اشارہ دے گیا تھا، اس سے ایک قدم پیچھے چلتے ہوئے وہ عجیب گومگوں کی سی کیفیت میں تھی، اس کے لیے اب بھی یقین کرنا مشکل تھا کہ چند قدم آگے چلتا یہ سروقد شاندار شخص اب اجنبی نہیں رہا ہے، اس مختصر سی بات چیت سے پہلے وہ یہ یقین کر چکی تھی کہ کشادہ گہری آنکھوں اور اونچی پتلی کھڑی ناک رکھنے والا یہ شخص کافی مغرور اور خود پسند ہے، اگر ایسا ہی ہوتا تو یہ کوئی قابل گرفت بات نہ ہوتی، اس کی شخصیت اس کی وجاہت یہ حق دیتی تھی کہ وہ غرور رکھتا، منیزہ جانتی تھی کہ وہ چہرہ شناس نہیں ہے اور آج یہ بات سچ ثابت ہو گئی تھی، سر اٹھائے اس کے سیاہ خم دار بالوں کے چھوٹے چھوٹے چمکتے اسٹیپس کو تکتی وہ کسی ٹرانس میں اس کے پیچھے چل رہی تھی جب ہارون نے یکدم ہی گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا چوری پکڑے جانے پر منیزہ کا دل جیسے اچھل کر حلق میں آیا تھا۔

''آپ فکر مت کریں، گیٹ تک پہنچ کر ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو جائیں گے تاکہ آپ کے بھائی صاحب کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں''۔ مسکراتی نظروں سے ہارون نے اس کے سرخ چہرے کو دیکھا تھا جو نظر تک نہیں اٹھا سکی تھی، دھڑکتے دل کو سنبھالتی جب وہ گیٹ سے باہر نکلی تو اس نے دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی کہ جس کے قدموں کے نقش پر قدم رکھتی وہ ہال سے نکلی تھی وہ شخص اب کس راستے پر جا رہا ہے، اس کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ وہ شخص اس کی دھڑکنوں کے راستے میں ایستادہ ہو کر مسلسل اپنی قربت کا احساس دلا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

ویک اینڈ کا یہ لیٹ نائٹ ہپ ہاپ فارمیٹ پر مبنی شو توقع سے بڑھ کر کامیاب ہوا تھا، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ تین دن سے ویک اینڈ کے اس شو کے پروموچلائے جا رہے تھے، لسنرز کو ایکسائیٹڈ کرنے کے لیے جبکہ ہارون اپنے پروگرام میں خاص طور پر اس نئے شو کی تشہیر کرتا رہا تھا، خرمن کا نام آواز کی دنیا میں داخل ہو کر روشن ہو رہا تھا، عثمان کا یہ پہلا شو تھا مگر سامعین کے لیے اس کا نام بھی نیا نہیں تھا، رات کے شوز میں عثمان جن پریزینٹرز کے ساتھ ہوتا تھا، ان کو کسی نہ کسی مدد کے لیے عثمان کا نام لینا پڑتا تھا، ان ڈائریکٹلی عثمان پروگرام میں شامل رہتا تھا، اکثر جب کالرز اپنے پریزینٹرز سے آف ایئر بات کرنے کی خواہش ظاہر کرتے تو عثمان ہی ان کو ہولڈ پر لیتا تھا، ایسا زیادہ تر ہارون کے شو میں ہوتا تھا بعد میں وہ ہارون کا خوب ریکارڈ لگاتا تھا کہ صرف

خواتین ہی اس سے آف ایئر بات کرتی تھیں، حالانکہ یہ سچ تھا کہ ہارون آف ایئر بات کرنے سے کتراتا تھا مگر اپنے لسنرز کے جذبات کا احترام بھی اس پر لازم تھا۔

آج کے اپنے پہلے شو میں بھی عثمان کو موقع ملا تھا کہ ہارون سمیت ان سب پریزینٹرز کو اپنے شو میں شامل رکھے جو خاص طور پر اس کا پروگرام براہ راست دیکھنے کے لیے بھی اسٹوڈیو کے باہر موجود تھے، ان سب میں فی میل پریزینٹرز بھی شامل تھیں، شو کے آغاز میں خرمن نے پروگرام کے فارمیٹ کے حوالے سے لسنرز کو آگاہ کیا تھا، ٹاپک دلچسپ رکھا تھا، جس میں نوجوان لڑکے لڑکیوں نے کالز اور ایس ایم ایس کے ذریعے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، عثمان نے جس طرح ان تمام کالرز کے کان خرمن کے ساتھ مل کر کھینچے تھے اور خرمن نے جس طرح لڑکیوں کی طرفداری میں عثمان سے نوک جھونک کی تھی، اسٹوڈیو کے باہر جتنے بھی لوگ موجود تھے ان کی بلند ہنسنے کی آوازیں آن ایئر جا رہی تھیں، کچھ ٹین ایجرز لڑکے ایسے بھی آن لائن آئے تھے جو صرف خرمن سے بات کرنا چاہ رہے تھے، مگر عثمان ان کو موقع نہیں دے رہا تھا، اپنی ہنسی کو کنٹرول کرنے کے لیے خرمن کو کئی بار اپنا مائیک آف کرنا پڑا تھا، عثمان بالکل فارم میں تھا اس نے اس بے چارے چائے والے کو بھی نہیں چھوڑا تھا جو اس کے لیے اور خرمن کے لیے گرم گرم چائے لے کر اسٹوڈیو میں آیا تھا، خرمن کو پہلی بار ہارون کو دیکھتے ہوئے اس وقت بے تحاشہ ہنسی آئی تھی، جب عثمان نے اس سے ان پروپوزلز کا سبب جاننے کے لیے سوالات شروع کر دیئے جو پروپوزلز اسے اکثر آن لائن کالز پر ملتے تھے اور ظاہر ہے ہارون کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، شرمندگی سے ہنستا وہ عثمان کی نظروں کے سامنے سے ہی ہٹ گیا تھا، خوشی کی بات یہ تھی کہ شو کے دوران ان موسٹ سینئرز پریزینٹرز نے بھی کال کر کے ان دونوں کی تعریفیں کی تھیں جن کے سامنے وہ ابھی کچھ بھی نہیں تھے۔

ان کے شو کے بعد ہارون کو پروگرام شروع کرنا تھا مگر اسٹوڈیو میں جانے کے بجائے اس نے اپنے انجینئرز کو بیک ٹو بیک چلانے کی ہدایت دی تھی کیونکہ ابھی اسے پہلے عثمان کو مبارکباد دینی تھی اور اس کے کان بھی کھینچنے تھے، مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی کہ عثمان نے اسٹوڈیو سے باہر آتے ہی خود ہی اپنے کان پکڑ لیے تھے، مگر یہ سچ تھا کہ جب تک وہ ہاٹ سیٹ پر رہا، لسنرز کے ساتھ ساتھ اس نے اسٹوڈیو کے باہر موجود ہر انسان کو ہنسا ہنسا کر دوہرا کر دیا تھا، اسٹوڈیو کے باہر ہر طرف قہقہے گونجتے رہے تھے، عثمان ان سب میں گھرا اب جان بچانے کی کوشش کر رہا تھا جو اس سے ٹریٹ مانگ رہے تھے، جبکہ خرمن کے پاس اب رکنے کا وقت نہیں تھا کہ عارش کی مس کال اسے موصول ہو گئی تھی، یہ سگنل تھا کہ وہ اسے پک کرنے آ چکا ہے، عثمان تو ابھی بری طرح پھنسا ہوا تھا، لہٰذا اپنی ایک کولیگ کو اس نے جاتے ہوئے تاکید کر دی تھی کہ وہ عثمان کو بتا دے اس کے جانے کے بارے میں۔

تیز قدموں کے ساتھ لفٹ کی جانب بڑھتے ہوئے اس نے ریسٹ واچ میں وقت دیکھا تھا۔ 1 بجنے والا تھا اور اسے عارش کی نیند کی فکر تھی، اتنی رات تک جاگنا اور پھر ڈرائیو کر کے یہاں تک آنا یقیناً کافی دشوار مرحلہ تھا اور خرمن جانتی تھی کہ وہ کبھی اس ڈسٹربنس کی شکایت نہیں کرے گا۔ لفٹ سے وہ کچھ فاصلے پر ہی تھی جب عقب سے آتی اپنے نام کی پکار پر وہ چونک کر پلٹی تھی، تیز قدموں کے ساتھ اپنی طرف آتے شخص کو دیکھ کر ہی ناگواری کی لہر اس کے اندر دوڑی تھی۔

''عثمان تو بری طرح سب کے گھیرے میں ہے مگر میں آپ کو نیچے تک چھوڑ دیتا ہوں، لفٹ میں کچھ خرابی ہے''۔

''نہیں، آپ کا بہت شکریہ، میں اسٹیئرز سے چلی جاؤں گی، آپ زحمت نہ کریں''۔ اپنے چہرے پر اس کی گہری نگاہیں خرمن کو اس وقت بھی شدید کوفت اور جھلاہٹ میں مبتلا کر گئی تھیں۔

''اس میں زحمت کی کوئی بات ہی نہیں ہے، ہم سب یہاں ایک فیملی ممبر کی طرح ہیں، مجھ پر فرض ہے کہ میں آپ کا خیال رکھوں آپ کی پرواہ کروں''۔ اس کے نرم اور بے اختیار لہجے میں جو کچھ تھا وہ خرمن کی سمجھ سے باہر تھا مگر وہ شدید ناگواری محسوس کر رہی تھی۔

''ایکسکیوزمی.... میں یہاں اپنی ذمے داری پر آتی ہوں، آپ کو ضرورت نہیں کہ میرے فرض اپنے سر پر لیں، اور آئندہ مجھے اس طرح آواز دے کر مت روکیے گا، مجھے یہاں صرف اپنے کام سے غرض ہے''۔ ضبط کے باوجود وہ اپنا غصہ اور ناگواری چھپا نہیں سکی تھی جبکہ ہارون کا چہرہ بجھ سا گیا تھا۔

''میں معذرت خواہ ہوں، آئندہ ایسا نہیں ہوگا''۔ مدھم لہجے میں بولتا وہ جانے کے لیے پلٹ گیا تھا قریب آتے عثمان پر ایک خاموش نگاہ ڈالتا ہوا وہ تیزی سے چلا گیا تھا، اس کی پشت سے نظر ہٹا کر عثمان نے حیرت سے خرمن کے بگڑے تاثرات کو دیکھا تھا۔

''تم اسے اپنی زبان میں سمجھا دو، وہ میرے لیے حد سے زیادہ مہربان بننے کی کوشش نہ کرے اور نہ ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی، مردوں کے یہ حربے پرانے ہو چکے ہیں''۔ عثمان کے کسی استفسار سے پہلے ہی وہ زہر خند لہجے میں بولی تھی۔

''اس نے ایسا کچھ نہیں کیا کہ تم اس کے بارے میں اتنی غلط بات کہو، اس طرح کسی کی نیت پر شک نہیں کرنا چاہیے، میں اس شخص کی شرافت کی گواہی دینے کے لیے تیار ہوں''۔

''اور تمہاری شرافت کی گواہی کتنے لوگ دیں گے؟'' درمیان میں جس طرح اس نے عثمان کی بات کاٹی تھی وہ بمشکل ہی کچھ کہنے سے خود کو روک سکا تھا۔ چونک کر عارش نے ان دونوں کے تاثرات دیکھے تھے، کسی گڑبڑ کا احساس اسے ہو گیا تھا جو غلط بھی نہ تھا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتا کہ تمہاری بیوی نے تم پر کیسے اعتبار کیا، شادی سے پہلے اس نے درجن بھر لوگوں سے تمہاری شرافت کی گواہی تو ضرور لی ہوگی؟'' عثمان کے تلخ لہجے پر وہ دنگ ہوا تھا۔

''فضول بکواس مت کرو، اپنی حد میں رہو''۔ خرمن نے بری طرح اسے جھڑکا تھا۔

''مجھے میری حد مت بتاؤ تم، بس اتنا یاد رکھو کہ تمہیں کوئی حق نہیں کسی انسان کے کردار پر کیچڑ اچھالنے کا''۔ غصیلے لہجے میں خرمن سے مخاطب ہوتا وہ فوراً ہی اپنی بائیک کی سمت بڑھ گیا تھا۔

''مان! رکو میرے بات تو سنو''۔ عارش نے اس کی طرف بڑھنا چاہا تھا مگر خرمن نے سرعت سے اس کا بازو پکڑ کے روک لیا تھا۔

''بہت عزیز ترین رشتے دار بن چکا ہے وہ تمہارا جو اس کی شان میں میرا ایک جملہ بھی برداشت نہیں ہوا تم سے؟'' وہ عثمان پر چیخی تھی جو ایک غصیلی نگاہ اس پر ڈالتا بائیک ہوا میں اڑاتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

''خرمن! تم جانتی ہو کہ تمہارے معاملے میں مجھے مان پر کتنا اعتبار ہے اور میں بھی یہ جانتا ہوں کہ تم خود اس پر کتنا اعتبار کرتی ہو، تمہارے ریڈیو جوائن کرنے کے بعد وہاں اسے مجھ سے زیادہ تمہاری سیکیورٹی کی پرواہ ہے، وہ ایسے کسی شخص کی موجودگی میں تمہیں وہاں لے جانے کا نہیں سوچ سکتا تھا جس کی وجہ سے اسے کوئی خدشہ ہو، اسے اپنی ذمے داری کا احساس ہے، اگر وہ ناراض ہوا ہے تو اس لیے کہ تم اس شخص کو برا سمجھتی ہو جس

کی وہ بہت عزت کرتا ہے، تم سے چاہتا ہے کہ تم بھی اس کی عزت کرو"۔ ڈرائیو کے دوران عارش نے نرم لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"جو کچھ تم نے مجھے بتایا اسے سننے کے بعد مجھے نہیں لگتا کہ اس شخص نے کوئی ایک بھی بات ایسی کی ہے جس کے لیے اس کی نیت پر یا اس کے خلوص پر شک کیا جائے، اس طرح ری ایکٹ کر کے تمہیں اپنا امیج خراب نہیں کرنا چاہیے"۔

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ مجھے اس شخص سے ہنس ہنس کر باتیں کرنی چاہئیں، اس سے بے تکلف ہونا چاہیے، جو مجھے سخت ناپسند ہے"۔ وہ ناگواری سے بات کاٹ گئی تھی۔

"میرا مقصد بالکل بھی یہ نہیں ہے، میں تمہیں بس یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس جگہ ہم چند لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں، وہاں سب کو برابر عزت اور احترام دینا چاہیے، کسی ایک کو ڈی گریڈ کر کے باقی سب کو اہم جاننا اس شخص کی تحقیر ہے جو ڈی گریڈ ہو رہا ہے، اور تم کچھ ایسا ہی کر رہی ہو، میں جس پروفیشن میں ہوں وہاں میرے سارے کولیگز بہت اچھے انسان ہوں گے، مگر ضروری نہیں ہے کہ مجھے وہ سب پسند ہوں، لیکن پھر بھی میں ان سب کو یکساں عزت دیتا ہوں، ہوسکتا ہے کہ مجھے لوگ ناپسند کرتے ہوں مگر میں بھی یہ نہیں چاہوں گا کہ مجھے برابری کا درجہ نہ دیا جائے، مجھے دوسروں سے کم تر سمجھا جائے، میں جس کی عزت کرتا ہوں فطری طور پر میں اس سے اتنی ہی عزت ملنے کی توقع کروں گا اور جب ایسا نہیں ہوگا، تو ظاہر ہے مجھے تکلیف ہوگی، پسند یا ناپسند سے ماورا ہو کر انسانیت کے کچھ اہم تقاضے ہمیں پورے کرنے پڑتے ہیں، کسی پروفیشن میں کامیاب ہونے کا پہلا مرحلہ یہی ہوتا ہے کہ اپنے سینئرز کی عزت اور ان کا ادب کیا جائے، ان کے تجربات اور گائیڈ لائن سے مستفید ہونے کے موقع تلاش کیے جائیں"۔ ونڈ واسکرین سے نظر ہٹا کر عارش نے ایک نظر اسے دیکھا تھا جو سامنے دیکھتی کچھ سوچ بھی رہی تھی۔

"مان اگر اس شخص کے لیے تم پر ناراض ہوا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ شخص عام نہیں، میری نظر میں بھی نہیں"۔ اس کے گہرے سنجیدہ لہجے پر زرمین نے اسے دیکھا تھا۔

"عثمان کی طرح کیا تمہیں بھی اس شخص سے محبت ہوگئی ہے؟ اس کے ناگوار لہجے پر عارش حیرت سے اسے دیکھتا مسکرا اٹھا تھا۔

"موقع ملا تو میں ہارون سے معذرت کرلوں گی"۔ وہ خفت سے بولی تھی۔

"ضرور..... مگر عثمان کی موجودگی میں تاکہ اس کی ناراضی بھی ختم ہو"۔ وہ بولا تھا۔

"ویسے تم دونوں نے اتنا اچھا شو پریزینٹ کرنے کے بعد.....!"

"ہاں، بول دو اپنی اوقات دکھا دی"۔ عارش کے بات ادھوری چھوڑنے پر وہ بھنا کر بولی تھی۔

"میں یہ بالکل نہیں کہنا چاہتا تھا، کیونکہ یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی"۔ وہ دھیرے سے ہنستے ہوئے بولا تھا۔

"اچھا، اب اپنا غصہ ختم کرو، تمہیں پتہ ہے کہ تم غصے میں کتنی حسین لگتی ہو اور اگر میں اس طرح تمہیں بار بار دیکھتا رہا تو یقیناً چالان کٹوا لوں گا"۔ اس کے شوخ لہجے پر وہ بس کوفت سے سر جھٹک کر رہ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

سنک میں برتن دھوتے ہوئے وہ عثمان کی سمت متوجہ ہوئی تھی، جو کچن میں داخل ہوتا بس ایک نگاہ اس پر

ڈالتا فریج کی سمت بڑھ گیا تھا، بیلا بجھ سی گئی تھی، آج بھی اسے عثمان کی آنکھوں میں اور لہجے میں کوئی شوخی یا وارفتگی دکھائی دی نہ محسوس ہوئی، اس کی سنجیدگی کا یہ لبادہ بیلا کے دل کو مزید بوجھل کر رہا تھا، ایک بے نام سی دوری اور جھجک وہ اپنے اور اس کے درمیان محسوس کر رہی تھی۔

"یہ کام کب ختم ہوں گے تمہارے، تم جانتی ہو کہ میرے پاس یہی وقت ہوتا ہے تم سے آرام سے بیٹھ کر بات کرنے کا"۔ اس کی شکایت پر بیلا نے اسے دیکھا تھا جو پانی کا گلاس ہاتھ میں تھامے بہت سنجیدہ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"بس ایک منٹ میں آتی ہوں"۔ نظر چراتے ہوئے وہ بولی تھی۔

"تمہارے لیے چائے یا کافی بناؤں؟" اس کے سوال پر وہ کچن سے نکلتے ہوئے رکا تھا۔

"نہیں، کھانے کے بعد اب کسی چیز کی گنجائش نہیں"۔ اس کے انکار پر وہ سر ہلاتی دوسری طرف متوجہ ہوگئی تھی جبکہ عثمان ایک گہری نظر اس کے ملگجے سے کمزور سراپے پر ڈالتا واپس کچن سے نکل گیا تھا۔

آج خفگی میں اضافہ ہوگیا تھا، اپنے سرد ہوتے ہاتھ آپس میں رگڑتی وہ اس کی طرف آئی تھی، جو صوفے پر براجمان سینے پر بازو لپیٹے ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ تھا مگر اب اس کی طرف۔

"یہاں بیٹھو!" اسے دوسرے صوفے پر بیٹھتے دیکھ کر عثمان نے اسے اپنے قریب آ کر بیٹھنے کا اشارہ بھی دیا تھا، اور بغور اس کے زرد چہرے کو دیکھا تھا جو کچھ فاصلے پر آ بیٹھی تھی۔

"تمہارا اور خرمن کا پروگرام ختم ہوتے ہی فاران کا فون آیا تھا، وہ بھی بہت خوش تھا، کہہ رہا تھا کہ اس نے پروگرام میں کال کرنے کی بہت کوشش کی مگر لائن مل کر نہیں دی"۔ اس کی خاموش پر سوچ نظروں پر وہ کچھ گڑبڑائے انداز میں خاموشی توڑ گئی تھی۔

"بہت اچھا ہوا اس کی کال نہیں ملی ورنہ وہ درگت بناتا کہ دوبارہ کال کرنے سے توبہ کرلیتا"۔ اس کے مسکراتے لہجے پر وہ دھیرے سے ہنسی تھی۔

"موسم سرد ہوتا جا رہا ہے، کم از کم رات کے وقت تم پانی میں کام کرنے سے گریز کیا کرو، تمہاری طبیعت کی خرابی مجھے بھی بیمار کر دیتی ہے"۔ اس کی تاکید پر وہ بس ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتی رہی تھی، جو اس کے یخ ہوتے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبائے گرمی پہنچا رہا تھا۔

"تمہیں مجھ سے کوئی ضروری بات کرنی تھی؟" بغور بیلا نے اس کے سنجیدہ تاثرات کو دیکھا تھا جو اس کے ہاتھوں کو سہلاتا بات شروع کرنے کے لیے لفظوں کو ذہن میں ترتیب دے رہا تھا۔

"بیلا! تم جانتی ہو کہ تم میرے لیے کیا ہو، اس وقت میرے پاس جو سب سے قیمتی اور اہم ہے وہ تم ہو، سچ کہوں تو میرے پاس تمہارے علاوہ کچھ باقی نہیں بچا ہے"۔ اس کے مدھم لہجے پر بیلا کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی۔

"جانتی ہوں"۔ اس کی خاموش نظروں سے نگاہ چراتی وہ نم لہجے میں بولی تھی۔

"مجھے تمہاری بہت فکر رہتی ہے، میں تمہیں ہر طرح سے خوش اور مطمئن دیکھنا چاہتا ہوں"۔

"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ خوش نہیں ہوں؟" بیلا نے مضطرب نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"تم میری زندگی کی شدید آرزو تھے، میری پہلی خواہش تھے، میں اللہ کی شکر گزار ہوں کہ مجھے تمہارا ساتھ

مل گیا ہے، مجھے تم مل گئے ہو"۔

"مگر تم مجھے نہیں مل سکیں"۔ اس کے مدھم لہجے پر وہ بس ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے وہ بیلا نہیں ملتی، جسے میں جانتا تھا، جسے تم نے اپنے اندر کہیں چھپا دیا ہے، مجھے اس بیلا کی تلاش ہے"۔

"تمہیں مجھ پر اعتبار ہے تو یقین کرلو، وہ بیلا بھی جلد تمہیں مل جائے گی، جس کی تمہیں تلاش ہے"۔ نم آنکھوں سے اسے دیکھتی وہ ذرا مسکرائی تھی۔

"بیلا! میں جانتا ہوں کہ تم کس ذہنی انتشار میں مبتلا ہو، شاید ہم دونوں ہی اعتراف نہ کریں مگر ہم فرسٹریشن اور ڈپریشن کا شکار ہیں، میں اپنی مصروفیات کے ذریعے ان دونوں پر ابلمز پر قابو پا سکتا ہوں کیونکہ میرے اعصاب مضبوط ہیں، لیکن تم بہت حساس ہو، تمہارا دل بہت نازک ہے، ہم کوشش کے باوجود ایک نارمل زندگی شروع نہیں کر پا رہے، میں قصوروار ہوں کہ تمہیں وقت نہیں دے پاتا، سارا دن گھر میں تمہارہ کرتم گزرے حالات کے بھنور سے نہیں نکل سکتی ہو، لیکن اب میری ساری توجہ تم پر ہے، دنیا کے جھمیلے تو آخری سانس تک ساتھ رہیں گے، اور ان کے لیے اپنے آج کو اپنے کل اور خاص طور پر تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا"۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ ایک پل کو خاموش ہوا تھا۔

"بیلا! میں تمہیں ڈپریشن اور فرسٹریشن کا شکار مزید ہوتے نہیں دیکھ سکتا، ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے میں تمہیں سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جانا چاہتا ہوں، کل ہی.... کیا تم تیار ہو؟" عثمان کے سوال پر وہ جو پہلے ہی دنگ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، چہرے کے بدلتے تاثرات کے ساتھ وہ سرد مہری سے اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے نکال گئی تھی۔

"تمہیں یہ لگتا ہے کہ میں نارمل نہیں ہوں؟" اس کے سرد لہجے نے عثمان کو دنگ کیا تھا۔

"مجھے غلط مت سمجھو، سائیکاٹرسٹ سے رجوع کرنے کی بات اگر میں کر رہا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں تمہیں ابنارمل سمجھ رہا ہوں"۔

"تم ایسا ہی سمجھ رہے ہو، اور یہ پہلی بار نہیں ہے، اس سے پہلے بھی تم مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر چکے ہو کہ میں نارمل بھی ہوں یا نہیں"۔ یکدم ہی بھڑک کر بولتی وہ عثمان کو مزید دنگ کر گئی تھی۔

"کتنی بار میں نے ابنارمل ہونے کے ثبوت پیش کیے ہیں؟ کتنی بار میں نے نیند میں تمہاری جان لینے کی کوشش کی ہے؟ مجھ سے تمہیں اور تمہارے گھر کو کون سے نقصان پہنچنے کے خطرے ہیں جو تم میرے دماغ کے خلل نکالنے کے لیے سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جانے کے ارادے کر کے بیٹھے ہو؟ بتاؤ مجھے"۔ شدید غصے میں صوفے سے اٹھتی وہ چیخ رہی تھی۔

"اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ میرے خلوص کو تم اتنے منفی انداز میں دیکھو گی تو میں کبھی یہ بات نہ کرتا، ایک نارمل انسان کو سائیکاٹرسٹ کی ضرورت زندگی کے کسی بھی حصے میں پڑ سکتی ہے اور اس کے لیے ابنارمل ہونا ضروری نہیں ہے، مجھے تم سے ایسی غلط سوچ کی توقع نہیں تھی"۔ اس کے مقابل آتا وہ شدید تاسف سے بولا تھا۔

"تمہیں اب میرے اندر سب کچھ ہی غلط نظر آتا ہے، تم میرے اٹھنے بیٹھنے پر، میری ایک ایک حرکت پر نظر رکھنے لگے ہو، کیا میں سمجھ نہیں سکتی تمہاری جانچتی ہوئی نظروں کو تنقیدی لہجے کو، باہر کی رنگینیوں میں آنکھیں رنگتے رہنے کے بعد تمہیں مجھ میں کیڑے نہیں نظر آئیں گے تو کیا ہیرے موتی جڑے نظر آئیں گے؟" وہ

سرخ چہرے کے ساتھ چلائی تھی۔

"غلط بات مت کرو بیلا! میں تمہیں زبردستی کسی سائیکاٹرسٹ کے پاس نہیں لے جا رہا، نہیں جانا تو مت جاؤ، مگر اس طرح بات کو پھیلا کر غلط رخ پر مت لے جاؤ"۔ سخت لہجے میں وہ اس پر برسا تھا۔

"غلط.... غلط.... میرے اندر سب کچھ غلط ہے، تو کیوں رکھا ہوا ہے مجھے اپنے اس گھر میں؟" وہ حلق کے بل چیخ اٹھی تھی۔

"سوچ سمجھ کر بات منہ سے نکالو، میں نے تمہیں اس گھر میں رکھا ہوا نہیں ہے، یہ گھر ہے تمہارا، یہاں تم رہتی ہو"۔ عثمان کی آواز اس بار بلند تھی۔

"میں اب کچھ بھی سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہوں، کیونکہ میں تو ابنارمل ہوں، تم مجھے سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جانے کی زحمت نہ کرو، بلکہ سیدھے مینٹل ہاسپٹل شفٹ کر دو، گھر مجھے راس نہیں آتے اگر ایسا نہ ہوتا تو تمہاری بہن اور اس کا شوہر اتنی آسانی سے مجھے اپنی چھت سے محروم نہ کرتے"۔

"میری بہن کو درمیان میں مت لاؤ، اس آدمی کو کوسو جو آج بھی میرے اور تمہارے درمیان دیوار بن کر کھڑا ہے، زہر کی طرح اترا ہوا ہے تمہارے اندر، ہر گھڑی، ہر دن میرا امتحان لیتا ہے، محصور کر چکا ہے وہ تمہیں اپنی ذات کی دیواروں میں اور میں اول درجے کا پاگل دن رات ان دیواروں سے سر ٹکراتا ہوں"۔ شدید غصے میں بولتا وہ اسے ساکت کر گیا تھا۔

"مجھے اس آدمی کا طعنہ مت دو، اگر تم نے دوبارہ مجھ پر ایسا وار کیا تو میں ایک منٹ نہیں لگاؤں گی اس گھر سے نکلنے کے لیے"۔ وہ غرائی تھی۔

"کیا کہا تم نے؟" ایک جھٹکے سے اس کا بازو تھام کر قریب کرتا وہ مشتعل ہوا تھا۔

"اتنا آسان ہے تمہارے لیے اس گھر کو چھوڑنا؟ تمہارے لیے میں نے اپنے ماں باپ کی اپنی بہن کی پرواہ نہیں کی اور آج تم ہی مجھے اور اس گھر کو چھوڑ کر جانے کی دھمکی دے رہی ہو؟" اس کے بازو کو جھنجھوڑتا وہ اسے سر سے پیر تک ہلا گیا تھا۔

"کون کہتا ہے کہ تم نے میرے لیے اپنے ماں باپ کی پرواہ نہیں کی؟" اس کی خون رنگ آنکھوں میں دیکھتی وہ زہر خند لہجے میں بولی تھی۔

"اگر میرے لیے تمہیں ان کی پرواہ نہیں ہوتی، تو تم میرے ساتھ اس گھر میں نامحرم بن کر نہ رہ رہے ہوتے، ان کی لاتعلقی تمہیں مجھ سے کوئی تعلق قائم نہیں کرنے دیتی، ان کی ناراضی تمہیں میرے قریب نہیں آنے دیتی، یہ اپنوں کا غم ہی تو ہے جو تم مجھے اس گھر میں بیوی کا درجہ نہیں دے سکے اور خود کو دھوکہ دیتے ہو کہ مجھے وقت چاہیے میں ابھی ذہنی انتشار کا شکار ہوں، دھول جھونکتے ہوا اپنی ہی آنکھوں میں، اگر یہ سچ نہیں ہے تو پھر میں مان لیتی ہوں کہ تم سچے ہو، اس گھر میں جو کچھ غلط ہے سب میری وجہ سے ہے تو پھر میں کیوں رہوں اس گھر میں، اس گھر کی دیکھ بھال کے لیے تمہیں مجھ سے بہتر ملازمہ مل سکتی ہے، یہ گھر میرا نہیں ہے، یہ گھر اس کا ہوگا جو تمہارے ماں باپ کو تم سے جوڑ دے اور میں وہ نہیں ہوں"۔ بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ چیخی تھی، ساکت نظروں سے وہ اسے دیکھ رہا تھا جو بھاگتی ہوئی کمرے کی طرف جا کر دروازہ بند کر چکی تھی۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

حنا اصغر

افسانہ

مے تم نہیں دیا ساقیو گو!

آج کافی عرصے بعد میری احسان خان سے ملاقات ہوئی تھی، وہ فیکٹری کی یونین کا بہت بڑا لیڈر تھا، انتہائی خوبرو وجیہہ انسان تھا، اونچا لمبا براؤن آنکھوں والا احسان کسی ناول کے ہیرو سے ہرگز کم نہ تھا، کچھ عرصہ پہلے میں فیکٹری مالکان، یونین اور ان کے خساروں پر ایک آرٹیکل لکھنا چاہتا تھا، میری کئی کتابیں مارکیٹ میں آچکی تھیں، اور کئی کتابوں پر مجھے ایوارڈ ملے تھے، میں نے کئی فلموں اور ڈراموں کے لیے اسکرپٹ بھی لکھے تھے۔ میں کچھ دنوں سے آرٹیکل لکھنا چاہتا تھا، اس کے لیے میں کراچی میں ایک بہت بڑی مل کے چیئرمین سے ملا اور ان کی اعانت سے میں وہاں کی انتظامیہ کے ارکان اور یونین کے ارکان سے ملا، وہیں میری ملاقات احسان خان سے ہوئی، مجھے اس سے مل کر احساس ہوا کہ اس جیسا نفیس بندہ یہاں کہاں آکر پھنس گیا ہے اور جب مجھے یہ پتہ چلا کہ اس کا تعلق بھی آزاد کشمیر سے ہے، تو مانو اس سے اپنائیت و وابستگی کا پتہ چل گیا، ہم دونوں پردیسی تھے، ہمارا خمیر ایک ہی مٹی سے ابھرا تھا اور ہم نے واپس اسی مٹی میں چلے جانا تھا، میری اور اس کی سوچ بہت ملتی تھی، پورا ہفتہ اس نے مہمان نوازی تو ایک طرف میری ہر طرح سے مدد کی کہ مانو میرا پور پور اس کے خلوص کا امین ہو گیا تھا۔ میرا آرٹیکل مکمل ہو گیا تھا، میں نے اس کو اپنا پتہ بھی دیا تھا، فون نمبر بھی، کچھ عرصے میں اس سے رابطے میں بھی رہا تھا، کچھ عرصے بعد میں کشمیر آ گیا اور میرا جانا نہ ہو سکا۔ اب جبکہ کراچی ہو کر بھی آ گیا تھا تو ایک دن اچانک میں نے اس کو ایک مقامی ہوٹل میں بیٹھے چائے پیتے ہوئے دیکھ لیا تھا، میں سرعت سے اس کے پاس گیا، انسان کے دل میں خلوص و اپنائیت کے جذبات ہوں تو زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر اپنے من پسند انسان سے ملاقات ہو ہی جاتی ہے، مجھے اس بات کا مکمل یقین تھا اور آج یہی یقین اعتقاد میں تبدیل ہو گیا تھا۔ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا، پہلے اس نے چونک کر مجھے دیکھا، ٹھٹھکا اور پھر اس کے چہرے پر پھیلنے والے رنگ بہت بے ساختہ تھے، وہ مجھ سے بغلگیر ہوا، مجھے چائے پلائی۔

''یہاں کیسے آ گئے؟'' میں نے تحیر سے پوچھا۔

''بس یار! وہاں دل ہی نہیں لگا تھا''۔

''لیکن وہاں تمہارا کام بہت اچھا چل رہا تھا''۔

''جس مقصد کے لیے وہاں گیا تھا، وہ پورا ہو گیا، بس پھر پلٹ آیا، ویسے بھی ہم جہاں بھی چلے جائیں اپنے وطن کی جڑیں اتنی گہری اور پرکشش ہوتی ہیں کہ اپنی جانب کھینچ لیتی ہیں''۔ میں اس کو دیکھ کر ٹھٹھک سا گیا تھا، اس کی آنکھوں میں ویرانیاں سی اتری ہوئی تھیں، چہرہ پیلا زرد ہو رہا تھا، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ایک عرصے کی صحرا نوردی کے بعد وطن لوٹا ہو، وہ اتنا بکھرا، بے ترتیب تو اس وقت بھی نہیں تھا جب فیکٹری میں ہڑتالیں ہو رہی تھیں، یونین والے فیکٹری مالکان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کو تیار تھے، اور اس نے افہام و تفہیم سے سارے معاملات سلجھا دیے، وہ اس وقت بھی پرسکون تھا جب یونین دھڑے بندیوں میں بٹ چکی تھی، وہ ان کو کنٹرول کرنے میں ناکام ہو رہا تھا۔ اتنے کم دنوں میں، میں نے کیا کیا نظارے نہ دیکھے تھے، لیکن پانچ ماہ بعد وہ مجھے بہت زیادہ مختلف شکست خوردہ سا لگا تھا، کم گو تو وہ کبھی بھی نہیں تھا لیکن جیسے حالات نے سارے الفاظ و احساسات چھین لیے تھے۔

''کیا ہوا ہے احسان! تم بہت پریشان نظر آ رہے ہو؟'' میرے پوچھنے پر اس نے چونک کر مجھے دیکھا، پھر استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

''اب تو کچھ بھی باقی نہیں رہا کیا بتاؤں؟''

''کیا مطلب؟''

''آپ تو رائٹر ہیں، آپ تو جانتے ہیں ناں کہ کچھ دکھ دیمک کی طرح انسان کو اندر ہی اندر چاٹتے رہتے ہیں، اور ایک وقت ایسا آتا ہے جب انسان اندر سے کھوکھلا ہو جاتا ہے، بس مجھے بھی یہی روگ لگ گیا ہے، میں اندر سے کھوکھلا ہو گیا ہوں، میرا دل چاہتا ہے جنگل میں نکل جاؤں، جوگ تو لے ہی لیا ہے''۔ میں نے نہ سمجھنے والے انداز میں اس کے کندھے کو تھپکا۔

''کیسا غم احسان؟''

''نارسائی کا غم، پا کر کھو دینے کا غم، نہ سمجھنے والے پزل کو سمجھ کر بھول جانے کا غم، ہاتھ آئی نعمتوں کے چھن جانے کا غم، کتنے غم ایک ہی غم کی لڑی میں پروئے ہیں، جیسے تسبیح کے دانے ہوں''۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا، چار و ناچار مجھے بھی اس کے ساتھ اٹھنا پڑا، میں بات کچھ کچھ سمجھنے لگا تھا، قیاس کے گھوڑے اسی میدان کا رخ کرنے لگے تھے، جہاں پر پہنچ کر ہر انسان بے بس ہو جاتا ہے، کسی کو تمغہ سرخروئی ملتا ہے تو کسی کو پسپائی اختیار کرنا پڑتی ہے۔

''یہ غم کب لاحق ہوا تمہیں؟'' میں اس کے ساتھ چل پڑا تھا۔

''بہت پہلے میرے اندر ہی اندر پل رہا تھا، بس میں ہی ناواقف تھا اور یہ لاعلاج ہوتا گیا، تو مجھے اس کی تشخیص ہوئی میں کر بھی کیا سکتا تھا''۔ تب ہی اس کا موبائل بجا، اس نے سرعت سے موبائل کان سے لگایا اور تین منٹ کے اندر اس کا چہرہ متغیر ہو گیا تھا، آنکھیں لہو رنگ ہو گئی تھیں، اس نے بچوں کی طرح دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔

"کب کیسے ہوا یہ؟" وہ فون پر پوچھ رہا تھا۔

"وہ اب کہاں ہے؟"

"میں.... میں آتا ہوں"۔

"کیا ہوا احسان! کسی کی ڈیتھ ہوئی ہے؟"

"میری.... پہلے میں اندر سے مرا تھا، اب ظاہر بھی مر گیا، سب خاک ہو گیا، میری محبت مر گئی افتخار بھائی! اس کو دفنانے جانا ہے"۔ وہ کہہ کر شکست خوردگی سے آگے بڑھنے لگا تھا جبکہ میں اس کو جاتا ہوا دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

یقیناً محبت کا معاملہ تھا، میں نے احسان کو میسج کر کے اسی جگہ پر کل بلایا تھا، میں نہیں جانتا تھا کہ وہ آئے گا بھی یا نہیں، لیکن ایک بات طے تھی کہ ذہنی طور پر میں بہت اپ سیٹ ہو گیا تھا، میں نہ چاہتے ہوئے بھی غمگین ہو گیا تھا کیا واقعی محبت میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ کسی بھی سخت جان چٹان جیسے شخص کو دیمک کی طرح اندر سے کھوکھلا کر دے، پگھلا دے، چونکہ میں پریکٹیکل انسان تھا، اس لیے دماغ کی گواہی کو حقیقی گواہی مانتا تھا، میرا دماغ ایسی کسی خرافات کو نہ ماننے کے لیے ہزار تاویلیں گھڑ چکا تھا، اور مجھ جیسا بندہ اپنے اصولوں، تاویلوں، دلیلوں کے آگے ہرگز سرتابی نہیں کر سکتا تھا، اگلے دن میں وہاں گیا تھا لیکن وہ نہیں آیا تھا، میں کراچی کام سے چلا گیا، دو ہفتے بعد احسان کا فون آیا تھا، وہ مجھ سے ملنا چاہتا تھا، میں چونکہ کراچی میں تھا اس لیے میں نے اس کو اگلے ہفتے ملنے کا وعدہ کر لیا اور آخر کار آج ہم دونوں اسی ہوٹل میں آمنے سامنے بیٹھے تھے، اس کا حلیہ پہلے سے زیادہ مخدوش و بکھرا ہوا سا تھا، ہم کافی دیر آمنے سامنے بیٹھے باتیں کرتے رہے، لیکن اس کی آنکھوں میں امڈتے آنسوؤں کے غبار ایک بار پھر منڈلانے لگے تھے، میرے پوچھنے پر وہ آنا کانی کرنے لگا، لیکن آخر اس کو ہار ماننا پڑی تھی۔

"آپ رائٹر ہیں ناں افتخار بھائی! آپ مجھ پر کہانی لکھیں گے؟"

"ہاں ضرور!" میں مستعدی سے بولا، میں خاموش رہا، جبکہ وہ سامنے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے بہت آگے نکل گیا ہو۔

☆.....☆.....☆

میرا تعلق آزاد کشمیر سے ہے میرا نام محمد احسان خان ہے، میں اپنے والدین کی سب سے بڑی اولاد ہوں، مجھ سے چھوٹے صرف دو بھائی ہیں، میرے والد صرف دو بھائی تھے، میرے والد کا انتقال میرے بچپن میں ہو گیا تھا، میری والدہ کا تعلق کراچی سے تھا، میرے والد اور والدہ کی لو میرج تھی، میری والدہ اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر میرے والد کے ساتھ رہ رہی تھیں، وہ بڑے ماں باپ کی اولاد تھیں، لیکن میرے والد سے محبت اور شادی کے بعد وہ اپنے سارے نخرے اپنے گھر چھوڑ آئی تھیں، اور میرے والد کی وفات کے بعد انھوں نے ہم تینوں بھائیوں اور ایک بہن کی کفالت کی ذمے داری اپنے سر لے لی، ایک بار بھی پلٹ کر اپنے والدین کی جانب نہیں دیکھا تھا، وہ کافی عرصے ایک اسکول میں ٹیچنگ کرتی رہی تھیں۔ یتیمی کے اس دکھ نے مجھے بچپن میں ہی جوان کر دیا تھا، چھوٹی سی عمر میں، میں نے تقریباً ہر کام کرنا شروع کر دیا تھا، تاکہ اچھے پیسے کما کر اپنی والدہ کا سہارا بن سکوں۔ اپنے والد کی زمینوں کی دیکھ بھال کی، تجارت کی، چھوٹا موٹا کاروبار کیا، لیکن اگر قسمت میں اللہ نے کامیابی نہ لکھی ہو، تو پھر انسان کتنے ہی ہاتھ پاؤں کیوں نہ مار لے، کامیابی نہیں ملتی، میں نے جیسے تیسے اپنی چھوٹی بہن کی چھوٹی سی عمر میں شادی کر دی، ورنہ میرا چاچا اپنی دونوں بیٹیوں کی طرح اس کو بھی بیچ دیتا، میرا چاچا اور ہم ایک ہی گھر میں مختلف پورشنز میں رہتے تھے، میرا چاچا اول درجے کا عیاش اور شرابی انسان تھا، کئی بار جوا کھیلتے ہوئے پکڑا گیا تھا، جیل بھی جا چکا تھا، اس کی پانچ

بیٹیاں تھیں، دو بیٹیوں کو وہ ان سے دگنی عمر کے آدمیوں کے ہاتھوں بیچ چکا تھا، جب بھی لوگوں کو پیسوں کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ محنت مزدوری کرتے ہیں، کچھ لوگ گھر کا سامان بیچتے ہیں، جبکہ میرا چاچا اپنی بیٹیوں کو بیچ دیا کرتا تھا، پھر کافی عرصہ گھر سے غائب ہو جاتا تھا جب پیسہ ختم ہوتا تھا تو واپس آ جایا کرتا تھا، پیسے لے کر وہ اپنی بیٹیوں کا نکاح کر دیا کرتا تھا، نکاح تو ظاہری کارروائی ہوا کرتی تھی، اس کا سارا دن کا کام بیٹیوں اور بیوی کو مارنا پیٹنا ہوتا تھا، اس کا ایک ہی بیٹا تھا جو کہ پانچ بہنوں کے بعد ہوا تھا، چچی نے اس کو اپنے بھائی کو دے دیا تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ میرے چچا کے نقش قدم پر چل کر بگڑ جائے، اور اسی بات پر میری چچی دن میں ہزار بار ماریں کھاتی تھی لیکن اپنے بیٹے کو واپس لانے کو کسی صورت وہ تیار نہ تھیں، وہ نہیں چاہتی تھیں کہ حارث وہی کام کرے جو میرا چچا کیا کرتا تھا۔

☆.....☆.....☆

میرے چچا کی تیسرے نمبر والی بیٹی کا نام عمارہ تھا وہ اپنے نام کی طرح خوبصورت تھی، کھڑے نین نقوش والی عمارہ کو کبھی میں نے ایسی ویسی نظر سے نہیں دیکھا تھا، بس کبھی کبھار میری ماں مجھے کہتی تھیں کہ "احسان! میں عمارہ کو تیرے لیے مانگوں گی" اور میں کہتا تھا "اماں! اس بھینس کو ہرگز مجھ پر نہ لادو، مہربانی کرو" جب بھی وہ ہمارے پورشن میں آتی، تو اکثر وہ سیڑھیوں سے قریب بیٹھے روٹی ہاتھ میں رکھے کھانے میں مصروف ہوتی، دور سے وہ کوئی فقیرنی لگتی تھی، جس کو نہ کپڑے درست کرنے کا ہوش ہوتا اور نہ ہی کسی کے آنے کا، بس اچھا کھانا ہی اس کا مقصد ہوتا، جب میں زمینوں پر جاتا تو اکثر رات کو لیٹ ہو جایا کرتا تھا، میرے گھر آنے پر میری امی کے علاوہ وہ جاگ رہی ہوتی تھی، وہ مجھ کو کھانا گرم کر کے دیا کرتی تھی اور جب میں دوسرے شہر جایا کرتا تھا تو آگے بڑھ بڑھ کر وہ مجھ سے فرمائشیں کیا کرتی تھی، جس میں آدھی چیزیں کھانے کی ہوتی تھیں، پہلے پہل میں جھنجھلا جاتا تھا، لیکن اب میں خود اس سے کہتا۔

"تمہیں کیا چاہیے؟" اور وہ برا سا منہ بنا کر کہتی۔

"رہنے دو، کون سا تم لا دو گے"۔ وہ مجھ سے تین چار سال چھوٹی تھی، لیکن لڑائیاں ایسے کرتی تھی، جیسے تین چار سال بڑی ہو، اور اب اس کی یہی تُو، تُو، میں، میں مجھے اچھی لگنے لگی تھی۔

"ٹھیک ہے، تم نہیں منگوانا چاہتیں تو میں اسمارا اور فاطمہ کے لیے لے آؤں گا، کیوں بھئی! تم دونوں کو کیا چاہیے؟" میں اس کی چھوٹی بہنوں کی جانب متوجہ ہوتا، تو وہ سرعت سے ان کو ہٹا کر آگے آ جاتی اور بولتی۔

"پہلے میری چیزیں لے کر آنا"۔ اور میں ہمہ تن گوش ہوتا، میں نے اس کی ساری فرمائشیں پوری کر کے لانا شروع کر دیا تھا، کیونکہ وہ میرے دل میں ایک مقام پر براجمان ہونا شروع ہو گئی تھی، پھر میں نے کراچی میں فیکٹری جوائن کر لی تھی، لیکن اکثر راتوں کو اس کا تصور مجھے سونے نہیں دیتا تھا، میں سونا چاہتا تھا لیکن اس کی تصویر چھم سے آنکھوں کے سامنے آ جایا کرتی تھی، اس کو دیکھنے کی خواہش اب ہمہ وقت سر اٹھانے لگی تھی، اس کا ہر انداز آنکھوں کے سامنے آ جاتا تھا، اور میں تڑپ جایا کرتا تھا، یہی وجہ تھی کہ میں اب دوڑ دوڑ کر اپنے گھر آنے لگا تھا، اس کو دیکھنے کی خواہش ہمہ وقت دل میں سر اٹھانے لگی تھی، راتیں کروٹیں بدل بدل کر گزارتا اور دن تھا کہ اس کے خیال سے خالی ہی نہ گزرتا تھا، ایک دن میں اپنے کمرے میں کام کر رہا تھا، وہ کھانا لے کر آئی، میرے اندر اظہار کی قوتیں سر اٹھانے لگی تھیں، جیسے ہی وہ کھانا رکھ کر جانے لگی تھی، میں اس کے سامنے آ گیا اور اس کا بازو پکڑ کر بولا۔

"اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے، تو کیا تم یقین کرو گی؟" میں اس کی سبز آنکھوں میں

جھانکنے لگا تھا، ایک پل اس نے میری آنکھوں میں جھانکا پھر اس نے اپنا سر جھکا لیا۔

''جواب دو مجھے، کیا یہ تڑپ یکطرفہ ہے، کیا محبت کی اس راہ کا میں تنہا مسافر ہوں؟'' میرے پوچھنے پر وہ خاموش رہی۔

''بولو ناں!'' میں نے اس کو جھٹکا دیا، وہ مجھ پر آ گری، میں نے اس کو اپنے اندر سمیٹ لیا۔

''جواب تو دے دو!'' میں نے اپنا سر اس کے بالوں میں چھپا لیا۔

''عمارہ! کہاں رہ گئی ہو؟'' اماں کی آواز پر وہ ایک دم مجھ سے علیحدہ ہوئی، لیکن میں نے اس کا بازو ابھی بھی پکڑا ہوا تھا۔

''چھوڑو... چچی بلا رہی ہیں''۔ اس نے اپنا بازو چھڑانے کی سعی کی۔

''ہرگز نہیں، پہلے جواب دو''۔ میں اس کے قریب ہوا، میرا ہاتھ بے اختیار اس کی ستواں ناک پر ٹھہر گیا، پھر اس کے ہونٹوں پر، مجھے ایسا لگا تھا جیسے آج میں پہلی بار اس کو دیکھ رہا ہوں۔

''دے تو دیا ہے جواب''۔ وہ کپکپاتی آواز میں بولی۔

''کب دیا ہے؟'' میں نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوم لیا، اس نے اپنا بازو چھڑایا اور باہر بھاگ گئی، جبکہ میرا دل جھوم رہا تھا، وہ سارا دن مجھے نظر نہیں آئی اور اس کو دیکھنے کی تڑپ اتنی زیادہ تھی کہ میں چار بار اس کے پورشن میں گیا تھا، لیکن وہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اگلے دن مجھے کراچی روانہ ہونا تھا اور جانے سے پہلے میں نے اماں سے بات کر لی، وہ تو جانے کب سے میری ہاں کے انتظار میں تھیں، وہ سرعت سے چچا سے بات کرنے چلی گئیں، جب وہ واپس آئیں تو ان کے چہرے پر وہ بشاشت نہیں تھی جو کہ جاتے وقت تھی، میں نے بے چینی سے پوچھا۔

''وہ کہتا ہے کہ اگر اس کو تین لاکھ دو گے تو وہ نکاح کر دے گا''۔

''کیا...؟'' حقیقت میں میرے سر پر بم آ کر پھٹا تھا۔

''اس نے کہا ہے کہ وہ عمارہ کا رشتہ طے کر چکا ہے پانچ لاکھ کے عوض، اگر تم دو ماہ میں اس کو تین لاکھ دے دیتے ہو، تو وہ تم سے کر دے گا''۔

''وہ دو ماہ تک میرا انتظار کرے گا بھی یا نہیں؟''

''نہیں وہ کہتا ہے کروں گا''۔ پھر میں کراچی آ گیا تھا، ایک ماہ مختلف کام کر کے میں نے ایک لاکھ جمع کر ہی لیے تھے، باقی دو لاکھ جمع کرنے تھے، میں اپنی زمینیں بیچنا نہیں چاہتا تھا، کیونکہ ان پر میرے بھائیوں کا بھی حق تھا، میں اپنی خواہش کے لیے انھیں مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا، لیکن بدقسمتی میرا پیچھا کرتے کرتے نہیں تھکی تھی، ایک رات میں سویا ہوا تھا، جب موبائل بجا۔

''ہیلو!''

''ہیلو احسان! میں عمارہ بول رہی ہوں''۔ میں اٹھ بیٹھا۔

''عمارہ! کیسی ہو تم، اس وقت کیسے فون کیا؟'' میں حقیقت میں پریشان ہو گیا تھا۔

''احسان... احسان! مجھے یہاں سے لے جاؤ''۔ وہ زار و قطار روتے ہوئے بولی، جبکہ اس کا رونا سن کر میری نیند بھک سے اڑ گئی تھی۔

''کک... کیا ہوا ہے عمارہ! تمہیں کسی نے کچھ کہا ہے؟''

''ابا میرا رشتہ طے کر رہے ہیں، میں نے خود سنا ہے وہ فون پر بات کر رہے تھے، احسان! مجھے اپنا پتہ بتاؤ میں تمہارے پاس آتی ہوں''۔

''پاگل ہو گیا، تمہارا رشتہ مجھ سے طے ہو چکا ہے، وہ کیسے اپنی زبان سے پھر سکتے ہیں؟'' میں جھنجھلا گیا تھا۔

''وہ پھر جائیں گے احسان! ان کو پیسوں کی ضرورت ہے، وہ پھر جائیں گے، انھوں نے اگلے ہفتے تک سوات چلے جانا ہے''۔

''اچھا رکو! میں ابھی چاچا سے بات کر کے بتاتا ہوں''۔ میں نے چاچا کا نمبر ملایا، لیکن ان کا فون بند جا رہا تھا، میں نے چچی کو فون کیا، انھوں نے مجھے تسلی دی کہ میرے تمام خدشات بے بنیاد ہیں، وہ کبھی ایسا نہیں کریں گے، میں نے عمارہ کو دوبارہ فون کیا، میں نے اس کو یقین دلایا کہ میں دو ہفتے تک رقم کا انتظام کر کے واپس آ جاؤں گا، لیکن ایسا موقع ہی نہ ملا تھا، ایک ایسی ہی رات کو عمارہ کے فون نے نہ صرف میری آنکھوں سے نیند اڑا دی تھی، بلکہ میرے خواب بھی نوچ ڈالے تھے۔

''احسان! میں تمہارے پاس آ رہی ہوں''۔ اس نے چھوٹتے ہی کہا۔

''پاگل ہو... تم ایسا کچھ نہیں کرو گی''۔ میں نے اس کو ڈپٹا۔

''مجھے لگتا ہے تم مجھ سے محبت ہی نہیں کرتے، اگر کرتے تو وہاں اتنے سکون سے نہ بیٹھے ہوتے، یہاں میرا نکاح ہو جائے گا اور تم رقم جوڑتے رہنا''۔

''میں کل آ رہا ہوں''۔ میں نے قطعی لہجے میں کہا۔

''میں آ جاتی ہوں، تمہیں آنے میں دو دن لگیں گے اور نجانے ان دو دنوں میں کیا ہو جائے، احسان! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے''۔

''میری جان! ٹینشن نہ لو، میں تمہاری خاطر یہاں پردیس میں رُل رہا ہوں، میں آ رہا ہوں''۔ تم ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گی''۔

''احسان! اگر میری شادی تم سے نہ ہوئی تو میں مر جاؤں گی، میں قسم کھا رہی ہوں، میں نے صرف تمہیں چاہا ہے، اگر تم مجھے نہ ملے تو میں مر جاؤں گی''۔

''تم ایسا نہیں کرو گی، میں آ رہا ہوں''۔

''احسان! تم آ جاؤ... میں تمہارے ساتھ گھر سے بھاگ جاؤں گی''۔

''ہاں ہم بھاگ جائیں گے، ویسے پہلی لڑکی دیکھی ہے، جو لڑکے کو گھر سے بھاگنے کا مشورہ دے رہی ہے، اتنی شدومد سے تیار ہے''۔ میں نے چھیڑا وہ جھینپ گئی۔

''اچھا اب رونا بند کرو، تمہارے آنسو میرے دل پر گرتے ہیں، یہ بات سمجھ نہیں آتی تمہیں؟''

''آتی ہے''۔

''پھر بار بار ایسا کیوں کرتی ہو، کیا مجھے اذیت دے کر خوشی ملتی ہے تمہیں؟'' میں پرشکوہ لہجے میں بولا۔

''نہیں ہرگز نہیں''۔

''اب پریشان نہ ہونا، سب ٹھیک ہو جائے گا''۔

''اپنا خیال رکھنا، اللہ حافظ!'' فون بند ہو چکا تھا، لیکن میری بے چینی کسی طور کم نہیں ہو رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

دو دن بعد میں گھر پہنچا تھا اور عمارہ کے سارے ابہام، سارے خدشات درست ثابت ہوئے تھے، چچا نے اس کو پانچ لاکھ میں ایک ساٹھ سالہ بوڑھے سے بیاہ دیا تھا، اور خود غائب ہو گیا تھا، اس نے میرے آنے کا انتظار بھی نہیں کیا تھا۔ شادی کے دو دن بعد جب میں اس سے ملا تھا، اسی دن اس کی صدمے سے دماغ کی رگ پھٹ گئی تھی، وہ ثابت قدم رہی تھی، اس نے اپنا وعدہ نبھایا تھا، محبت کے اس کھیل میں، میں ناکام ثابت ہوا تھا، میں تو مر بھی نہیں سکتا، میری ماں، میرے بھائی، میرے ارادوں میں دراڑیں ڈال دیتے ہیں، میرے سارے ارادے بھربھری مٹی کی مانند ہو کر رہ جاتے ہیں۔

آپ میری کہانی کا اینڈ اچھا لکھیے گا، تہی دست و تہی داماں لوگ تو یوں بھی بہادر بن جاتے ہیں، کھونے کا ڈر نہیں ہوتا، پانے کی تمنا نہیں ہوتی''۔ وہ شکست خوردگی سے آگے بڑھ گیا اور میں جو کہ ایک رائٹر ہوں، اس کہانی کا اینڈ کیسے اچھا لکھ سکتا ہوں؟ آپ ہی بتائیں غم تو اس کی بنیادوں میں چھپا ہے۔

☆.....☆.....☆

سلسلے وار ناول

اعتبار بھی آ ہی جائے گا

"شکریہ سسٹر! خدا تمہیں بھی یہ دن دکھائے، دلہن بنائے"۔ حیدر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا تو ایک لمحے کو اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"ایک دفعہ دلہن بن کے جو گل کھلائے ہیں اس نے، اب کسی کا دماغ خراب ہے جو اسے اپنی دلہن بنائے گا"۔ زلیخا بیگم نے سب کے سامنے با آواز بلند یہ جملہ بول کر رابی سے کل والی بات کا بدلہ لے لیا، سب ایک لمحے کو سنجیدہ ہو گئے، احتشام، نصرت اور فیضان کی نظریں رابی کے چہرے پر تھیں، اس کا چہرہ صدمے سے سفید ہو گیا تھا، مگر اس نے فوراً خود کو سنبھال لیا، وہ زلیخا بیگم کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے حیدر کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالتے ہوئے بولی۔

"آیئے حیدر بھائی! آپ اپنی دلہن کے پاس آ کر بیٹھیں، جن لوگوں کے دماغ خراب ہوں ان کی باتوں پر دھیان نہیں دینا چاہیے"۔

"ٹھیک کہا تم نے"۔ حیدر نے اس کے حوصلے کو دل ہی دل میں سراہتے ہوئے کہا اور اسٹیج پر چڑھ گئے، رابی نے انھیں افشین کے برابر بٹھا دیا، احتشام اور رابی کے گھر والوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ رابی نے اس وقت سب کے سامنے بہت ہمت اور صبر کا مظاہرہ کیا تھا۔

''کیا زمانہ آ گیا ہے ایک طلاق یافتہ لڑکی کو نئی نویلی دلہن کے سر پر سوار کر رکھا ہے، اور وہ بھی ڈھیٹ بنی اس کے گرد منڈلاتی پھر رہی ہے''۔ زلیخا بیگم نے اپنی خفت مٹانے کے لیے دوسرا جملہ اپنے لبوں سے آزاد کیا، تو رابی نے ان کی جانب دیکھا اور بے ساختہ ہنس پڑی، زلیخا بیگم کو لگا جیسے وہ ان کا مذاق اڑا رہی ہے، ان کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی، گھر والے اس لیے انھیں کچھ نہیں کہہ رہے تھے کہ وہ ان کی ہنگامہ کھڑا کرنے کی عادت سے بخوبی واقف تھے، وہ شادی کے موقع پر مہمانوں کے سامنے اپنا تماشا نہیں بنوانا چاہتے تھے، ورنہ دل تو سب کا چاہ رہا تھا کہ انھیں اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دیں، ظفر فیملی تو انھیں انوائٹ کر کے پچھتا رہی تھی، تمام رسمیں ہنسی مذاق میں انجام پذیر ہوئیں، رابی نے بیس ہزار روپے رسموں کے لئے تھے اور آدھے حیدر کو واپس کر دیئے تھے، رخصتی ہونے لگی تو ناہید بھابی قرآن پاک اٹھا لائیں، زلیخا بیگم، افشین اور اس کے دولہا سے بات کرنے کے لیے اسٹیج پر موجود تھیں، رابی نے شیشوں کے کام والی چادر افشین کو اوڑھا دی۔

''ہٹو پرے منحوس... سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ چلی آ رہی ہے''۔ زلیخا بیگم نے اسے جان بوجھ کر پوری قوت سے پیچھے دھکیلا، تو اس کے لبوں سے ہلکی سی چیخ نکل گئی، پاؤں اسٹیج سے نیچے جا پڑا وہ بہت بری طرح پیچھے جا گرتی، مگر قریب کھڑے احتشام نے جلدی اور تیزی سے اپنا بازو اس کے گرد حمائل کر کے اسے گرنے سے بچا لیا، رابی نے بھی خوفزدہ ہو کر گرنے سے بچنے کے لیے ان ہی کا بازو تھاما تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے۔

''آں... ہاں... رونا نہیں ہے، آپ تو بہت باحوصلہ اور باہمت لڑکی ہیں''۔ احتشام نے اس کی آنکھوں میں تیرتے پانیوں کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا اور جیسے وہ ہوش میں آ گئی، اور ایک دم سے ان کا بازو چھوڑ کر اپنا دل تھام کر اپنی سانس نارمل کرنے کی کوشش کرنے لگی، احتشام کے ہاتھ اور بازو کا مضبوط حصار، ان کے لمس کا احساس اسے نروس کر رہا تھا، وہ ان سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی۔

''بے دھیانی میں ہی سہی لیکن آپ نے صحیح ہاتھ کا سہارا لیا ہے، اور یہ سہارا آپ کو کبھی کہیں گرنے اور بکھرنے نہیں دے گا''۔ احتشام نے مدھم آواز میں اس کے قریب آ کر کہا تو اس نے حیرت اور تشکر سے انھیں دیکھا، وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئے، جہاں افشین رخصتی کے لیے تیار کھڑی تھی، رابی اپنے حواس کو قابو کرتے ہوئے افشین سے ملنے کے لیے آگے آ گئی، وہ دل میں اس کی خوشیوں اور آسودگیوں کی دعا مانگ رہی تھی، اور افشین اس کے گلے لگ کر ایسے روئی کہ جیسے وہ اس کی سگی بہن ہو، حالانکہ صرف دو دن کی مختصر سی ملاقات رہی تھی ان کی، رابی اپنے آنسو ضبط نہ کر سکی، مگر فوراً ہی ٹشو سے ان شبنمی قطروں کو صاف بھی کر لیا، کیونکہ زلیخا بیگم قریب کھڑی اسے گھور رہی تھیں، افشین کے رخصت ہونے کے بعد کافی دیر تک ظفر ولا میں اداسی سی چھائی رہی۔

☆.....☆.....☆

رابی، عمران اور دوسرے بچوں کے ساتھ لان میں آ گئی اور بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنے کے لیے تیار ہو گئی، ناہید بھابی کے بچے شہرام، اعصام اور انعم کرکٹ بیٹ اور بال لے کر آ گئے، شازیہ، نازیہ، وسیم اس کی بہنیں لبنیٰ اور دیگر کزنز بھی ان کی دیکھا دیکھی لان میں جمع ہو گئے اور سب کے موڈ کو دیکھتے ہوئے رابی نے دو ٹیمیں بنائیں، عمران، شازیہ، آصفہ اور ان کا کزن چودہ سالہ ذکی، رابی کی ٹیم میں شامل تھے اور دیگر دوسری ٹیم میں۔

''رابی آپی! پہلے میری باری ہونی چاہیے''۔ ذکی نے اس سے کہا۔

''کیوں؟'' رابی نے اپنے قد کے برابر کے اس شوخ لڑکے کو گھورا۔

"کیونکہ میرا ریکارڈ ہے کہ میں اپنی ٹیم میں اوپننگ بیٹسمین کی حیثیت سے جاتا ہوں، اور آخری کھلاڑی آؤٹ ہونے تک کریز پر موجود رہتا ہوں، کئی ہاف اور فل سنچریاں بھی اسکور کر چکا ہوں"۔ ذکی نے اپنے کارنامے اس کے گوش گزار کیے۔

"ہوں.... تو اس کا مطلب ہے کہ خاصا ٹیلنٹڈ کھلاڑی ہماری ٹیم میں موجود ہے، بات تو جب ہے بیٹا کے تم اس میچ میں سنچری اسکور کر کے دکھاؤ"۔ رابی نے گیند اچھالتے ہوئے کہا تو وہ اپنے کالر جھاڑ کر بڑے اسٹائل سے بولا۔

"آپ مجھے پہلے نمبر پر کھلائیں اور پھر دیکھیں میری پھرتیاں"۔

"دیکھیں گے سب دیکھیں گے تمہیں زیادہ جلدی ہے، پہلے لبنیٰ اور وسیم کی ٹیم بیٹنگ کرے گی"۔ رابی نے گیند اس کی طرف اچھال کر کہا۔ گیم شروع ہوئی تو گھر میں موجود بڑے بوڑھے بھی کرسیاں کھینچ کر میچ دیکھنے کے لیے بیٹھ گئے۔ وسیم بہت چہک رہا تھا، اور شازیہ سے خاصا بے تکلف ہو رہا تھا، اور ذکی کی گیندوں پر خوب شارٹس لگا رہا تھا"۔

"وسیم بھائی! خاصے فاسٹ جا رہے ہیں آپ کہیں پھسل نہ جایئے گا"۔ رابی نے اس کی شازیہ میں دلچسپی کی جانب بڑی خوبصورتی سے اشارہ کیا تھا، وہ پہلے تو خجل سا ہوا، پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا اور احتشام کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"شام بھائی! آپ کی یہ کزن بہت تیز اور سمجھدار ہیں، اڑتی چڑیا کے پَر گن لینے والی"۔

"اڑتی چڑیا کے نہیں اڑتے چڑے کے پَر گنے ہیں انہوں نے"۔ احتشام نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، تو وہ ہنس پڑا، اس کی ٹیم 53 کے اسکور پر آؤٹ ہو گئی، تماشائیوں نے انھیں خوب بک اپ کیا، اب رابی کی ٹیم کی باری تھی۔

"پہلی باری میری ہے آپی!" ذکی بیٹ اٹھا کر جوش سے بولا۔

"ٹھیک ہے تم اور عمران اوپننگ کرو، مگر دھیان سے"۔ رابی نے فیضان صاحب کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا، تو وہ دونوں بڑے جوش و خروش سے میدان میں اترے، وسیم نے پہلی گیند ذکی کو کروائی اور ذکی صاحب کلین بولڈ ہو گئے، پھر جو مخالف ٹیم میں فاتحانہ چیخیں بلند ہوئیں تو ذکی کی شرمندگی دیکھنے والی تھی، رابی کو تو بہت غصہ آیا، کہاں وہ سنچری اسکور کرنے آیا تھا، دعوے کر رہا تھا اور کہاں آتے ہی آؤٹ ہو گیا تھا، وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر ذکی کے پاس میدان میں آئی اور بیٹ اس کے ہاتھ سے لے کر ہلکا سا اس کی ٹانگ پر مار کر اس کی سائیکل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"ادھر جا اپنی سائیکل اٹھا اور دوسرے گیٹ سے باہر نکل جا، تجھے زیادہ جلدی ہے سالے"۔

"ذکی.... ہائے ذکی پٹ گیا"۔ رابی کے جملے پر سب نے جاندار قہقہہ لگایا اور ذکی کو چھیڑنے لگے، تو وہ منہ چڑاتا تماشائیوں میں جا بیٹھا۔

"ساری ویلیو ڈاؤن کر دی ٹیم کی"۔ رابی نے ذکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جب تک آپ اس ٹیم میں موجود ہیں، اس ٹیم کی ویلیو ڈاؤن ہو ہی نہیں سکتی"۔ احتشام نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے بہت آہستگی سے یہ جملہ بولا، تو اس کے اندر تلاطم برپا ہو گیا، ایک لمحے کو دل جیسے دھڑکنا ہی بھول گیا، اس نے بمشکل اپنی حالت پر قابو پا کر ان کی جانب دیکھا، تو ان کے لبوں پر رقصاں دلفریب مسکراہٹ نے مزید الجھن میں ڈال دیا اسے، دل کو نجانے کیا شرارت سوجھی تھی کہ ان ہی کی صورت کو اپنے اندر جذب کیے جا

رہا تھا اور بار بار انھیں دیکھنے کی تمنا میں مچل رہا تھا، رابی کے لیے یہ احساس بالکل نیا تھا، حالانکہ ایک مرد اس سے پہلے اس کی زندگی میں آ چکا تھا، پورے حقوق کے ساتھ اس کے ساتھ ایک سال کا عرصہ گزار چکا تھا، لیکن اسے ایسا انوکھا، مدھر، میٹھا اور محبت کا گیت سناتا احساس پہلے نہیں ہوا تھا، ایسا منفرد جذبہ اس کے اندر پہلے نہیں پھوٹا تھا، یا شاید اسے ہی محسوس کرنے اور سمجھنے میں غلطی ہو رہی تھی، وہ اپنی کیفیت سمجھ نہیں پا رہی تھی، اسی الجھن میں وہ ٹھیک سے اپنی باری کھیل بھی نہ سکی اور گیارہ رنز بنا کر آؤٹ ہو گئی۔

"پھپھو! ایک رن اور بنا لیتیں تو پورے درجن ہو جاتے"۔ عمران جواب تک میدان میں ڈٹا ہوا تھا، اس کے آؤٹ ہونے پر بولا۔

"بیٹا! جب آؤٹ ہی ہونا ہے، تو ایک کیا اور درجن کیا، تم ڈٹے رہو شاباش!" رابی نے اس کا کندھا تھپک کر کہا اور اپنی جگہ پر واپس آ بیٹھی، اور وہاں بیٹھ کر اپنی ٹیم کو ہدایات بھی دیتی جا رہی تھی، اور سب کمنٹری کے فرائض بھی مل جل کر ادا کر رہے تھے۔ رابی نے لبنیٰ کو مذاق سے کہا۔

"لبنیٰ! یہ تم گلی میں کھڑی کیا کر رہی ہو، باؤنڈری لائن کے پاس جاؤ"۔

"ہاں بھلا لڑکیوں کا گلی میں کیا کام؟" عمران نے کہا تو سب ہنس پڑے۔

"یہ کرکٹ گراؤنڈ کی گلی ہے، محلے کی گلی نہیں ہے جو کسی کو اعتراض ہوگا"۔ لبنیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا اور جواب دینے کے چکر میں ایک بار پھر گیند اس کے ہاتھوں سے نکل کر دور چلی گئی، اور وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی، اور ایک وکٹ سے رابی کی ٹیم نے یہ میچ جیت لیا تو عمران خوشی سے بھاگ کر رابی کی گود میں چڑھ گیا اس نے بھی اسے خوب پیار کیا، شاباش دی اور ذکی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ذکی بھیا! اسے کہتے ہیں کھلاڑی، جو دعویٰ نہیں کرتا کام کر کے دکھاتا ہے آپ نے تو اپنے ساتھ ساتھ ہماری ٹیم کی بھی لٹیا ڈبو دی تھی، جیئے میرا عمران بیٹا یہ بنے گا عمران خان"۔

"آپی! قسمت کی بات ہے آج میرا دن نہیں تھا"۔ ذکی نے خجالت سے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"باتیں تو اپنے قومی کرکٹرز کی طرح کرتے ہو، وہ بھی جب ہار جاتے ہیں، تو یہی کہتے ہیں کہ آج ہمارا دن نہیں تھا بیڈ بوائے"۔ رابی نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ کھسیانی ہنسی ہنستا اپنی سائیکل کی طرف چل دیا۔

☆.....☆.....☆

اگلے دن وہ واپس لاہور آ گئے، زندگی اسی معمول پر آ گئی، اس شادی میں شریک ہونے سے یہ فائدہ ہوا کہ رابی اور شازیہ کے لیے تین چار بہت اچھے رشتے آ گئے، رابی کے لیے عارف کا رشتہ بھی آیا تھا، اس نے تو شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا، اور اس موضوع پر وہ کسی کی بات سننے کو تیار نہیں تھی، البتہ شازیہ کے لیے وسیم کا رشتہ پسند کر لیا گیا، ہاں بھی کر دی گئی، شازیہ بہت خوش تھی اس رشتے سے، سب ہی خوش تھے اور چاہتے تھے کہ شازیہ اور رابعہ (رابی) کی شادی ایک ساتھ کر دی جائے، لیکن اس کے لیے رابی کا راضی ہونا ناممکن تھا، سب نے اپنی سی کوشش کر کے دیکھ لی، رابی کو نہ ماننا تھا نہ وہ مانی، شازیہ نے بی۔ اے کے پیپر دینے تھے، اور شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں، احتشام نے لاہور میں فیکٹری خرید لی تھی، اور وہ اس کی نگرانی کے لیے اکثر ادھر ہی ہوتے تھے، ایک فلیٹ بھی انھوں نے اپنے رہنے کے لیے کرائے پر لے لیا تھا، رابی کا بی۔ اے کا رزلٹ آؤٹ ہو گیا تھا، اس نے اعلیٰ نمبروں سے کامیابی حاصل کی تھی، اور لاء کالج میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔

"رابی! شام بھائی آئے ہیں، انشین کی شادی کی مووی اور تصویریں بھی لائے ہیں، قسم سے اتنی زبردست

مووی ہے اور تم تو پوری مووی میں چھائی ہوئی ہو، دلہن کے بعد تمہارے ہی کلوز اپس لیے ہیں مووی میکر نے، تم لگ بھی اتنی غضب کی رہی تھیں، کاش...! تم بھی شادی کے لیے تیار ہو جاتیں تو ہم....!''

''شازی پلیز! اس موضوع پر مجھ سے کوئی بات نہ کرو''۔ وہ کالج سے آئی تو شازیہ نے آتے ہی اسے بتانا شروع کر دیا، رابی نے اس کی بات کاٹ کر کہا، تو اس کا منہ بن گیا، اتنے میں احتشام ادھر آ نکلے اس کی بات سن چکے تھے وہ۔

''مردوں سے متعلق آپ کی سوچ اب تک وہی ہے؟'' احتشام نے کہا۔

''میری سوچ کا دائرہ فضول لوگوں، چیزوں اور باتوں کے گرد نہیں گھومتا''۔ رابی نے انھیں دیکھتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا، اس کے دل کی دھڑکن خود بخود تیز ہو گئی تھی۔

''شام بھائی! آپ ہی اسے سمجھائیں، ہم سب تو اسے سمجھا سمجھا کر ہار گئے ہیں''۔ شازیہ نے اٹھتے ہوئے ان سے کہا تو وہ معنی خیز لہجے میں بولے۔

''ٹھیک کہا تم نے ہم ہار ہی تو گئے ہیں ان سے، اور یہ ہیں کہ سمجھتی ہی نہیں ہیں''۔

''میں ذرا کچن میں جا رہی ہوں، آپ باتیں کیجیے''۔ شازیہ یہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔

''گڈ...! ویسے لاء پڑھنے کے بعد آپ کیا کریں گی؟''

''وہی جو لاء پڑھنے والے کیا کرتے ہیں؟''

''لیکن ہمارے معاشرے میں خاتون وکیل کو بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لڑکیاں تو لاء پڑھ کر شادی کر لیتی ہیں، آپ پریکٹس کریں گی یا شادی کریں گی؟''

''میں لاء کی پریکٹس کروں یا نہ کروں، البتہ یہ طے ہے کہ میں شادی کسی صورت نہیں کروں گی اور آپ سب کو میری شادی کی فکر کیوں لاحق رہتی ہے؟''

''آپ کو تو کسی کی شادی کی فکر لاحق نہیں ہوتی، آپ ٹھہریں بے پرواہ لڑکی، اب ہم سب تو آپ کی طرف سے بے فکر اور بے پروا نہیں ہو سکتے ناں، آپ ہی کے بھلے کے لیے سوچتے ہیں سب''۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے ذو معنی بات کہی۔

''پہلے بھی میرے بھلے کے لیے ہی سوچا تھا سب نے، اب میں دوبارہ ایسا بھلا اپنے ساتھ کسی کو کرنے کی اجازت نہیں دوں گی''۔ وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''مس رابی! تمام مرد سارے شوہر برے اور ظالم نہیں ہوتے، اس کی مثال آپ کے اپنے گھر میں موجود ہیں، آپ کے والد اور والدہ کی جوڑی کی مثال خاندان بھر میں دی جاتی ہے، آپ کے اماں بھائی اور جویریہ بھابی کتنے سلوک سے رہتے ہیں، یہ حقیقت سب جانتے ہیں، آپ نے کبھی ان کے رویوں میں جنگ اور تذلیل کا، دھوکا دہی اور اذیت کا پہلو دیکھا ہے، نہیں دیکھا ناں، اس لیے کہ وہ ایسے ہیں ہی نہیں، وہ دونوں بھی مرد ہیں اور بہت محبت سے اپنی بیویوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ آپ ایک بار اعتبار کر کے کسی کا ہاتھ تھامیں تو سہی ہو سکتا ہے کہ خوشی نصیبی آپ کی منتظر ہو''۔

''میرے نصیب اگر اچھے ہوتے، تو میرا اعتبار ٹوٹتا ہی کیوں؟'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''آپ اسے خدا کی مصلحت بھی تو کہہ سکتی ہیں، کہ جس نے آپ کے ذریعے اس برے شخص کو کیفر کردار تک پہنچایا تھا، اور آپ کے لیے اس نے کوئی اور ہمسفر منتخب کر رکھا ہو، جو آپ کے سارے دکھ، غم اور آنسو سمیٹ لے،

آپ کے زخموں پر اپنی محبت کا مرہم رکھ دے''۔ احتشام نے سنجیدگی سے کہا۔

''مسٹر شام! جن آنکھوں کے خواب بننے سے پہلے ہی ٹوٹ جائیں، وہ آنکھیں ایسی خوش گمان نہیں ہوتیں کہ کسی مسیحا کی منتظر رہنے لگیں، اور شادی کے بغیر بھی زندگی گزاری جا سکتی ہے، میرے لیے ایک تجربہ ہی کافی ہے، زندگی اتنی سستی اور بے وقعت نہیں ہوتی کے اسے بار بار تجربوں کی زد پر چھوڑ دیا جائے، اور شادی ساری زندگی کا ساتھ ہوتا ہے، میں محض یہ پرکھنے کے لیے شادی کر لوں کہ آیا اب میرا شوہر میرے ساتھ وفادار ہے یا نہیں ہے، مسٹر شام! میں اب ایسی حماقت کرنے کا رسک نہیں لے سکتی''۔ اس نے سنجیدگی سے کہا تو وہ نرمی سے بولے۔

''او کے، آپ یہ تو مانتی ہیں ناں کہ آپ کے ابو اور بھائی اچھے انسان اور اچھے شوہر ہیں''۔

''مجھے اس حقیقت سے انکار نہیں ہے، لیکن اپنے متعلق مجھے کوئی خوش فہمی بھی نہیں ہے''۔ رابی نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

''خوش فہمی کیسی بھئی! آپ کو اللہ تعالیٰ آپ کے صبر کا انعام بھی تو دے سکتے ہیں''۔

''انعام کے لیے کوئی اچھا کام کرنا ضروری ہے جو میں نے اب تک نہیں کیا''۔ رابی نے کہا۔

''لیکن اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے، وہاب ہے وہ تو اپنے ان بندوں کو بھی نوازتا جاتا ہے، جو بہت احمق، ناشکرے، ناقدرے اور ضدی ہوتے ہیں''۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا، تو اس نے ان کی سیاہ چمکدار آنکھوں میں چمکتی شرارت کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کو میری شادی سے اس قدر دلچسپی کیوں ہے؟''

''صرف مجھے آپ کی شادی سے دلچسپی نہیں ہے، بلکہ ہر اس بندے کو آپ کی شادی خانہ آبادی سے دلچسپی ہے جو اپنے سینے میں محبت بھرا دل رکھتا ہے''۔

''پلیز مجھ سے محبت پر بات مت کریں، مرد اور محبت دو متضاد چیزیں ہیں''۔ رابی نے چھری سے سیب کاٹتے ہوئے کہا۔

''مسٹر حمید کے علاوہ کوئی مثال دیجیے، کسی ایسے مرد کی جو آپ کی اس دلیل پر پورا اترتا ہو، کیونکہ نوے فیصد خواتین اپنے گھر بسائے بیٹھی ہیں اس کی بھی تو کوئی وجہ ہو گی''۔ احتشام بھی ایک دم بے حد سنجیدہ ہو گئے۔

''وجہ کا ذکر میں نے آپ سے پہلے بھی کیا تھا، والدین کی عزت، بچوں کے مستقبل اور اپنے سر پر چھت کے لیے عورتوں کو بہت کچھ سہنا پڑتا ہے، اس کے علاوہ اگر آپ حقائق پر نگاہ دوڑائیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ 70 سے 75 فیصد خواتین کو گھریلو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے، انسانی حقوق کمیشن کی ایک رپورٹ کے مطابق ملک میں ہر روز دس خواتین پر جنسی حملہ کیا جاتا ہے اور ہمارے معاشرے میں چونکہ خواتین کے ساتھ زیادتی کو خاندان کے چہرے پر سیاہی تصور کیا جاتا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اکثر خواتین خودکشی کر لیتی ہیں، ناجائز حمل سے چھٹکارا پانے کے لیے غیر قانونی اور غیر انسانی طریقے اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں، جس کے نتیجے میں ان کی جان بھی چلی جاتی ہے، 82 فیصد خواتین معمولی باتوں پر تشدد کا نشانہ بنتی ہیں اپنے شوہروں کے ہاتھوں، شہری علاقوں میں 52 فیصد خواتین کا کہنا ہے کہ شوہر انھیں زدوکوب کرتے ہیں، جامعہ کراچی کی ایک رپورٹ کے مطابق پانچ میں سے چار خواتین کو کام کے دوران جنسی طور پر ہراساں کیا جاتا ہے، مرد طاقت کے ذریعے مظلوم عورت کو تشدد کا نشانہ بنا کر اپنی برتری ثابت کرتے ہیں، اور یہ نہیں سوچتے کہ وہ اپنے اس سلوک کی وجہ سے عورت کی نظر میں کتنے کمتر اور حقیر بن جاتے ہیں، عورت بے چاری نے تو مردوں کے تشدد آمیز، ذلت آمیز رویے کو برداشت کرنا اپنا فرض سمجھ لیا

ہے، جس نے مردوں کے حوصلے بڑھا دیے ہیں، اور بھی بہت سی تلخ رپورٹس ہیں آپ کے لیے فی الحال اتنی معلومات ہی بہت ہیں''۔ رابی نے سنجیدہ لہجے میں تفصیل سے اپنی معلومات کی پٹاری ان کے سامنے کھول کر رکھنے کے بعد کہا، تو وہ اس کی معلومات پر حیران رہ گئے، اور قدرے پریشان بھی ہو گئے۔

''مس رابی! آپ کی معلومات بجا صحیح، مگر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ عورت کے ساتھ ایسا تشدد اور ذلت آمیز سلوک مرد کیوں کر رہے ہیں؟''

''اس کی دو وجوہات ہیں، اول یہ کہ ہمارے معاشرے میں عورت کو کم حیثیت سمجھا جاتا ہے، مرد اسے ناقص العقل اور اپنی ملکیت سمجھتے ہیں، مرد طاقت کے ذریعے مظلوم عورت کو تشدد کا نشانہ بنا کر اپنی برتری ثابت کر دیتے ہیں، دوئم یہ کہ تعلیم یافتہ مرد یہ سمجھتے ہیں کہ جو عورت مردوں کے شانہ بشانہ چل رہی ہے وہ یقیناً آزاد خیال ہے، اگر اس کے سامنے چند نازیبا جملے بول دیئے تو کیا ہوا؟ اسے کندھا مار دیا تو کیا فرق پڑتا ہے؟ ہمارا المیہ یہ ہے کہ معاشرے سے عورت کا احترام اٹھتا جا رہا ہے، ہم سب مغربی ثقافت کے شکنجے میں بری طرح جکڑے ہوئے ہیں، جب تک ہمارے ہاں مشرقی اور مذہبی اقدار کو پروان نہیں چڑھایا جائے گا، عورت اسی طرح تشدد اور ذلت کے کنوئیں میں سسکتی رہے گی، اور یہ بھی حقیقت ہے مسٹر شام! کہ ہمارے معاشرے میں عورت کو دوسرے درجے کی مخلوق تصور کیا جاتا ہے، مرد بیوی یا بیٹی پر جذباتی، جسمانی یا زبانی تشدد کو اپنا حق سمجھتے ہیں، اس پر بھی آپ کہتے ہیں کہ مرد محبت کرتے ہیں، اس کا اعتبار کیا جائے، ایسی محبت آپ ہی کو مبارک ہو، ایسی نہیں ہوتی محبت جو شخص اپنا اعتبار کھو دے اس کے پیار پر یقین نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس سے پیار کیا جا سکتا ہے''۔

''مگر پھر بھی آپ کو....!'' احتشام لاجواب ہو کر یہی کہہ سکے۔

''پھر بھی مجھے آپ پر آپ کی صنف پر اعتبار کر لینا چاہیے، یہی چاہتے ہیں ناں آپ؟ تو چلیے میں آپ سمیت تمام مردوں پر اعتبار کر لیتی ہوں کہ سب بہت نرم دل اور محبت کرنے والے ہیں، لیکن اس اعتبار کے باوجود میں کسی مرد کو اپنی زندگی کا ٹھیکے دار نہیں بناؤں گی، میں اب شادی نہیں کروں گی''۔ رابی نے سنجیدہ اور اٹل لہجے میں کہا تو وہ آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر بے بسی سے بولے۔

''یا اللہ! تُو ہی میرے حال پر رحم کر، یہ تو رحم کرنے کے موڈ میں قطعی نہیں ہیں''۔

''رحم سے نابلد تو آپ مرد ہوتے ہیں''۔ رابی نے طنز سے کہا۔

''مس رابی! آپ لاء کرنے کے بعد پریکٹس شروع کریں گی، تو تب آپ کو بہت سے مردوں کے بیچ رہ کر کام کرنا ہوگا، اور کسی ایک کا اعتبار تو آپ کو کرنا ہی پڑے گا، تب آپ کیا کریں گی؟''

''مردوں کے بیچ تو میں اب بھی ہوں، اور میں جانتی ہوں کہ اس پروفیشن میں زیادہ کورٹ کچہری مردوں کے دم سے آباد ہے، میں اپنے گرد رہنے والے اور اپنے کام سے متعلقہ مردوں سے صرف کام کی حد تک مثبت رویہ اپناؤں گی، کسی کو اس حد تک فرینک نہیں ہونے دوں گی کہ وہ میری ذات میں دلچسپی لینے یا بات کرنے کی کوشش کرے، میں ان میں رہ کر ان کا مقابلہ کروں گی، اتنا حوصلہ اور صبر تو ہے اب مجھ میں''۔ رابی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''خدا کرے کہ آپ کا حوصلہ اور صبر قائم رہے، کیونکہ اس پروفیشن میں جان لیوا دھمکیاں تک دی جاتی ہیں، عزت، آبرو، جان و مال کی ضمانت چھین لیتے ہیں مجرم اور ملزم کے لواحقین اکثر بہت بااثر ہوتے ہیں، جن کے ایک اشارے پر بندہ ادھر سے ادھر ہو جاتا ہے۔ اس لیے میری دعا ہے کہ آپ اس میدان میں ثابت قدم اور کامیاب رہیں آپ کے ساتھ ایسی ویسی کوئی بات نہ ہو، کیونکہ اگر آپ کو تکلیف ہوئی یا زخم آئے تو اس کا سب سے

زیادہ دکھ مجھے ہوگا"۔

"کیوں؟" وہ ان سے پوچھنا چاہتی تھی مگر وہ اپنی بات مکمل کرتے ہی تیزی سے گھر کا گیٹ عبور کر گئے، اور اس کے اندر ایک حیرت انگیز بے چینی اور بے قراری چھوڑ گئے، وہ حیران پریشان اپنی حالت اور کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی، اور باقی سارا دن اسے چین نہیں آیا، احتشام کی صورت ان کی باتیں اس کے دل و دماغ پر نقش ہو کر اسے بے کل جو کر رہی تھیں، پڑھنے کے لیے کتاب کھولی تو احتشام کا چہرہ اوراق میں ابھر آیا اس نے گھبرا کر کتاب بند کر دی۔

"جسے میں نے ہمیشہ کھری کھری سنائی ہیں، وہی محبت کا عکس بن کر میرے دل و دماغ میں سما گیا ہے، یا اللہ! یہ کیا ہو گیا میرے ساتھ، مجھے تو مردوں سے چڑ تھی، نفرت تھی پھر یہ "شام" اوہ نو...!" کئی دن بعد بھی جب احتشام کا خیال اس کے حواسوں پر چھایا رہا تو وہ خود سے الجھ کر بولی۔

"شام نے ایسا کوئی کام نہیں کیا، جس کے بل پر تم اس سے نفرت کر سکو، یا اسے اس کی ظاہری اور باطنی خوبصورتی اور اچھائیوں سمیت نظر انداز کر سکو، اگر وہ جھوٹے، فریبی یا لالچی انسان ہوتے، تو تم ان کے لیے ایسی بے قراری کبھی بھی محسوس نہ کرتیں"۔ رابی کے اندر کی رابی نے جواب دیا۔

"ہاں مگر ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا، میں تو اب شادی کرنا ہی نہیں چاہتی"۔ وہ خود سے بولی۔

"محبت کرنے کے لیے شادی کرنا ضروری نہیں ہوتا"۔ اس کے دماغ نے دلیل پیش کی۔

"لیکن کیا جس سے محبت ہو جائے اس کے بغیر زندگی بسر کرنا آسان ہوتا ہے؟" اس نے خود سے سوال کیا، مگر اس کے پاس اپنے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا، وہ تو ابھی تک اسی الجھن میں مبتلا تھی کہ اسے واقعی "شام" سے محبت ہو گئی ہے یا یہ وقتی احساس ہے۔

☆.....☆.....☆

شازیہ کی شادی خیریت سے ہو گئی، اس دوران بھی اس کا کئی بار احتشام سے سامنا ہوا تھا، مگر وہ خود ہی ان سے بچتی، کتراتی، نظریں چراتی پھرتی رہی تھی۔ دل میں چور جو تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی آنکھیں اس کے دل کا بھید ان پر آشکار کر دیں، وقت مزید گزرا تو نازیہ کی بات بھی پکی ہو گئی، رابی کے لیے رشتے آتے، مگر وہ اس موضوع پر بات سنتے ہی بھڑک اٹھتی تھی، اس لیے تھک ہار کر سب نے کہنا سمجھانا ہی ترک کر دیا تھا، احتشام نے لاہور میں جو فیکٹری خریدی تھی، اس کی نگرانی وہ خود ہی کیا کرتے تھے اور مستقل لاہور میں قیام پذیر تھے، عید تہوار پر آگے پیچھے کراچی جاتے رہتے تھے، کراچی اور لاہور کے بار بار کے سفر کے وہ عادی ہو چکے تھے، جب گھر والوں کی یاد ستاتی سیٹ بک کروائی اور کراچی پہنچ گئے۔ "فیضان ہاؤس" بھی وہ مہینے میں ایک بار ضرور آتے تھے اور ان کے آتے ہی رابی اپنے کمرے میں بند ہو جاتی تھی اور جب تک وہ واپس چلے نہیں جاتے تھے، وہ کمرے سے باہر نہیں نکلتی تھی، احتشام اس کی یہ دانستہ کی جانے والی حرکت ہر بار محسوس کرتے تھے، لیکن کہتے کچھ نہیں تھے، رابی نے وکالت کا امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کر لیا تھا، اور نازیہ کی بھی شادی ہو رہی تھی، دوہری خوشی تھی، اس سمیت سب گھر والوں کو، احتشام کے گھر والے بھی نازیہ کی شادی میں شریک ہونے کے لیے آئے ہوئے تھے، رابی جہاں احتشام کو کھڑا یا بیٹھا دیکھتی فوراً راستہ بدل لیتی، اسے خود پر بہت غصہ تھا۔

"دل کو تو ان کے راستے پر چلنے سے روک نہیں سکیں، اب خود چھپتی پھر رہی ہو"۔ رابی نے خود کو دل ہی دل میں لتاڑا۔ آج نازیہ کی مہندی تھی، اور نازیہ کی شادی چونکہ جویریہ بھابی کے چھوٹے بھائی سے ہو رہی تھی، اس لیے

جویریہ بھابی اپنے میکے گئی ہوئی تھیں، وہیں سے مہندی لے کر آنے کا پروگرام تھا ان کا، سعدیہ باجی بھی اپنے دو عدد بچوں کے ساتھ آئی ہوئی تھیں، شازیہ اپنی ڈیڑھ سالہ بیٹی کو سنبھالنے میں لگی تھی، نصرت مہمانوں میں مصروف تھیں، لے دے کے رابی رہ گئی تھی جو مہندی کے پروگرام کی تیاریوں میں مگن تھی، عمران اور نیہا کو بھی اس نے ساتھ لگا رکھا تھا، اس نے گولڈن کلر کا چوڑی دار پاجامہ پشواز پر آرگنزا کا ہم رنگ دوپٹہ زیب تن کیا ہوا تھا، گولڈن جوتے، میچنگ جیولری پہنے اس نے اپنے لمبے سیاہ بالوں کو فرنٹ سے سیٹ کر کے کھلا چھوڑ دیا تھا، دلکش میک اپ کے ساتھ وہ اور بھی زیادہ پرکشش دکھائی دے رہی تھی۔

"ہیلو گولڈن گرل!" احتشام کی آواز پر اس نے دوپٹہ سیٹ کرتے ہوئے چونک کر مڑ کر دیکھا، وہ سفید کرتے شلوار میں ملبوس اسی شان سے کھڑے مسکرا رہے تھے، جو ان کی دلکش شخصیت کا خاصا تھی، وہ انھیں یوں اچانک دیکھ کر سٹپٹا سی گئی۔

"گولڈن گرل!" انھوں نے اس کے لباس کی مناسبت سے کہا تھا اپنی سنہری رنگت کے سبب یہ رنگ اس پر اور بھی زیادہ کھل رہا تھا، اور اس نے افشین کی شادی پر اس کلر کا لباس پہنا تھا اسی خیال سے نازیہ کی مہندی کے لیے بھی اس کلر کا انتخاب کیا تھا، اسے دل ہی دل میں احتشام کی زبان سے "گولڈن گرل" سننے کی تمنا جو تھی اور اب پوری بھی ہو گئی تھی۔

"ہیلو! کیسے ہیں آپ؟" رابی نے سنبھل کر کہا۔

"روز اول کی طرح آج بھی اسی محاذ پر ڈٹے ہوئے ہیں، جسے سر کرنے کا عہد ہمارا دل کر چکا ہے"۔ انھوں نے ذومعنی بات کہی تو وہ نجانے کیوں ان سے نظریں چرا گئی، ان کی ذومعنی باتیں آج تک اسے بے کل کرتی تھیں۔

"مجھے کام ہے"۔ وہ ان سے بچ کر جانے لگی تو وہ فوراً اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

"مجھے معلوم ہے کہ آپ کو بہت کام ہیں، یہ گجرے سنبھالیں"۔ انھوں نے گجروں کا لفافہ اس کے ہاتھوں میں دے دیا، وہ جانے لگی تو انھوں نے ہاتھ کے اشارے سے روک لیا۔

"میری ایک بات سنتی جائیں"۔ انھوں نے نرم لہجے میں کہا تو وہ ان کے چہرے کو دیکھنے لگی۔

"انسان ہر چیز اور جذبے سے خود کو بچا سکتا ہے، مگر ایک چیز سے نہیں، آپ خواہ کتنا ہی نظر انداز کرنے کی کوشش کریں، کتنا ہی خود کو بچانا چاہیں سب بے سود اور بے کار ہے، کیونکہ اس معاملے میں کوئی بھی خود کو نہیں بچا سکتا، روک نہیں سکتا، باز نہیں رکھ سکتا"۔

"کس معاملے میں؟" اس نے گھبرا کر پوچھا، خدشہ جو تھا کہ کہیں اس کے دل کا چور تو ان کے ہاتھ نہیں لگ گیا۔

"اب کیا اس معاملے کی وضاحت بھی مجھے ہی کرنا ہوگی؟" احتشام نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا، تو نجانے کیوں اسے ان کے لہجے اور آنکھوں میں محبت کے دھنک رنگ چھلکتے محسوس ہوئے، وہ سٹپٹا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

"وے میں چوری چوری تیرے نال لالیاں اکھاں وے
میں چوری چوری وے میں چوری چوری"

وہ اسٹیج کے قریب کسی کام سے آئی تو عمران نے ڈیک آن کر دیا، وہ نروس ہو گئی۔

"عمران! یہ کیا چلا دیا ہے، مہندی کے گیت لگاؤ"۔ رابی نے عمران سے کہا۔

"شام انکل نے یہ کیسٹ لگائی تھی"۔ عمران نے بتایا تو اس کی حالت بری ہو گئی۔

''تو کیا انھیں معلوم ہوگیا ہے کہ میں انھیں.....اوہ نو.....کتنے شرم کی بات ہے، کہاں گئے میرے ارادے، میری نفرت اور بیزاری، ٹھیک ہی تو کہا ہے انھوں نے کہ محبت کے معاملے میں انسان خود کو نہیں بچا سکتا، بچنا اپنے اختیار میں تھوڑی ہوتا ہے، اف....اگر انھیں سچ مچ علم ہوگیا تو اچھا نہیں ہوا''۔ رابی نے تاسف سے دل میں کہا۔

''پھپھو! لڑکے والے آرہے ہیں مہندی لے کر جلدی آئیں''۔ عمران کی آواز پر وہ چونک گئی۔

''اف....کیا ہوگیا مجھے؟'' وہ نادم سی ہو کر تیزی سے گیٹ کی جانب بھاگی اور راستے میں احتشام سے ٹکرا گئی۔

''ارے بھئی! آنا تو آپ کو میرے پاس ہی ہے، مگر ایسی بھی کیا جلدی ہے اس بے صبری کا مظاہرہ کر کے میرا صبر تو مت آزمائیں''۔ احتشام نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر معنی خیز مسکراہٹ لبوں پر سجا کر کہا۔

''آ....پ....وہ....!'' وہ سٹپٹائی ہوئی انھیں دیکھتے ہوئے بول بھی نہ پائی اور وہ اس کی حالت سے محظوظ ہو کر ہنس پڑے، تو وہ ان کے حصار سے نکل کر گیٹ کی جانب بھاگ گئی، احتشام کے ہاتھوں کا لمس اسے اپنی رگ جاں میں اترتا محسوس ہو رہا تھا، دل کی دھڑکن نارمل ہونے میں نہیں آرہی تھی، سردی کے باوجود اس کے پسینے چھوٹ گئے تھے، دولہا والے آگئے تھے، اس نے بمشکل خود کو ان کے استقبال کے لیے تیار کیا، مہندی کی رسم بخیر و خوبی انجام پذیر ہوئی، اس دوران بھی وہ خود کو احتشام کی قربت ان کے لمس کی حدت کے حصار میں لپٹا ہوا محسوس کرتی رہی تھی، اور وہ اس کے بعد ایسے غائب ہوئے کہ شادی کے روز بھی نظر نہ آسکے، حالانکہ عمران اور نیہا نے بتایا تھا کہ شام انکل آئے ہوئے ہیں، اس کی نظریں غیر ارادی طور پر احتشام کو ڈھونڈتی رہیں، ان کے دیدار کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتی رہیں تھیں، اور انھیں دیکھ نہ سکنے پر وہ کس قدر ملول بھی ہوئی تھی۔

''یہ رابی ہے ناں سب سے چھوٹی ہے، بس یہی رہ گئی ہے، نصرت کا آخری فرض''۔ نازیہ کی دعوت ولیمہ میں دولہا کی مامی اور رابی کی نئی پڑوسن نے رابی کو دیکھ کر ناہید بھابی سے کہا تو رابی کے کان کھڑے ہوگئے۔

''جی بس رابی ہی رہ گئی ہے اب تو''۔ ناہید بھابی بولیں۔

''رہ کیا گئی ہے اس کی شادی تو سب سے پہلے ہوئی تھی، نازیہ اور شازیہ تو اس سے چھوٹی ہیں، رابی کا شوہر ظالم تھا کئی شادیاں کر رکھی تھیں اس نے، اس وجہ سے رابی نے اس سے طلاق لے لی تھی''۔ ناہید بھابی کی خالہ نے صحیح بات بتائی۔

''اچھا...! لگتی تو چھوٹی ہے کیسی حسین لڑکی ہے اور کم سنی میں طلاق ہوگئی، ہائے ہائے! اب کون بیاہے گا اسے؟'' وہ خاتون افسوس بھرے لہجے میں بولیں۔

''خالہ! بیاہنے والے تو بہت ہیں اور انشاء اللہ رابی بھی اپنے گھر کی ہو جائے گی، بس اس کی تعلیم مکمل ہونے کا انتظار تھا اور پھر ایک بار جو دھوکا ہوگیا، اس وجہ سے اس کے گھر والے بھی ڈرے ڈرے سے ہیں، دوسری بار یہ دھوکا نہیں چاہتے ہر چیز دیکھ بھال کر ہی کوئی فیصلہ کریں گے''۔ ناہید بھابی نے سنجیدگی سے کہا، تو رابی کو ان پر بے ساختہ پیار آنے لگا، کتنی خوبصورتی سے انھوں نے بات بنائی تھی۔

''فیصلہ سوچ سمجھ کر، دیکھ بھال کر ہی کرنا چاہیے، مگر اتنی دیر نہیں کرنی چاہیے کہ لڑکی کی عمر ہی بیت جائے، چلو اب تو رابی کم عمر دکھائی دیتی ہے حسین و جمیل بھی بہت ہے، اس وجہ سے اس کے رشتے بھی آرہے ہیں، کل کلاں کو جب یہ حسن ماند پڑ جائے گا اور بالوں میں چاندی جھانکنے لگے گی، تو کوئی اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں، ویسے طلاق یافتہ لڑکی ہونے کے باوجود میں رابی کو اپنی بہو بنانے کو تیار ہوں، اگر اس کے گھر والے مان جائیں تو میرا بیٹا ہے تو 38 برس کا ایک بیٹا ہے اس کی بیوی بے چاری مر گئی تھی''۔ وہ خاتون تیزی سے بولیں۔

''خالہ! ہماری رابی کے لیے ماشاء اللہ نوجوان کنوارے، پڑھے لکھے اور برسر روزگار شریف اور خوبصورت نوجوانوں کے رشتے موجود ہیں، آپ اپنے بیٹے کے لیے کسی بیوہ کا ہاتھ مانگیں تو زیادہ مناسب رہے گا''۔ ناہید بھابی نے سنجیدہ لہجے میں کہا، تو جہاں ان کا شرمندگی سے چہرہ اتر گیا، وہاں رابی کا چہرہ ان کے اس جواب پر خوشی سے کھل کھل گیا اور جب ناہید بھابی اس کے قریب آئیں تو اس نے بے اختیار انھیں چوم لیا۔

''تھینک یو بھابی! آپ نے میرا کیس بہت اچھی طرح لڑا ہے''۔

''وہ اس لیے کہ تم مجھے بہت عزیز ہو، مگر لگتا ہے کہ تم نے اپنے آپ سے دشمنی کر رکھی ہے، تم مان کیوں نہیں لیتیں سب کی بات، تاکہ لوگوں کے ان سوالوں اور لہجوں سے نظروں سے چھٹکارا پا سکو''۔ ناہید بھابی نے سنجیدگی اور محبت سے کہا۔

''بھابی! مجھے ڈر لگتا ہے اپنی شادی کے تصور سے ہی میرا دم گھٹنے لگتا ہے، میرے لیے شادی ایک اذیت ناک اور تکلیف دہ رشتہ رہا ہے، بالفرض میں شادی کر بھی لوں تو میں اپنے شوہر کے متعلق کنفیوژ ہی رہوں گی، وہ اچھا بھی ہوا تو بھی شاید میں اس کے ساتھ اچھی نہ رہ سکوں اسے دل سے قبول نہ کر سکوں''۔ وہ افسردگی سے بولی۔

''اگر وہ اچھا ہوگا جو یقیناً ہوگا، تو وہ تمہیں بھی اپنے جیسا بنا لے گا اور تم تو خود ہی بہت اچھی ہو، اتنی نرم دل، محبت کرنے والی اور سب کا خیال رکھنے والی، تو بھلا ایک اچھے شخص کے ساتھ ناانصافی کیسے کر سکتی ہو تم؟'' ناہید بھابی نے اسے پیار سے سمجھایا۔

''پتا نہیں اس سلسلے میں مجھ سے کوئی فیصلہ نہیں ہو پاتا''۔ وہ بے بسی سے بولی۔

''تو تم یہ فیصلہ امی، ابو پر چھوڑ دو، وہ یقیناً تمہارے لیے بہتر فیصلہ ہی کریں گے''۔

''چھوڑیں اس قصے کو ابھی تو نازی کی شادی ہوئی ہے، انھیں اس کی تھکن تو اتار لینے دیں، ہونا تو وہی ہے جو میری قسمت میں لکھا ہے یوں بھی مجھے اپنی شادی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے''۔

''اچھی بھلی لائن پر آتے آتے ایک دم پٹڑی سے اتر جاتی ہو تم''۔ ناہید بھابی نے پیار بھری خفگی سے اسے گھورا تو اسے ہنسی آگئی۔

☆.....☆.....☆

اس نے فیضان صاحب کے وکیل دوست کے انڈر رہ کر اپنی ابتدائی ٹریننگ مکمل کی اور اس کے بعد اکیلے کیس ہینڈل کرنے لگی، پہلے دو کیس خواتین کے تھے، ایک اپنے شوہر اور سسرال والوں کے تشدد اور طعنوں کی وجہ سے تنگ آکر اپنے شوہر سے طلاق لینا چاہتی تھی، سو اس عورت سکینہ نے مجبوراً عدالت سے رجوع کرنے کا فیصلہ کیا تھا، رابی کو اس نے بتایا تھا کہ اس کے میکے والے اس کی شادی کو بچانے کے لیے اب تک اس کے شوہر کی ہر جائز اور ناجائز فرمائش پوری کرتے رہے ہیں، مگر اب ان کی ہمت اور جیب جواب دے گئی ہے، اور وہ خود بھی اپنے شوہر کی طعنہ زنی اور پرتشدد رویے سے تنگ آگئی ہے، اس لیے اس سے علیحدگی چاہتی ہے، رابی کو اس کی آپ بیتی سن کر بہت دکھ ہوا اور اس نے اس کا کیس پوری توجہ سے تیار کیا اور عدالت میں پیش کیا اس کی مالی حالت کو دیکھتے ہوئے اس نے اس سے کیس لڑنے کی فیس بھی نہیں لی اور اللہ نے اس پر خاص کرم کیا اسے پہلے ہی کیس میں کامیابی عطا فرمائی، اس کے شوہر کو سزا اور جرمانہ ہوگیا اور بچے کو ماں کی تحویل میں دے دیا گیا، سکینہ خلع ملنے کے بعد بہت دیر تک رابی کے گلے لگ کر روتی رہی تھی، اسے جہاں اپنا گھر ٹوٹنے کا غم تھا وہاں ایک لالچی اور ظالم شخص سے نجات ملنے کی خوشی بھی تھی، وہ اللہ کے بعد رابی کی شکر گزار تھی کہ اس نے بہت مہارت اور ذہانت سے اس کے کیس کی

پیروی کی تھی اور اس سے فیس بھی نہیں لی تھی۔

''تم نے کیا سوشل ورک کے لیے مفت کام کرنے کے لیے وکالت پڑھی ہے؟'' شازیہ نے اس کے فری کیس لڑنے پر طنز سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''تم نہیں سمجھ سکو گی تم ابھی بچی ہو''۔

''میں بچی نہیں ہوں، بچی کی ماں ہوں، بچی تو تم بنی ہوئی ہو، امی ابو کو بھائی جان کو ہر وقت تمہاری فکر لگی رہتی ہے، شادی کر کے اپنا گھر بساؤ اور....!''

''شازی! میں تم پر بوجھ نہیں ہوں''۔ وہ اس کی بات کاٹ کر سنجیدہ لہجے میں بولی۔

''اور نہ ہی میں کوئی ایسا کام کر رہی ہوں کہ میرے گھر والوں کی نظریں شرم سے جھک جائیں''۔

''ابھی پہلا کیس جیتا ہے تم نے اور اس سے پہلے کیس کے دوران گھر میں اس خاتون کے دھمکی آمیز فون آتے رہے ہیں، تمہیں تو امی ابو نے اس لیے نہیں بتایا کہ تم خوفزدہ نہ ہو جاؤ اور پہلا کیس ہی ہار کر مایوس اور بددل نہ ہو جاؤ''۔ شازیہ نے انکشاف کیا۔

''او آئی سی.... دھمکی سے میں نہیں ڈرتی اور اب اس قسم کی باتیں مجھے خوفزدہ نہیں کر سکتیں، بہادر اور باحوصلہ لوگ ہی اس پیشے سے وابستہ ہوتے ہیں، بزدلوں کا کام نہیں ہے کسی کو اس کا حق دلانا''۔ رابی نے سنجیدگی سے کہا۔

''تو تم حقوق دلوانے کی چیمپئن بننا چاہتی ہو''۔ سعدیہ باجی بھی اس گفتگو میں شریک ہوئیں۔

''معلوم نہیں، مگر میں وہ نہیں بننا چاہتی، جو آپ لوگ مجھے بنانا چاہتے ہیں''۔ اس نے دکھ سے کہا اور وہاں سے اٹھ گئی کہ اپنوں کی یہ حوصلہ شکنی اب اس کی برداشت سے باہر ہو رہی تھی، اور وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔

دوسرا کیس بھی اسی نوعیت کا تھا اس میں موکلہ کے شوہر نے دوسری شادی اس سے اجازت حاصل کیے بغیر کرنے کے بعد نہ صرف اسے گھر سے نکال دیا تھا، اس کا نان نفقہ بند کر دیا تھا، بلکہ اسے جان سے مارنے کی دھمکی دے کر اسے احتجاج کرنے سے بھی روکنے کی کوشش کی تھی، سو رابی نے کیس کا فیصلہ ثبوت و شواہد اور عمدہ دلائل کے ذریعے اپنی موکلہ کے حق میں قرار دیا تھا، وہ ایک عورت کو ایک مرد کے ظلم بھرے ماحول سے نجات دلا کر بہت مطمئن تھی، تیسرا کیس ایک اکیس سالہ لڑکی کے قتل کا تھا، جسے اس کے ماں باپ کے بقول اس کے سسرالیوں نے زندہ جلا کر مارا تھا، اور سبب چولہا پھٹنے کا حادثہ قرار دیا تھا۔ مرحومہ ہاجرہ کے ماں باپ کو ہاجرہ کے شوہر کے بیان پر شک تھا۔ ہاجرہ کے جیٹھ کی بیوی کلثوم اس واقعے کے بعد اپنے میکے چلی گئی تھی، کیونکہ اس کا شوہر نذیر بھی اس پر تشدد کرتا تھا، دونوں بھائی دو نمبر کام کر کے مال بنا رہے تھے، انھیں کار، کوٹھی کی تمنا بھی تھی بیویوں سے رقم کا مطالبہ بھی رہتا تھا، کلثوم کو ہاجرہ کا انجام دیکھ کر اپنی جان کی فکر لاحق ہو گئی تھی، زبیر کے خلاف ہاجرہ کو قتل کرنے کی ایف آئی آر درج ہو چکی تھی اور کلثوم زبیر کے خلاف گواہی دینے کو بھی تیار تھی، رابی پوری دل جمعی سے یہ کیس تیار کر رہی تھی، اسے زبیر اور نذیر کی طرف سے دھمکی آمیز فون کالز اور خطوط ملنا شروع ہو گئے تھے، اس نے اپنے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگوائی تھی اور ان کی تمام کالز ریکارڈ کروا رہی تھی، خطوط بھی اس نے سنبھال کر رکھ لیے تھے، اور اپنے پرس میں بھی وہ ہر وقت منی ٹیپ ریکارڈنگ کے لیے رکھتی تھی، گھر والوں کو اس نے ان دھمکی آمیز فون کالز اور خطوط کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا، ویسے بھی آج کل سب اس سے اکھڑے اکھڑے سے رہنے لگے تھے، سبب اس کا شادی سے مسلسل انکار کیے جانا تھا، رابی کی نگاہوں میں شادی کا نام سنتے ہی اکثر احتشام کی صورت آ سماتی اور وہ بمشکل خود کو سمجھا پاتی تھی، تقریباً چار سال سے وہ اس خاموش محبت کو اپنے اندر پروان چڑھا رہی تھی، اس محبت کی جڑیں اس

کے دل و روح میں بہت گہرائی تک اتر چکی تھیں، اور وہ اپنے کام میں مشغول رہ کر اپنی بے چینی و بے قراری کو دبانے کی کوشش کرتی تھی۔

''مس صاحبہ! کوئی زبیر صاحب آئے ہیں آپ سے ملنے''۔ چپڑاسی نے اس کے آفس کے کمرے میں آ کر اسے اطلاع دی۔

''زبیر..... حاجرہ کا شوہر، ٹھیک ہے بھیج دو اسے''۔ رابی نے منی ٹیپ ریکارڈر کا بٹن دبا کر اسے فائلوں کے درمیان میں رکھ دیا، اور خود اسی کیس کی فائل کھول لی۔

''تو آپ ہیں رابعہ فیضان؟'' زبیر اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا اس کے آفس میں داخل ہوا اور اسے دیکھتے ہی بولا۔

''آپ نے صحیح پہچانا..... میں ہی رابعہ فیضان ہوں، فرمایئے!'' وہ اعتماد سے بولی۔

''فرمانا یہ ہے بی بی! کہ یہ کیس چھوڑ دو، ورنہ تمہیں دنیا بھی چھوڑنی پڑ سکتی ہے''۔ وہ اس کے میز پر اپنے ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے بولا۔

''تمیز سے کھڑے ہو اور طریقے سے بات کرو، یہ میرا آفس ہے تمہارا جوے کا اڈہ نہیں ہے جو اس انداز اور لہجے میں مخاطب ہو''۔ رابی نے سخت اور بارعب لہجے میں کہا، تو وہ ہنس پڑا اور پھر بولا۔

''تم حاجرہ کا کیس چھوڑ دو''۔

''اور تم میرا آفس چھوڑ دو، دفعہ ہو جاؤ یہاں سے''۔ وہ غصے سے کھڑی ہو کر بولی۔

''میں تو یہاں سے چلا ہی جاؤں گا، مگر تمہیں بھی جہاں سے رخصت کر کے ہی جاؤں گا''۔ زبیر نے یہ کہہ کر پستول نکال لیا وہ ایک لمحے کو گھبرا گئی مگر فوراً سنبھل بھی گئی۔

''یہ پستول ہٹاؤ''۔ وہ غصے سے چلائی۔

''آہستہ بی بی! آہستہ..... تم بھی حاجرہ کی طرح کی ایک کمزور عورت ہو، وکیل بن جانے سے تمہارے قد کاٹھ یا طاقت میں تو اضافہ نہیں ہو گیا، حاجرہ تو مر گئی ہے تم یہ بتاؤ کہ تم نے زندہ رہنا ہے کے نہیں؟'' وہ پستول اس پر تان کر خطرناک لہجے میں بولا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا، تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟'' وہ غصیلی اور سخت آواز میں بولی۔

''دھمکی کمزور لوگ دیتے ہیں، میں تو عمل کرنے والا بندہ ہوں، جہاں ایک حاجرہ گئی ہے وہاں ایک رابعہ بھی جا سکتی ہے، تم نے پولیس مقابلوں کے بارے میں تو سنا اور پڑھا ہو گا اور شاید ایک آدھ کیس دیکھا بھی ہو، آخر وکیل ہو، جس طرح مجرم کے ساتھی اپنے ساتھی مجرم کو پولیس کی قید سے فائرنگ کر کے آزاد کروا کے لے جاتے ہیں اور پولیس والوں کو ٹھکانے لگا جاتے ہیں، اسی طرح جب کسی مجرم یا ملزم کا وکیل ان کی مرضی کا فیصلہ نہ کروا سکے، یا جو ہمارے جیسے لوگوں کو پھنسانے کی کوشش کرے تو ہم لوگ اسے عدالت میں یا عدالت کے راستے میں ہی دنیا سے خارج کر دیتے ہیں، میری مرضی کا کیس لڑو گی تو منہ مانگی فیس دوں گا، اگر میرے خلاف کیس بناؤ گی تو حاجرہ کی قبر کے ساتھ میں تمہاری قبر بھی بنوا دوں گا، فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے، زندگی یا موت؟''

''زندگی یا موت دونوں خدا کے ہاتھ میں ہیں زبیر صاحب! اب آپ یہاں سے تشریف لے جا سکتے ہیں''۔ رابی نے سخت اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''تشریف تو تمہیں بھی لے جانی پڑے گی، وکیل بی بی!'' وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔ (جاری ہے.....)

صدف سعد

رداکی ڈائری

افشاں علی کی ڈائری سے

امجد اسلام امجد کی نظم

قریہ قریہ پوچھ رہی ہے خلقت ایک سوال
کب ٹوٹے گا سر سے ہمارے لوہے کا یہ جال
لوہے کا یہ جال کہ جس میں
ساٹھ برس سے قید ہیں اپنے سارے خواب و خیال
بنجر ماہ و سال
بنجر ماہ و سال کہ جن کے
چہرے ہرے کچور ہیں لیکن آنکھیں لال لال
آنکھیں لال لال کہ جن میں
ہولے ہولے تیر رہے ہیں پھیکے زرد ملال
قریہ قریہ پوچھ رہی ہے خلقت ایک سوال
کب تک اس مٹی کے بیٹے ہوں گے یوں بے حال
کب تک ہم کو بننا ہو گا نیلامی کا مال

ریما نور چمن ڈائری

نامعلوم شاعر کی غزل

محبت مسکراہٹ سے شروع ہو کر
آنسوؤں پر ختم ہوتی ہے
محبت اک ایسا گلاب ہے
جو وفا بن جائے تو
آنسو مقدر بن جاتے ہیں
محبت میں ٹوٹ کر چاہنے والے
صرف غم و درد سہتے ہیں
محبت آنکھوں کو
آنسو بہانے پر مجبور کر دیتی ہے

سحر انجم کی ڈائری سے

نامعلوم شاعر کی نظم

آؤ کراچی کی تم کو سناؤں کہانی
یہی شہر تھا جو سوتا نہیں تھا
اندھیرا محلوں میں ہوتا نہیں تھا
بسوں کی صدا گونجتی ہر طرف تھی
یہ سمجھو یہاں رات ہوتی نہیں تھی
وہ تھیلوں پہ بکتی ہوئی مونگ پھلیاں
بڑی دیر تک جاگتی تھیں یہ گلیاں
یہاں رہنے والوں میں تھا بھائی چارہ
جو دشمن کو ہرگز نہیں تھا گوارا
ہوئی پھر ہمارے خلاف ایک سازش
تھمی ہی نہیں جب سے لاشوں کی بارش
اجڑ تا رہا پھر ہمارا کراچی
چہروں میں یہاں موت جا بہ جا ناچی
ہے اب چاروں طرف گھپ اندھیرا
بچ گئے اگر دیکھیں گے کل پھر سویرا

ثناء تاج کی ڈائری سے

خوبصورت نظم

بھول جاؤ کہ اپنے ماضی میں کیا رکھا ہے
یہی نا!
دو چار ملاقاتیں ادھورے شکوے
ادھوری باتیں اور کچھ اداس شامیں
چند ٹوٹی ہوئی امنگیں
فون کی چند بے ربط کالیں اور کیا ہے اپنے ماضی میں

صباسحر کی ڈائری سے

خوبصورت غزل

اسے اپنے فردا کی فکر تھی وہ جو میرا واقف حال تھا
وہ جو اس کی صبح عروج تھی وہی میرا وقت زوال تھا
میرا درد کیسے وہ جانتا میری بات کیسے وہ مانتا
وہ تو خود فنا کے سفر میں تھا اسے روکنا بھی محال تھا
وہ جو اس کے سامنے آ گیا وہی روشنی میں نہا گیا
عجب اس کی ہیئت حسن تھی عجب اس کا رنگِ جمال تھا
دم واپس اسے کیا ہوا نہ وہ روشنی نہ وہ تازگی
وہ ستارہ کیسے بکھر گیا وہ تو آپ اپنی مثال تھا
وہ ملا تو صدیوں کے بعد بھی میرے لب پہ کوئی گلہ نہ تھا
اسے میری چپ نے رُلا دیا جسے گفتگو میں کمال تھا
میرے ساتھ لگ کے وہ رو دیا مجھے فخر ہی اتنا وہ کہہ گیا
جسے جانتا تھا میں زندگی وہ تو صرف خواب وخیال تھا

مصباح مسکان رؤف کی ڈائری سے

ایک خوبصورت غزل

کبھی گلاب تو کبھی چنبیلی ہے وہ
بہن کے روپ میں اک مخلص سہیلی ہے وہ
اچھی بھی ہے وہ اتنی پیاری بھی ہے
ہے فخر کہ ایسی بہن ہماری بھی ہے
ہوتی ہے خفا پھر جلد ہی مان جاتی ہے
ہماری خطاؤں کو وہ ہنس کے ٹال جاتی ہے
ہے وہ ہمیشہ سے ہمارے دکھ سکھ کی ساتھی
دعا ہے رہے وہ سدا ہنستی مسکراتی
ملے اسے دنیا کی ہر اک خوشی
نہ ہو کبھی دور اس کے لبوں سے ہنسی
خدا کرے سدا سنگ سنگ یہ ہمارے رہے مسکان
کہ اس بہن میں ہی ہے بسی میری جان

روشنی فیصل کی ڈائری سے

نامعلوم شاعر کی خوبصورت غزل

عزت منافقت، کہیں شہرت منافقت
حد یہ ہے کہ ہو گئی ہے محبت منافقت
اپنے کئے پہ آپ پشیمان نہ ہو کوئی
ہر آدمی کی بن گئی ہے عادت منافقت
چہرے پہ مسکراہٹیں دل میں کدورتیں
کہنے کو یاریاں ہیں، حقیقت میں منافقت
اپنے مفاد کے لئے جی بھر کے جھوٹ بول
ہے شہر میں خلوص کی شدت منافقت
رہ رہ کے اس کے دھیان پر چھائیں کہیں
ہم پر تھی اس کی خاص عنایت منافقت
ذہنوں کے انقلاب سے ہو گئی حسن سحر
مٹ جائے گی شعبوں کی سیاست منافقت

سیدہ فرزانہ حبیب کی ڈائری سے

ایک آزاد نظم

سنو! تم نے کبھی ساحل پہ بکھری ریت دیکھی ہے؟
سمندر ساتھ بہتا ہے، مگر اس کے مقدر میں ہمیشہ پیاس رہتی ہے
سنو! تم نے کبھی صحرا میں جلتے پیڑ دیکھے ہیں؟
سبھی کو چھاؤں دیتے ہیں، مگر ان کو صلے میں دھوپ ملتی ہے
سنو! تم نے کبھی شاخوں سے بچھڑتے پھول دیکھے ہیں؟
وہ خوشبو بانٹ دیتے ہیں، بکھر جانے تک
لیکن ہوا کا ساتھ دیتے ہیں
سنو! تم نے کہیں میلے میں بجتے ڈھول دیکھے ہیں
عجب ہے المیہ ان کا، بہت ہی شور کرتے ہیں
مگر اندر سے خالی ہیں
یہی میرا فسانہ ہے، بس اتنی سی پہیلی ہے
یہی میری کہانی ہے....!!

☆.....☆.....☆

اشعار

صباعبدالغنی.....کراچی
اپنی تعلیم پر توجہ دو، مت پڑو عشق کے فسانوں میں
عمر کٹتی ہے ان کی کانٹوں پر جو رکھتے ہیں پھول کتابوں میں

عمارہ شاہ.....کوہاٹ
میری غفلتوں کی بھی حد نہیں
تیری رحمتوں کی بھی حد نہیں
نہ میری خطا کا شمار ہے
نہ تیری عطا کا شمار ہے

افشاں علی.....کراچی
میں عورت ذات جو ٹھہری، مجھ پہ مسجد نہیں جائز
تم تو پانچ وقت جاتے ہو، خدارا مانگ لو مجھ کو

فرزانہ شوکت.....کراچی
ہر وقت دھیان میں رہنے والے لوگ فسانے ہو جاتے ہیں
آنکھیں بوڑھی ہو جاتی ہیں خواب پرانے ہو جاتے ہیں
ساری بات تعلق کی ہے جذبوں کی سچائی تک
میل دلوں میں آ جائے تو گھر ویرانے ہو جاتے ہیں

مصباح مسکان رؤف.....جہلم
شب تنہائی میں اکثر میں سوچتی ہوں مسکان
جن کو بچھڑنا ہوتا ہے خدا ان سے ملواتا ہی کیوں ہے

سیدہ امبر ہاشمی.....کراچی
غم زندگی، غم بندگی، غم دو جہاں، غم کارواں
میری ہر نظر تیری منتظر، تیری ہر نظر میرا امتحاں

ریما نور رضوان.....کراچی
اک عمر گزری ہے آہوں میں کراہوں میں
بہتر ہے کہ آ کر سمٹ جاؤ میری بانہوں میں
راؤ تہذیب حسین تہذیب.....رحیم یار خان
تم بتاؤ اب کے کیا جاناں کریں
کس طرح محفوظ اپنی جاں کریں
کیا خبر کب کوئی گولی آ لگے
کس طرح اس درد کا درماں کریں

سحر انجم.....کراچی
پانیوں پانیوں جب چاند کا ہالہ اترا
نیند کی جھیل پر اک خواب پرانا اترا
آزمائش میں کہاں عشق بھی پورا اترا
حسن کے آگے تو تقدیر کا لکھا اترا

عانیہ نیازی.....ربوہ
تجھ سے نہیں وقت سے ناراض ہوں میں
جو کبھی تجھ کو میرے واسطے نہیں ملا

ثناء تاج.....پشاور
سب کی نظر میں میری تباہی کے واسطے
اتنا خلوص تھا کہ شکایت نہ ہو سکی

حنا علی.....سیالکوٹ
ہم شہر بھر میں اذیت پسند مشہور ہیں
گر دعا چاہیے تو میرا دل دکھائیے

امبرین حیدر.....اسلام آباد
جسے اپنا یار کہنا، اسے چھوڑنا بھنور میں
یہ حدیث دلبراں ہے یہ کمال دل بری ہے

نوشین مدثر.....لاہور
نہ سمجھ سکے اس کا کوئی بھی بہانا
کبھی پلکوں پہ بٹھانا کبھی نظروں سے گرانا

نور بانو.....کوئٹہ
یہی کیا کم ہے کہ ہم تیری تمنا میں جئیں
لطفِ منزل نہ سہی، حسرتِ منزل ہی سہی

صباسحر.....ہارون آباد

تشخیص بجا ہے کہ مجھے عشق ہوا ہے
نسخے میں لکھو ان سے ملاقات مسلسل

دھنک ناز.....کراچی

ہم کو اچھا نہیں لگتا کوئی بھی ہم نام تیرا
کوئی تجھ سا ہو تو پھر نام بھی تجھ سا رکھے

نگہت توقیر.....چیچہ وطنی

میں ایک ہی منزل کا پرستار ہوں ناصر
ہر چاند سے چہرے کا طلب گار نہیں ہوں

عینی مرتضیٰ.....سیالکوٹ

سب سے ہے عشق مجھے حسنِ نظر کے ہاتھوں
مجھ کو ہر شخص نے دیوانہ بنا رکھا ہے

بینش وہاب.....راولپنڈی

وفا کی قدر تو کسی سے نہ ہو سکی
ان کی جفا پہ ایک زمانہ نثار تھا

شائلہ قیصر.....کراچی

یہی بہت ہے کہ بیٹھا ہے سر جھکائے ہوئے
مجھے اجاڑ کے وہ شخص شرمسار تو ہے

ماہ نور.....فیصل آباد

میرے دل کو سمجھ رکھا ہے دلی یار لوگوں نے
کبھی آباد کرتے ہیں کبھی برباد کرتے ہیں

مونا سرفراز.....حیدر آباد

ہم نے ہنس ہنس کر بھرم اہل وفا کا رکھا ہے
ہم بھی رو دیتے اگر عشق میں جھوٹے ہوتے

رضوانہ شکور.....سکھر

ہم نہ ہوں گے تو کون منائے گا تمہیں
یہ بری بات ہے ہر بات پہ روٹھا نہ کرو

ریحانہ نواز.....جلال پور

میری خلوتوں کو دوام دے
میں بھی بادہ کش ہوں کہ جام دے
تیری آنکھ میں، میں ٹھہر سکوں
مجھے مختصر سا قیام دے

بسمہ ریحان.....جہلم

ہونا تو وہی ہے جو مقدر میں میرے ہے
لیکن وہ میرے خواب، میرے خواب میرے خواب

طاہرہ اعوان.....ملتان

اگرچہ کوئی بھی اندھا نہیں تھا
لکھا دیوار کا پڑھتا نہیں تھا
تم ہی نے کون سی اچھائی کی ہے
چلو مانا کہ میں اچھا نہیں تھا

شازیہ رحمت.....سرگودھا

مجھے لکھ کر کہیں محفوظ کر لو محسن
تمہاری باتوں سے نکلتا جا رہا ہوں میں

رابعہ منیر.....سرگودھا

آگہی کا عذاب اب باقی ہے
کھل گئی آنکھ خواب باقی ہے
وقت تتلی تھا اڑ گیا کب کا
ڈائری میں گلاب باقی ہے

عائشہ عمر.....حیدر آباد

کچھ تجھ کو محبت پہ یقین تھا نہ وفا پر
کچھ دکھ مری تقدیر میں لکھا بھی بہت ہے
بینائی اندھیروں سے بھلا کیسے بچاتا
اک شخص ترے ہجر میں جاگا بھی بہت ہے

افشان علی.....کراچی

بے فائدہ ہے زیست میں احباب کا ہجوم
ہو پیکرِ خلوص تو کافی ہے اک شخص

صنا.....ملتان

ہم جو انسانوں کی سی تہذیب لیے پھرتے ہیں
ہم سا وحشی کوئی جنگل کے درندوں میں نہیں

سباس گل.....رحیم یار خان

حج کا امکان کرتا ہے وہی
زیست کا سامان کرتا ہے وہی
اس کی رحمت گر نہ ہو کیسے کٹے
ہر سفر آسان کرتا ہے وہی

☆.....☆.....☆

نفاست اور سہولت موویٹا ٹشوز کی بدولت

VIRGIN PULP سے تیار کردہ پاکستان کا واحد پرنٹیڈ ٹشو پیپر
ایکسٹرا ملائم، ایکسٹرا حفظانِ صحت، ایکسٹرا سہولت! جذب کرے آسانی سے صاف کرے روانی سے

MOVEETA
Super Soft

MOVEETA کی تمام رینج ہر جگہ بآسانی دستیاب ہے

MOVEETA Big
Perfumed & Printed Tissue
پاکستان کا واحد پرنٹیڈ ٹشو پیپر

Super Soft
زیادہ سہولت... زیادہ نفاست

Perfumed Sandooq
دلآویز خوشبو سے بھرپور ٹشو پیپر

Mod Nap
کم خرچ بالا نشین ٹشو پیپر
صرف روپے میں 150 ٹشوز

Party Pack
گھر اور تقریبات کے لئے موزوں ترین ٹشو پیپر

MOVEETA
Super Soft Roll
& Kitchen Roll
ضرورت بھی... سہولت بھی

Life style آپکا MOVEETA

مدائے سیلز اور ڈسٹری بیوشن پاکستان کے تمام شہروں کیلئے مالی طور پر مستحکم پارٹیاں فوری رابطہ کریں۔

MOVEETA INTERNATIONAL MADE UNDER LICENCE IN PAKISTAN BY, K.B. TRADERS
P.O.BOX 2223 KARACHI - 74600. PH. OFF: (021) 6609032, 6623757, FAX: (021) 6623513
E-mail: moveeta@cyber.net.pk E-mail: moveetatissuepaper@hotmail.com

اس ماہ میں

اس ماہ کے اقتباس

محبت

محبت کوشش یا محنت سے حاصل نہیں ہوتی یہ عطا ہے، یہ نصیب ہے بلکہ یہ بڑے ہی نصیب کی بات ہے۔ زمین کے سفر میں اگر کوئی چیز آسمانی ہے تو وہ محبت ہی ہے، محبت کی تعریف مشکل ہے اس پر کتابیں لکھی گئیں، مرثیے لکھے، افسانے رقم ہوئے، شعراء نے محبت کے قصیدے لکھے، محبت کی کیفیات کا ذکر ہوا، وضاحتیں ہوئیں لیکن محبت کی جامع تعریف نہیں ہوسکی، واقعہ کچھ اور ہے اور روایت کچھ اور، صرف اتنی سی بات ہے کہ ایک چہرہ جب انسان کی نظر میں آتا ہے تو اس کا انداز بدل جاتا ہے، کائنات بدلی بدلی سی لگتی ہے بلکہ ظاہر و باطن کا جہاں بدل جاتا ہے۔

(اقتباس: دل دریا سمندر)

افشاں علی..... کراچی

دوست

میرے دوست! میں وہ نہیں ہوں جو میں دکھائی دیتا ہوں، میرا ظاہر تو صرف ایک لباس ہے، ہاں فکر و الم سے بنا ہوا ایک لباس جو مجھے تیرے سوالوں سے محفوظ رکھتا ہے اور تجھے میری بے اعتنائی کا گلہ مند نہیں ہونے دیتا۔ میرا من خاموشی کے پردوں میں مستور ہے اور ہمیشہ وہیں مستور رہے گا، کوئی اسے دیکھ نہ سکے گا کوئی اس تک نہ پہنچ سکے گا۔

میرے دوست! میں نہیں یہ کہتا کہ میں جو کچھ کہوں تم اسے سچ مانو اور جو کچھ میں کروں اس کی تائید کرو، کیونکہ میری باتیں میری نہیں بلکہ تیرے ہی خیالات کی بازگشت ہیں اور میرے افعال تیری ہی امیدیں ہیں جو لباس مجاز میں ظاہر ہوتی ہیں۔

میرے دوست! جب تیرے لیے دن ہوتا ہے تو میرے لیے رات ہوتی ہے، پھر بھی اس وقت دوپہر کی ان سنہری کرنوں کی باتیں کرتا ہوں جو پہاڑ پر رقص کرتی ہیں اور اس ارغوانی سائے کی باتیں کرتا ہوں جو وادی پر آہستہ آہستہ چھا جاتا ہے کیونکہ تُو میری تاریکیوں کے گیت نہیں سن سکتا اور نہ ستاروں کے پاس میرے پروں کو پھڑ پھڑاتے ہوئے دیکھ سکتا ہے۔ اور میرا بھی یہی دل چاہتا ہے کہ تُو میرے گیتوں کو نہ سن سکے اور نہ میرے پروں کو پھڑ پھڑاتے ہوئے دیکھ سکے کیونکہ میں رات کی تنہائی میں اکیلا ہی رہنا پسند کرتا ہوں۔

میرے دوست! تجھے صداقت، حسن اور راست بازی سے محبت ہے اور میں بھی تیری خاطر یہی کہتا ہوں کہ ان چیزوں سے محبت کرنا بجا اور مستحق ہے لیکن میں دل میں تیری اس محبت پر ہنستا ہوں اس کے باوجود میں یہ نہیں چاہتا کہ تُو میری ہنسی کو دیکھے، کیونکہ میں ہنسنے کے لیے بھی علیحدگی پسند کرتا ہوں۔

میرے دوست! تُو نیک محتاط اور جہاندیدہ ہے میں جانتا ہوں کہ تُو ہر بات میں یگانہ ہے میرے دوست! اس لیے میں بھی سوچ سمجھ کر باتیں کرتا ہوں اس کے باوجود میں ایک دیوانہ اور اپنی دیوانگی کو چھپائے رکھتا ہوں کیونکہ میں اپنی دیوانگی سے علیحدہ رہنا پسند نہیں کرتا۔

(خلیل جبران کی محبت کے افسانے سے اقتباس)

عانیہ نیازی..... ربوہ

اس ماہ کا فلسفہ

زندگی

سقراط سے سوال کیا گیا ''موت سے بھی سخت تر کوئی چیز ہے؟'' اس نے جواب دیا ''زندگی''۔ کیونکہ ہر قسم کے رنج اور مصیبتیں زندگی ہی میں سہنی پڑتی ہیں جبکہ موت اس سے رہائی دلاتی ہے''۔

افشاں علی..... کراچی

اس ماہ کچھ خاص

☆ ہر آنکھ دیکھتی ضرور ہے مگر محسوس کرنے والی آنکھ بہت کم ہوتی ہے۔

☆ محبت جب وفا میں ڈھلتی ہے تو امر ہو جاتی ہے۔

☆ پاؤں گیلا کیے بغیر سمندر تو پار کیا جاسکتا ہے لیکن آنسو بہائے بغیر زندگی نہیں گزاری جاسکتی۔

☆ بری صحبت سے تنہائی بہتر ہے۔

☆ پست ارادوں کو دل میں جگہ مت بنانے دو، یہ کامیابی میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

☆ سچا دوست دو جسموں میں ایک روح کی طرح ہوتا ہے۔

صبا سحر..... ہارون آباد

اس ماہ کی نظم

امجد اسلام امجد

یہ کیسی رُت ہے
کہ آنکھوں میں تو پھول کھلتے ہیں مگر آنکھوں میں
پچھلے موسم کے خشک پتے بکھر رہے ہیں
گلاب چاروں طرف کھلے ہیں
مگر دریچوں میں جانے والوں کی راہ تکتے
اداس چہرے
خزاں کی دہلیز پر کھڑے ہیں
بچھڑنے والوں کی یاد کانوں میں لڑکھڑاتی ہوئی
صداؤں کے جال بنتی ہے آس چنتی ہے
یہ کیسی رُت ہے
بہار آکر کھلے کواڑوں کو کھٹکھٹاتی ہے
بے دلی کی ہوا دریچوں میں سرسراتی ہے
اور پیلے گلاب آنگن میں کھل رہے ہیں
یہ کیسی رُت ہے
کہ پانیوں میں تمام منظر گھرے ہوئے ہیں
مگر نگاہوں میں پیاس لکھی ہے
وطن کی مٹی سے دور بیٹھے
جو گھر ستائے تو یاد رکھنا

نوشین مدثر..... لاہور

اس ماہ کے اقوال

☆ محنت اور ہنرمندی کے آگے کچھ بھی ناممکن نہیں۔

☆ عادت کی اگر مزاحمت نہ کی جائے تو یہ جلد ہی ضرورت بن جاتی ہے۔

☆ اپنے آپ پر قابو حاصل کرلینا سب سے بڑی جیت ہے۔

☆ عظیم خیالات پر جب عمل کیا جاتا ہے تو وہ عظیم کارنامے بن جاتے ہیں۔

☆ تمہارے واسطے خیر یہی ہے کہ شر سے باز رہو۔

☆ زبان کی حفاظت کرو کیونکہ یہ ایک بہترین خصلت ہے۔

☆ آنسوؤں کو بہہ جانے دو، یہ غموں کو مایوسیوں میں تبدیل ہونے سے روکتے ہیں۔

دھنک ناز..... کراچی

اس ماہ کی قربانی

زندگی کی راہوں میں
قربانی کی بانہوں میں
کچھ پل چھپے ہیں خوشیوں کے
ہماری دعاؤں میں
وقت آتا ہے اچھا یہ عین ممکن ہے
گزار کر دیکھو وقت بھی
بندگی کی چھاؤں میں

سعدیہ عابد..... کراچی

اس ماہ آنکھوں آنکھوں میں!

شرمیلی آنکھیں: مرد کی شرمیلی آنکھیں معصوم عورتوں کو اپنی آنکھوں میں بسانے کی مشتاق رہتی ہیں۔ یہ شرمیلی آنکھیں بار بار، بہانے بہانے سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرور لیتی ہیں۔ پھر شرم سے جھک کر دوبارہ دیکھتے ہی بہت پیاری لگتی ہیں۔ شرمیلی آنکھوں میں شرم وحیا بالکل ختم ہوجاتی ہے اور ایسے لگتا ہے کہ جیسے اندھے کو آنکھیں مل گئی ہوں۔

نشیلی آنکھیں: ایسی آنکھیں خوبصورت لڑکیوں کو دیکھتے ہی ہلکی ہلکی سرخ ہونے لگتی ہیں۔ ان آنکھوں میں لڑکیوں کا عکس چاند کی مانند نمایاں نظر آتا ہے۔ یہ آنکھیں دور ہی سے خواتین کے درشن کرنے میں ماہر ہوتی ہیں مگر نشیلی آنکھیں چھیڑ خانی سے احتراز کرتی ہیں۔ ان آنکھوں میں خواتین کو بسانے کے آداب ہوتے ہیں۔ اگر وہ بسنا چاہیں تو؟

شکاری آنکھیں: یہ آنکھیں پچیس سے پینتیس سال کی عمر کے مردوں میں زیادہ ہوتی ہیں۔ یہ ہر وقت ساحل سمندر پر ٹہلتی ہوئی لڑکیوں، شاپنگ سینٹرز اور مختلف کالجز اور اسکولوں کی لڑکیوں کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہیں۔ ان آنکھوں کی یہ خوبی ہے کہ یہ عقاب کی طرح تیز ہوتی ہیں۔ اپنے شکار کو دیکھتے ہی ان کے دل کی باتیں پڑھ لیتی ہیں۔ یہ آنکھیں کم عمر لڑکیوں کو تاڑنے میں ماہر ہوتی ہیں اور ان کو اپنی آنکھوں میں ایسے بسا لیتی ہیں، جیسے کرایہ دار کرائے کے مکان پر قبضہ کر لیتے ہیں۔

ترچھی آنکھیں: ان آنکھوں کا استعمال مختلف محفلوں میں ہوتا ہے۔ ان آنکھوں میں صبر ہوتا ہے لیکن بے صبری کا مظاہرہ بھی کر سکتی ہیں۔ ترچھی نگاہوں میں ہر کیٹگری کی خواتین بس جاتی ہیں۔ اکثر محفلوں میں مرد، خواتین پر ڈورے ڈالتے ہوئے ترچھی نگاہوں کا استعمال کرتے ہیں ترچھی نگاہوں میں خواتین ایسے بستی ہیں جیسے آنکھوں میں سرمئے سے بھرے آنسو۔

رسیلی آنکھیں: یہ آنکھیں بہت نرم مزاج ہوتی ہیں۔ خواتین کو ایسی حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی ہیں، جیسے چھوٹا بچہ آئسکریم کھاتے ہوئے۔ ذرا ذرا سی بات پر نم ہوجاتی ہیں اور رس ٹپکاتی رہتی ہیں۔ یہ آنکھیں چلتی ہوئی لڑکیوں کا پاؤں سے سر تک جائزہ لینے میں ماہر ہوتی ہیں۔

مخمور آنکھیں: مرد کی آنکھیں اس وقت مخمور ہوتی ہیں، جب خواتین بازار نہ آئیں۔ اس وقت یہ آنکھیں تھکی تھکی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ لڑکا نما لڑکیوں کی دید میں بے دید رہتی ہیں۔ مخمور آنکھوں میں کسی کے بسنے کی گنجائش نہیں ہوتی، ان آنکھوں میں اکثر نیند بھری ہوتی ہے اور نادانی بھی۔ جیسے برسوں سے کسی خوبصورت لڑکی کی یاد میں سوئی نہ ہوں۔

قراری آنکھیں: یہ وہ مردار آنکھیں ہیں، جو صنف نازک کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر قرار کر لیتی ہیں، مگر نیلی نیلی اور براؤن آنکھوں سے بے قرار ہوجاتی ہیں۔ یہ آنکھیں نسوانی آنکھوں کی چھان بین بہت مہارت سے کرتی ہیں۔ لڑکیوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہی ان کی ہر بات سمجھ جاتی ہیں۔ قراری آنکھوں میں عجب سی چاہت چھلکتی ہے۔

شرارتی آنکھیں: شرارتی آنکھیں مرد اور عورت دونوں کی ہوتی ہیں۔ ان میں گستاخی بھری ہوتی ہے۔ ان آنکھوں کو شرارت کے سوا کچھ نہیں سوجھتا۔ مختلف اشاروں سے بھی باز نہیں آتی ہیں۔ بلاوجہ جھپکنا۔ ایک آنکھ کا کھلنا اور بند ہونا، آنکھ مارنا خواتین کو دیکھ کر ہی ہوتا ہے۔

شرارتی آنکھیں: کبھی عینک تو کبھی لینس لگانے میں بھی احتیاط نہیں کرتی ہیں۔ شرارتی آنکھیں لڑکیوں پر اندھا اعتماد کر کے گانا گاتی ہیں۔ آنکھوں میں بسے ہو تم، تمہیں دل میں بسالوں گا۔ شرارتی آنکھیں شرارتوں سے بہت جلد کمزور ہوجاتی ہیں۔

ایس امتیاز احمد کراچی

☆.....☆.....☆

خوشبو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ! ایک آدمی ایک قوم سے محبت کرتا ہے لیکن ان جیسے عمل نہیں کر سکتا، (کیا یہ بھی ان کے ساتھ ہوگا؟)''

حضور اکرمؐ نے فرمایا ''اے ابوذر! تم اسی کے ساتھ ہوگے جس سے تم محبت کروگے''۔ میں نے کہا ''مجھے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے''۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا: ''تم جس سے محبت کروگے اسی کے ساتھ ہوگے''۔ میں نے اپنا جملہ دہرایا تو حضور اکرمؐ نے پھر یہی ارشاد فرمایا۔ (صحیح)

سیدہ نورین.....کراچی

پریشانی

انسان پریشان اس وقت ہوتا ہے جب اس کے دل میں کسی بڑے مقصد کے حصول کی خواہش ہو لیکن اس کے مطابق صلاحیت نہ ہو، پرسکون رہنے کے لیے ضروری ہے کہ یا تو خواہش کم کی جائے یا صلاحیت بڑھا دی جائے۔

فرحت.....خانیوال

نیت کا ثواب

بنی اسرائیل کے بزرگ نے ریت کے ڈھیر کو دیکھ کر خواہش کی، کاش! یہ ڈھیر آٹے کا ہوتا اور میں اس کو غریبوں میں تقسیم کرتا۔ اس وقت نبی پر وحی آئی۔ اس شخص سے کہہ دو کہ اس کے نامہ اعمال میں اس ڈھیر کے برابر آٹا خیرات کرنے کا ثواب لکھ دیا گیا ہے۔

سائرہ کنول.....لیاقت پور

لفظوں کی روشنی

☆ کسی کام کا آغاز اس کی نصف کامیابی ہے بغیر مقصد کے زندگی کبھی پائیدار نہیں گزرتی، سو آغاز بہتر اور مقصد بہترین ہونا چاہیے۔

☆ جس چیز کو دیکھنے سے نظر خراب ہو اسے نہ دیکھنا بہتر ہے۔

☆ آدمی جب تک ٹوٹتا نہیں اسے پتہ نہیں چلتا کہ وہ کتنا مضبوط ہے۔

☆ کردار کی مضبوطی میں دو چیزیں شامل ہیں ایک قوتِ ارادی اور دوسری ضبط نفس۔

☆ محبت میں محبت جائز ہے دھوکا جائز نہیں۔

☆ جب تمہارا غم یا خوشی حد سے بڑھ جائے تو دنیا تمہاری نظروں میں حقیر ہوجائے گی۔

امبرین حیدر.....اسلام آباد

سیاستدان

تمہارا حافظہ ہر بات میں مضبوط ہے لیکن
جو لوگوں سے کیے وعدے ہمیشہ بھول جاتے ہو
سیاست دان ہو لیکن بہت کمزور لیڈر ہو
کوئی مسکا لگاتا ہے تو فوراً پھول جاتے ہو

نوشین مدثر.....لاہور

خوشبو بھری باتیں

☆ رشتے ضرورتوں سے تو کہیں پہچانے جاتے یہ نہ ضرورتوں سے بنتے ہیں اور نہ ضرورتوں کی تکمیل سے جڑے رہتے ہیں محبت اور خدمت نہ ہو تو ایسی کوئی ایلفی ایجاد نہیں ہوئی جو کسی رشتے کو جوڑ سکے۔

☆ زندگی اس جزیرے کی طرح ہوتی ہے جہاں پر خوابوں اور عذابوں کے بہت درخت ہوتے ہیں

دھوپ لگے تو سایہ نہیں دیتے اور بھوک لگے تو پھل دور ہوتا ہے۔

☆ دنیا کوئی ایسی بری جگہ نہیں ابھی پھول کھلنے بند نہیں ہوئے صبح پورے دل سے ہوتی ہے اور روز سورج پورے یقین سے نکلتا ہے خزاں آتی ہے اور رکے بنا چلی جاتی ہے کہ بہار کو آنا اور ٹھہرنا ہوتا ہے۔

☆ اپنی خواہش ختم کرو ورنہ تمہارا دل اس میں ڈوب جائے گا۔

☆ دوست کی نسبت دشمن کو معاف کرنا زیادہ آسان ہے۔

فائزہ صدیقی.....کراچی

چھوٹی سی بات

کامیاب لوگ اپنے ہونٹوں پر دو چیزیں رکھتے ہیں خاموشی اور مسکراہٹ، مسکراہٹ مسئلے کو حل کرنے کے لیے اور خاموشی مسئلے سے دور رہنے کے لیے۔

دھنک ناز.....کراچی

شکوہ

قبرستان میں ایک قبر پر ایک شخص زار و قطار رو رہا تھا اور وہ روتے ہوئے بلند آواز میں کہہ رہا تھا ''تمہاری موت نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا، میں تباہ و برباد ہو گیا، میری اولاد کا مستقبل تاریک ہو گیا اب گھر میں جاتا ہوں تو گھر کھانے کو دوڑتا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمہاری موت نے میرے نصیب کو جلا کر رکھ دیا ہے تم ہی بتاؤ میں کیا کروں اور کہاں جاؤں؟

یہ دردناک شکوہ سن کر وہاں پر موجود ایک نرم دل اور ہمدرد شخص نے اس کی دلجوئی کرتے ہوئے کہا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبر تمہاری چہیتی اور وفادار بیوی کی ہے جس کی جدائی اور اچانک موت سے تمہیں بہت صدمہ ہوا ہے''۔

اس پر نوحہ کناں بولا: ''نہیں یہ میری بیوی کی قبر نہیں بلکہ اس کے مرحوم شوہر کی ہے میں اس لیے روتا ہوں کہ نہ یہ مرتا نہ وہ میرے پلے پڑتی''۔

رابعہ منیر.....سرگودھا

دیانت کا معیار

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ اپنے غلام کے ساتھ مدینہ منور میں رات کو گشت کر رہے تھے، ایک مکان سے کچھ آوازیں آ رہی تھیں۔ ایک عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی تھی۔

''دودھ میں تھوڑا سا پانی ملا دو''۔ لڑکی نے کہا۔

''امیر المومنین نے کہا ہے کہ دودھ میں پانی ملا کر فروخت نہ کرو۔

عورت نے کہا ''بیٹی! ابھی یہاں کوئی نہیں ہے''۔ لڑکی بولی ''اماں جان! یہ بات دیانت کے خلاف ہے کہ روبرو تو اطاعت کی جائے اور غائبانہ خیانت''۔ یہ گفتگو سن کر حضرت عمر فاروقؓ بہت متاثر ہوئے۔ لڑکی کی دیانت اور اس کی حق گوئی پر خوش ہو کر بعد میں اپنے بیٹے عاصم کی اس سے شادی کر دی۔

ریما نور رضوان.....کراچی

حیرت انگیز بچہ

اسکول میں یوم والدین کی ایک تقریب کے دوران ٹیچر نے ایک خاتون کو بتایا: ''میم! تمام ٹیچرز آپ کے بچے کو حیرت انگیز بچہ کہتے ہیں''۔ خاتون پھولے نہ سمائیں، مگر انکساری سے کہنے لگیں ''آخر ایسی کیا خوبی ہے میرے بچے میں؟''

''دراصل اسے دیکھ کر ہم سب حیرت سے سوچتے ہیں کہ کیا زندگی میں یہ کبھی کچھ سیکھ سکے گا؟'' ٹیچر نے جواب دیا۔

سیدہ امبر ہاشمی.....کراچی

کیڑے

جھوٹ، غیبت اور ناشکری ایسے کیڑے ہیں جو رزق کی کشادگی اور گھر کی خوشحالی کو آہستہ آہستہ کھا جاتے ہیں۔

حضرت علی فرماتے ہیں: ''جسے چار چیزیں مل گئیں وہ چار چیزوں سے محروم نہیں رہتا۔

☆ دعا کے بعد حاجت روائی سے۔

☆ توبہ کے بعد قبولیت سے۔

☆ استغفار کے بعد مغفرت سے۔

☆ شکر کے بعد زیادتی نعمت سے۔

افشاں علی.....کراچی

بڑے لوگوں کی بڑی باتیں

☆ زندگی ایک پتھر ہے جس کو تراشنا انسان کا کام ہے۔

☆ اگر ہم خوابوں کی دنیا میں رہیں تو ہمیں ان کے حسن کا کچھ حصہ ملتا ہے، اگر ہم حقیقت کی دنیا میں رہیں تو ہمیں ان تلخیوں کا کچھ حصہ ملتا ہے، کاش کوئی ایسی دنیا ہوتی جہاں خواب محض خواب نہ ہوتے اور حقیقت اس قدر ''تلخ'' نہ ہوتی۔ (برنارڈ شاہ)

☆ غصہ ہمیشہ حماقتوں سے شروع ہوتا ہے اور ندامت پر ختم۔ (ارسطو)

☆ محبت کیا ہے، دو جسم ایک روح۔ دو دل ایک تمنا اور دو دماغ ایک تصور۔ (کارن)

☆ تمہاری عقلیں اور تمہارے جذبات، تمہاری سمندر پر تیرنے والی روحوں کے ''پتوار اور بادبان'' ہیں اور اگر پتوار ٹوٹ جائے یا بادبان پھٹ جائے تو موجیں تمہارے جہاز کو جھنجھوڑیں گی اور جدھر چاہیں گی بہالے جائیں گی۔ (خلیل جبران)

☆ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ وقت گزر جاتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وقت نہیں ہم گزر جاتے ہیں۔

فرزانہ شوکت.....کراچی

آج کی خالائیں...!

بڑا خوش قسمت ہوتا ہے وہ بندہ جس کی کوئی خالہ نہیں ہوتی۔ سیانے کہتے ہیں کہ خالہ ایک ہے تو بہت ہے دو تو بہت زیادہ ہیں۔ تین تو ہو بھی نہیں سکتیں۔ خیر پاکستان میں نوے فیصد لوگ ایسے ہیں جن کی خالائیں ہوتی ہیں۔ ان کی قسمیں درج ذیل ہیں۔

باتونی خالہ: یہ خالہ باتوں کی ماہر ہوتی ہیں، جب بھی آتی ہیں اتنی باتیں کرتی ہیں، اتنی باتیں کرتی ہیں کہ اللہ امان دے اور اتنا یاد رہے کہ ان باتوں میں صرف دس فیصد ہی باتیں ہوتی ہیں باقی مرچ مصالحے سمجھ گئے ناں، یہ قسم بہت زیادہ تعداد میں پائی جاتی ہے۔ ایسی خالاؤں سے بچ کر رہیں کیونکہ یہ آپ کے حق میں بہتر ہے۔

لڑاکا خالہ: لڑاکا خالہ کو جھگڑالو خالہ بھی کہتے ہیں۔ خالائیں رکھنے والے اس سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ یہ خالہ جھوٹ بولنے، الزام لگانے اور دوسری خالاؤں کے درمیان پھوٹ ڈلوانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

پیٹو خالہ: یہ خالہ جب بھی آتی ہیں سب کچھ چٹ کر جاتی ہیں، میرا مطلب ہے کہ کھانے کی چیزیں، ان کے سامنے جو کچھ بھی رکھیں، وہ ان کو فوراً چٹ کر جاتی ہیں اور جب اپنے گھر جاتی ہیں تو فرماتی ہیں ''ہائے افسوس میری بہن نے تو مجھ سے پانی تک کا نہیں پوچھا''۔

فیشن ایبل خالہ: یہ خالہ جب بھی آتی ہیں بڑی رنگین رنگین سی محسوس ہوتی ہیں۔ ان کے آنے سے ماحول میں ایک خوشگوار تبدیلی آ جاتی ہے۔ انھیں خالہ یا ''ماسی'' بالکل نہیں کہنا چاہیے البتہ انھیں ''کیوٹ آنٹی'' کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ایسی خالاؤں کے شوہر قلاش ہوتے ہیں کیونکہ ان کی آدھی تنخواہ ان کے فیشن پر خرچ ہو جاتی ہے۔

سگھڑ خالہ: یہ خالہ پرانے زمانے میں بہ کثرت ملتی تھی لیکن اب یہ نایاب ہو گئی ہے کیونکہ ان کی جگہ ''پھوہڑ ہڑتال'' نے لے لی ہے۔ یہ خالہ اپنے گھر کو اس قدر صاف رکھتی ہے کہ جب لوگ ان کے گھر کے سامنے سے گزرتے ہیں تو وہ ان کے گھر کو ہیرا سمجھتے ہیں۔ یہ خالہ مختلف کھانے پکانے میں ماہر ہوتی ہیں اور دوسروں کے کھانوں میں نقص نکالنا ان کا بہترین مشغلہ ہے۔

ایس۔ امتیاز.....احمد کراچی

☆.....☆.....☆

ذرا پھر سے کہنا

مزہ کچھ اور ہے

بارش میں بھیگنے کا مزہ کچھ اور ہے
ہوا کے سنگ رہنے کا مزہ کچھ اور ہے
ساون میں قلم میں روانی سی آجاتی ہے
ساون میں شعر کہنے کا مزہ کچھ اور ہے
دل عادی ہے ان کے طنز کے تیروں کا
زخم زخم سہنے کا مزہ ہی کچھ اور ہے
ہم زہر کو بھی امرت سمجھ کر پی لیتے ہیں
کہ باتوں کے زہر پینے کا مزہ کچھ اور ہے
ہم نے یوں ہی تو زندگی اپنی رائیگاں نہیں کرنی
خلوص کی زندگی جینے کا مزہ کچھ اور ہے
عروس کا دل بھی تڑپ اٹھا ہے ساون میں
لیکن فگار دل کو سہنے کا مزہ ہی کچھ اور ہے

فرزانہ شوکت

التجا

میرے گلشن میں یوں اترو
کہ ہر سو پھول سے مہکیں
میرے آنگن میں یوں اترو
کہ ہر سو چاندنی بکھرے
میرے دل میں یوں اترو
کہ ہر پل دھڑکنیں مچلیں
میرے خوابوں میں یوں اترو
کہ ہر سو خواہشیں نکھریں
میرا سب کچھ تمہارا ہے
یہ سب لے لو یہ سب لے لو مگر جاناں
یقین کا ایک ہی لمحہ میں تم سے مانگتی ہوں بس
وہ لمحہ یوں مجھے بخشو
کہ ہر سو شوخیاں بکھریں
کہ ہر سو شوخیاں بکھریں

زاہدہ زاہی

غزل

دکھ محبت کے سہہ گئے آخر
ہم اکیلے ہی رہ گئے آخر
تم محبت سے آشنا ہی نہیں
جاتے جاتے وہ کہہ گئے آخر
دن گزاروں میں کس سہارے پر
مجھ سے یادیں بھی لے گئے آخر
دل مچلتا تھا دیکھ جن کو
چین دل کا وہ لے گئے آخر
چاند دیکھا جب بھی شام ڈھلے
اشک آنکھوں سے بہہ گئے آخر
جس سے رکھی تھی پیار کی امید
غم کی دولت وہ دے گئے آخر

حکیم خان حکیم

غزل

خواب پلکوں کے کناروں سے ٹکراتے رہے شب بھر
یاد میں اس کی ہم کروٹیں بدلتے رہے شب بھر
رات بھیگتی رہی نم آنکھوں کی طرح
ہم آنسوؤں سے وضو کرتے رہے شب بھر
چاند بھیگتا رہا اماوس کی رات میں
ہم ان کے ہجر میں غزل کہتے رہے شب بھر
تہہ درِ دل میں ایک طوفان سا تھا شاید
ہم جام سے جام ٹکراتے رہے شب بھر
یوں چھیڑ لگانے میں لمحہ لگا اس کو

اور ہم گال سہلاتے رہے شب بھر
ہاں رہی ہوگی کوئی مجبوری اس کی
اتنا کہہ کے دل کو بہلاتے رہے شب بھر
آج پھر عامر دل نے یاد کیا اس کو
آج پھر پیتے رہے شب بھر

عامر عزیز

نظم

پریتم
مجھ سے ملتے
اور باتیں کرتے سمے
اپنی آنکھیں
موند لیا کرو

یہ
اتنا شور کرتی ہیں
کہ مجھے کچھ سنائی نہیں دیتا

افشاں علی

بس یہی ہو زندگی اصل

آج پھر احساسِ تنہائی غالب ہے
روحِ دل میں
آج اِک حسین لمحے میں
زندگی کے پل قید کرنے کی خواہش ہے
خانۂ دل میں
آج اِک نئی زندگی میں
کچھ عجب ہلچل بھرے لمحوں کی
خواہش بیدار ہے
دردِ دل میں
آج کچھ شوخیوں بھرے رنگوں میں
دل دھڑکا ہے
اور کہنا چاہتا ہے
چاہے کچھ بھی ہو
بس یہی ہو زندگی اصل
آج پھر احساسِ خوشی اجاگر ہے
روحِ دل میں
آج اِک حسین لمحے میں
زندگی کے سفر میں
کچھ شور سا برپا ہے
خانۂ دل میں
آج اِک نئی زندگی میں
کچھ اندیشوں بھرے لمحوں میں
اِک پتھر سا گرا ہے
دردِ دل میں
آج پھر خوابِ زندگی میں
اسے کھونے کے ڈر سے
دل دھڑکا ہے
اور کہنا چاہتا ہے
چاہے کچھ بھی ہو
بس یہی ہو زندگی اصل
زندگی فقط یوں بھی چند برسوں کی مہماں
اس میں کچھ خوشیوں بھرے دن
کچھ مٹھی میں قید حسین لمحے
جیسے کبھی نہ چھوٹے ہاتھوں سے
محبت بھرے رشتے
بس یوں ہی بیت جائے برسوں
لیکن اس زندگی مختصر میں
نہ قید یہ حسین لمحے
نہ خوشیوں بھرے دن
کاش! مل جائے اس کے سائے میں
زندگی مختصر سی مجھے
کچھ خوابوں کی تعبیر
کچھ خوشیوں بھرے دن
محبت بھرے حسین لمحے
بس یہی ہو حاصل زندگی
بس یہی ہو خوابوں کی نگری
بس یہی ہو زندگی اصل...

مدیحہ اعجاز حسین

در آ گئی

زندگی کیا ہے، تجھ سے مل کر جانا
وقت کیسے گزرتا ہے
تیرے تصور میں کھو کر جانا
میری اہمیت کیا ہے
تیری نظروں کا مفہوم پڑھ کر جانا
خواب کیسے ٹوٹتے ہیں
تیرے لہجے کی تلخی سے جانا
تُو میرے لیے کیا ہے
تجھ سے بچھڑ کر جانا
رت جگا کیا ہوتا ہے
اب تیری جدائی میں جانا
محبت کیا چیز ہے
اپنا آپ بھلا کر جانا

مریم مغل

نظم

اپنے پیار کو چاہتا رہوں
میری زندگی گزرے
بس اس طرح
وہ رہتے ہیں
میرے وجود میں
میری روح کی طرح
چلتی ہیں سانسیں
دھڑکتا ہے دل
ان کے ہونے سے
بس اب میں جینا چاہتا ہوں
زندگی اس کے سنگ اس طرح....!

محمد رضوان

غزل

گزر گئی شب غم یار بھی دل دکھانے آئے
ہجر کی راتوں میں کوئی شمع جلانے آئے
جو کہتے تھے ہم تیرے ہیں آخر ہوئے بیگانے
دل خوش فہم کو امید وفا دلانے آئے
جو خفا ہے ہم سے گزرے موسموں کی طرح
کوئی تو میرے صحن گلشن میں پھول کھلانے آئے
خاموش ہے ساری فضا تیرے جانے سے
یار بھی پرانے قرض وفا کا چکانے آئے
ٹھوکر ایسی کھائی ہم نے تیرے عشق میں جاوید
داغ جدائیوں کے پھر سے کوئی مٹانے آئے

محمد اسلم جاوید

غزل

شب ہجر میں ہم سخن ہاتھ آیا
قیامت تھی جب دل شکن ہاتھ آیا
بہار اب خزاں سی مجھے لگ رہی ہے
بہاروں میں اجڑا چمن ہاتھ آیا
شب وصل میں خامشی دور رکھتے
وصالِ صنم، بے دہن ہاتھ آیا
سمندر تو اشکوں کا مجھ کو ڈبوتا
کہ تیرا شکستہ وچن ہاتھ آیا
ارادہ تھا ترکِ محبت کا لیکن
اچانک وہ نازک بدن ہاتھ آیا
دراز عمر گزری مگر آج فائق
نگینہ وفا کا، رتن ہاتھ آیا

عمران فائق

غزل

بات ہو ایسی کہ جس کا کوئی نہ ثانی ملے
سب کے لب ہنستے ہوں لیکن آنکھ میں پانی ملے
پھر مجھے تجدید الفت کا ہوا ہے شوق کیوں
ہو گئی خواہش کہ پھر سے دشمن جانی ملے
ڈھانپ لیں خود میں کبھی تو سرمئی بادل مجھے
یہ زمیں بھی اوڑھ کر چُنری مجھے دھانی ملے
تا قیامت کون جی سکتا ہے اس دنیا کے بیچ
گر دوبارہ مل بھی جائے زندگی فانی ملے

چلتے چلتے تھک گیا صحراؤں کی گرداب میں
اب وہاں پر لے چلو مجھ کو جہاں پانی ملے
ہر شجر نکھرے یہاں برسات کی بوندوں سے اور
ہر کلی بھی بنجنی چادر مجھے تانی ملے
شب کو ایک صورت بنا کر سوچتا ہوں صبح دم
کوئی تو ساجد کو اس تصویر کا بانی ملے

سید ساجد

میرے جیون ساتھی

میری ہر سوچ میں تم....
ہاں، ہاں تم ہو
میری ہر سانس میں
تم....
ہاں، ہاں جان تم ہو
کیسے بتائیں جانِ جاں
کتنا یاد کرتے ہیں تم کو کہ تم
تم میری جان و روح و دل ہو
کیسے بتائیں تمہیں
کتنا یاد کرتے ہیں
کہ ہم خود کو بھول جاتے ہیں

ریما نور رضوان

بیٹیاں

آنگن کی چڑیاں ہوتی ہیں یہ بیٹیاں
کانچ کی گڑیاں ہوتی ہیں یہ بیٹیاں
گھر بھر میں چہچہاتی پھرتی ہیں یہ
بڑی کومل و نازک ہوتی ہیں یہ بیٹیاں
ہیں بھائیوں کا مان اور ماں باپ کی جان
چاہت کا عنوان ہوتی ہیں یہ بیٹیاں
بچپن سے ہیں بابل کے آنگن میں یہ چہچہاتی
کیوں ماں باپ سے بچھڑ جاتی ہیں یہ بیٹیاں
ان ہی کے دم سے ہے گھر بھر میں رونق و رحمت مکان
ماں باپ کا ارمان ہوتی ہیں یہ بیٹیاں

مصباح مسکان رؤف

نظم

ہم پھر ملیں گے
کسی البیلی رُت میں
جب گل کھلیں گے
کسی چاندنی رات میں
جب پھول رات کی رانی کے مہکیں گے
کسی ساحل کنارے
یا کسی کنج چمن میں
تنہائی میں
یا کسی انجمن میں
بچھڑنا ہمارا مقدر سہی لیکن
ہم پھر ملیں گے

روحان دانش

اداسیوں کا سفر

جب کبھی اداس بیٹھوں
گہرائی میں اتر جاتی ہوں
تیرے وجود کی سرد لہروں سے مچل جاتی ہوں
بنا کر خود کو تیرے وجود کا شاہکار
میں جھیلوں میں اتر جاتی ہوں
رفاقت محبت خلوص سے وفا کی چادر
پہنا کے خود کو تیرے وجود سے لپیٹ جاتی ہوں
محبت کی چاہت کے پر پھیلائے انتظار کو
میں اداسیوں میں بھی اک خواب سجاتی ہوں
جو ملو میرے گہرے رویوں کی جھل مل سے
بس اتنا ہی رکھنا خیال
میں خیالات میں اتر کر زندگی سے چھوٹ جاتی ہوں
چاہوں جو نکلنا اس کی قربت سے
میں ہر روز اک گہرے سمندر میں ڈوب جاتی ہوں
ملنا بھی ہے کیا میری ہستی کو سہارا
انہیں سوچوں کو لئے ویرانیوں کے آخر شہر پہنچ جاتی ہوں

زارا صدف قمر

☆.....☆.....☆

سندیسے

افشاں علی.....کراچی

پیاری اور ہماری اپنی صالحہ اپیا! سویٹ سی نورین آپی! اور کیوٹ سے قارئین وتمام رائٹرز کی سلامتی، عافیت اور خوشیوں کی دعاؤں کے ساتھ چاہتوں اور پرخلوص دعاؤں کے سنگ تلے محبتوں اور الفت کے شیرے میں ڈوبا افشاں علی کا سلام قبول ہو۔ وقت کا تند وتیز دھارا ہر شے کو بہائے لے جا رہا ہے ابھی کل ہی کی بات لگتی ہے جب April 2011 کے شمارے میں میری پہلی کاوش چھپی اور اب پھر ہاتھوں میں April 2014 کا شمارہ ہے۔ پلک جھپکتے ہی اتنا عرصہ بیت گیا وقت کو گویا پر لگ گئے۔ ردا سے جڑے محض کہنے کو تو 4 سال کا عرصہ ہوا ہے پر یوں لگتا ہے جیسے میرا اس سے برسوں کا ساتھ ہو۔ ردا کی بزم میں مجھے بھی شمولیت دینے اور یوں بھرپور تعاون کے لیے پیاری سی صالحہ اپیا کا بے حد شکریہ۔ آپ کی شبانہ روز محنت ہی کے باعث ردا آسمان ادب کا چمکتا روشن ستارہ بن چکا ہے۔

مارچ کے شمارے میں افسانے کی اشاعت اور پذیرائی کا بہت بہت شکریہ۔ دل کو لبھاتی مسکراہٹ اور زبردست سے اسٹائل کے ساتھ April کے سرورق پر آمنہ کریم کا یہ انداز دل کو بہت بھایا۔ گوشہ آگہی پڑھا آپی! میں آپ کی بات سے 100 فیصد متفق ہوں آپ نے جن باتوں اور اندیشوں کا اظہار کیا وہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ آپ نے خودکشی جیسے حرام اقدام کو منظر عام پر لانے کے لیے بصیرت افروز پیرائے میں اظہار خیال کیا ہے۔ آج کل جہاں ناکام محبت کا ذکر آتا ہے وہیں رائٹرز، ڈائریکٹرز، پروڈیوسرز سب اس لفظ کو خودکشی میں سمیٹ دیتے ہیں۔ خودکشی کرنے، محبت میں فنا ہو جانے اور جان کی بازی لگانے سے کوئی بھی عاشق ہیر رانجھا، شیریں فرہاد، سونی ماہیوال یا سسی پنہوں وغیرہ نہیں بن سکتا۔ آج کل میڈیا جو دکھا رہا ہے، رائٹرز جو لکھ رہے ہیں اس کا اثر دیکھنے والی آنکھ اور پڑھنے والے ذہن پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ جذباتی اور کچے ذہن کی لڑکیاں ولڑکے ان سب چیزوں، باتوں اور حالات کو بہت جلدی Observe کرتے ہیں اس لیے خدارا! ان کچے ذہنوں کو وقت سے پہلے پکانے کے بجائے صحیح وقت پر خود سے پکنے دیا جائے اس کے لیے اقدام خودکشی کو روکتے ہوئے ہمیں اسی قلم اور میڈیا کا ہی سہارا درکار ہوگا۔ ردائے جنت سے فیض یاب ہو کر جب صفحہ پلٹا تو صالحہ آپی! آپ کے ناول کی کمی بہت محسوس ہوئی۔ سلسلے وار ناول تو گویا سب ہی اچھے جا رہے ہیں۔ فہرست میں ایک بار پھر ''سباس گل'' کا نام دیکھ کر از حد خوشی ہوئی۔ ''اعتبار عشق'' کی طرح آپ کا یہ ناول بھی عمدہ اور بہترین شروعات لیے نظر آیا، تو دوسری جانب ''دلوں کا مل کر بچھڑنا'' اس کی بھی شروعات اچھی تھی۔ اب آتی ہوں افسانوں کی طرف ''تم سے مل کر جانا'' میں نے کہ ''محبت شریک سفر میری'' تھی، پیاری ''ماں'' پر ''میں پشیماں تیرا''۔ ''اندھی تقلید''

کی پیروی میں ہم کیوں بھول گئے کہ ''سانسوں کی مالا'' بہت مختصر ہے۔

اب تھوڑا تفصیلی تبصرہ حاضر ہے: اپریل میں شامل ناولٹ اچھا تھا ''کس دیس میں ہے میرا دل'' نام ڈرامائی پر اینڈنگ یکسر مختلف، ویری نائس سحر مبین! افسانوں میں اس بار ٹاپ آف لسٹ ''اندھی تقلید'' اور ''میں پشیماں تیرا'' سپر ہٹ رہے۔ جبکہ سدرہ اصغر علی نے کوشش اچھی کی۔ رضوانہ جی! آپ نے ایسے نام کہاں سے ڈھونڈے، شروع میں تو سمجھ ہی نہ آیا خزیمہ اور عروشمہ آپا لڑکیوں کے نام ہیں یا لڑکوں کے۔ خیر آپ نے بھی عمدہ لکھا۔ مستقل سلسلے سب ہی اپنی جگہ زبردست تھے۔ ہر بار کی طرح سندیسے پڑھ کر مزہ آیا۔ مجھے بھی ان سلسلوں میں جگہ دینے کا شکریہ۔ روحان دانش واؤ.....ایک بہت عمدہ سرپرائز ابن آس سے ملاقات اور ان کی باتیں پڑھ کر اچھا لگا۔ ردا کی دونوں شہزادیوں حافظہ مون شاہ اور رابعہ افضال خان سے بھی ملاقات اچھی لگی۔ جبکہ نقش فریادی میں محفوظ الحسن کی ''بیٹیاں'' نظم بہت پسند آئی۔ صبا سحر! مجھے آپ کی دوستی منظور ہے۔ آپ کی دوستی کی اس پیاری سی آفر کو تہہ دل سے افشاں علی نے قبول کیا۔ موسم گرما کے حوالے سے کچن اور سنگھار میں دی گئی Tips بہت پسند آئیں۔ امید برحق ہے ہر بار کی طرح پھر سندیسے میں جگہ عنایت ہوگی، بہت ساری دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ اجازت! آپ سب کی رائے کی منتظر۔

یاسمین آفریدی.....کراچی

السلام علیکم! اپیا جی! آپ کا ردا ڈائجسٹ میرا فیورٹ ڈائجسٹ ہے، اس لیے اس کی تعریف لکھنے کے لیے مجھے اپنا قلم اٹھانا پڑا۔ گوشہ آگہی سے لے کر سنگھار تک ہر تحریر حرف بہ حرف پڑھتی ہوں کافی معلومات نالج میں آتی ہیں، سلسلے وار کہانی، ناولٹ، یا افسانہ ہو سب ہی زبردست، مائنڈ بلوئنگ ہے۔ سعدیہ آپی! امجد اور مائدہ کے رول کو تو آپ نے بالکل گول کر دیا، پلیز پلیز ان کے بارے میں بھی اب لکھنا شروع کریں، مجھے زرمیل اور آفریدی بہت اچھے لگتے ہیں جبکہ زرمیل پر غصہ بھی آتا ہے اپنی پیار کرنے والی بیوی کو چھوڑ کر چلے گئے تھے، آپی! منصور اور ماہی کی کہانی بالکل میری لائف پر بنی ہے میری لائف بھی ٹھیک اسی طرح کی ہے، خیر پڑھنے کی حد تک تو منصور اور ماہی کا اچھا لگا ہے مگر حقیقت میں مجھے بہت تکلیف دے گیا، اور میری آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے، پلیز میرا خط ردا کی زینت بنائیے گا آپ تو مجھے مایوس مت کرنا، زندگی سے تو ویسے بھی مایوس ہو چکی ہوں، سب لکھنے والوں اور پڑھنے والوں کو میرا اسلام قبول ہو۔

مہک گل.....کراچی

السلام علیکم! پیاری سی صالحہ آپی! سب سے پہلے آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میرا خط ردا میں شامل کیا، میں بہت خوش ہوں اور اتنی خوشی ہوئی جب اپنا خط ردا میں دیکھا تو زور سے چیخ ماری جس کی وجہ سے پاس کھڑی اکلوتی بھانجی زونا نشہ نے بھی چیخ ماری، مگر خوشی کے مارے نہیں بلکہ ڈر کے مارے آپی! تو بہن سے کافی ڈانٹ سننی پڑی خیر وہ ڈانٹ تو میں نے خوشی سے قبول کی کیونکہ اس وقت اپنے خط کی خوشی حواسوں پر سوار تھی، آخر میں آپ کا پھر سے تھینکس۔

چلیں اب آتی ہوں گوشہ آگہی کی طرف، گوشہ آگہی میں آپ کی پیاری نصیحت بھری باتیں دل کو بھا جاتی ہیں، سلسلے وار میں سعدیہ آپی! یہ آپ نے بڑا ہی برا کیا فضیل کے ساتھ، اچھی خاصی لائف گزر رہی تھی مگر اچانک سے یہ سب کیا

ہوا؟ افسانوں میں سب کے افسانے پڑھ کر بڑا اچھا لگا۔ افشاں علی کا سندیسہ پڑھ کر بہت مزہ آیا، جہانہ آفتاب اور رضوانہ آفتاب! آپ کی کہانیاں بھی بہت زبردست ہوتی ہیں، قمروش شہک کی کہانی میں مجھے آفریدی کا کردار بہت پسند ہے مجھے پڑھتے ہوئے ایسا لگتا ہے جیسے یہ اپنا کرکٹر بوم بوم آفریدی ہو، میں تو اس کا ہی عکس لیے کہانی کو پڑھتی ہوں، باقی صالحہ آپی! آپ کی تو بات ہی کچھ اور ہے، بڑی رائٹر ہیں اس لیے آپ کے لیے میرے پاس تعریف کے الفاظ بھی نہیں، آپ کی ہر تحریر چاہے وہ گوشہ آگہی ہو یا ردائے جنت یا پھر کہانی سے منسلک ہو سب ہی بڑی لاجواب ہوتی ہیں۔ قمروش شہک کا ہیرو بھی پیارا اور ہیروئن بھی پیاری، اب پڑھنے میں مزہ اور بھی آئے گا، اسی طرح سے آفریدی اپنا بھرم باز غصے سے بھرپور کردار باخوبی نبھا تا رہے مجھے ایسے ہی کردار اچھے لگتے ہیں۔ آپی! میں بھی کہانی لکھ کر بھیج رہی ہوں اگر آپ کی اجازت ہے تو جواب پلیز ضرور دیجیے گا، کیونکہ میں بھی اپنی کہانی کو ردا میں سجتا سنورتا دیکھنا چاہتی ہوں، خط کافی لمبا ہو گیا ہے ایسا نہ ہو سر چھت سے ٹکرا جائے اب اجازت چاہتی ہوں، دوبارہ آنے کے لیے انشاء اللہ۔ سب پڑھنے والوں کو مہک گل کی طرف سے چاہت بھرا سلام قبول ہو۔

جواب: سویٹ مہک گل! آپ کی خوشی کا سن کر ہمیں بھی بے حد اچھا لگا، آگے بھی آپ ردا کی سندیسوں کی محفل میں شامل ہو سکتی ہیں، اور اپنی لکھی ہر تحریر ردا میں بھیج سکتی ہیں، اس یقین کے ساتھ کہ ردا آپ کا اپنا ردا ہے۔ اس ماہ آپ کا افسانہ شامل اشاعت ہے۔

سیدہ فرزانہ حبیب فرزین...کراچی

ڈیئر صالحہ آپی! السلام علیکم! آپ ہمیشہ اسی طرح ہنستی مسکراتی رہیں اور ردا کے آسمان پر آپ کا ستارہ ہمیشہ چمکتا دمکتا رہے، ردا ماشاء اللہ دن بہ دن نکھرتا جا رہا ہے اور اس کا سایہ ہم نوجوانوں کے لیے ٹھنڈی میٹھی چھاؤں کی طرح ہے ویسے تو ردا کے سارے سلسلے خوبصورت ہیں مگر گوشہ آگہی میں آپ کی نصیحت بھری میٹھی باتیں واقعی مجھ پر آگہی کے در وا کرتی ہیں اور زندگی گزارنے کی پرکھ اور ڈھنگ سیکھنے میں مدد ملتی ہے۔ نائلہ طارق کا ناول میرا سب سے فیورٹ سلسلے وار ناول ہے کیا کمال کے جملوں کی ادائیگی کرتی ہیں آپ! زبردست، اور میں اپنی نئی رائٹر ساتھی افشاں علی کی بھی تعریف کروں گی آپ کی تحاریر میں نے پڑھی ہیں، اس میں الفاظوں میں گرفت اور خوبصورت منظر نگاری....آپ بہت اچھی طرح نمایاں کرتی ہیں، آپ کے تعارف کو پڑھ کر آپ کی بہت سی باتیں اور سوچ کے انداز میں مجھے اپنی جھلک نظر آئی، آپ کی سوچ اور انداز تحریر بہت ہی مثبت اور معاشرے کی اصلاح کے لیے ایک اچھا اضافہ ہے اسی طرح لکھتی رہیں اور اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھیے گا، میں بھی آپ کے شہر کراچی کی رہنے والی ہوں اور آج سے آپ میری فکی دوست ہیں، امید ہے آپ میری پرخلوص دوستی کو قبول کریں گی آخر میں صالحہ آپی اور ردا کی تمام ٹیم کے لیے ایک دعا:

خدا تجھے عروج ایسا نصیب کرے
کہ
فلک تیرے نصیب پر رشک کرے
ہر موڑ پر فرشتے ہوں ساتھ تیرے
ہر غم سے حفاظت تیری خدا کرے (آمین)

جواب: سویٹ فرزانہ! آپ کی دو تحاریر مل گئی ہیں قریبی اشاعت میں شامل ہوں گی، آپ کی محبتوں اور پیار کا بہت شکریہ، خوش رہیے۔

عانیہ نیازی.....رہوہ

آداب مائی لولی اینڈ سویٹ آپی! اور دیگر ردا اسٹاف و قارئین و رائٹرز۔ کافی عرصے بعد سندیسے کی محفل میں شامل ہو رہی ہوں، مجھے یقین ہے آپ سب نے مجھے مس کیا ہوگا ہے ناں؟ ارے خوش فہمی اچھی چیز ہوتی ہے، ورنہ زندگی کے دکھ تو سانس نہ لینے دیں، چلیں جی اب بات ہو جائے اپریل کے ردا کی۔ ٹائٹل اچھا تھا آمنہ کریم کا پوز خوبصورت لگ رہا تھا، پھر ہم گوشہ آگہی کی جانب بڑھے جہاں آپی ہمیشہ کچھ نہ کچھ خاص لیے ہوتی ہیں، اور اس بار جس بات پر آپی! آپ نے لکھا وہ خودکشی تھی اور آپ نے یہ بھی لکھا تھا کہ آپ لوگ آپس میں ڈسکس کریں اور اس بات کو آگے بھی بڑھائیں، آپی! ہم سب کزنز نے بھی اس پر کافی آپس میں بحث کی۔ آپ کا کہنا بالکل بجا ہے کہ حالات سے بھاگنے کے بجائے حالات کا مقابلہ کرنا اصل بہادری ہے خودکشی کسی مسئلے کا حل نہیں، کسی کے مرنے سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا، زندگی چلتی رہتی ہے، بس وہ انسان زندگی سے چلا جاتا ہے، مگر آج کل کے حالات جو چل رہے ہیں انسان نے اس کو آسان حل سمجھ لیا ہے، خدا سب کو ہدایت دے اور اس عمل سے باز رکھے۔ اب بات کرتی ہوں ردا کے ناولز، افسانوں کی، تو سلسلے وار میں اس بار بھی قمروش آپی کی قسط سوپر تھی، اور مجھے ژالے اور زرمیل کے کردار اچھے لگتے ہیں خاص کر ژالے کا چڑنا اور غصہ کرنا اور وانیہ والا پورشن مجھے ابھی تک سمجھ نہیں آ رہا کہ آفریدی کیوں وانیہ کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ ''تجھ سے مانگوں میں تجھ کو'' بھی اچھا جا رہا ہے خوشنما نام مجھے بے حد اچھا لگا اور ہشم بھی۔ شازیہ آپی! ہشم نام کے معنی ضرور بتایئے گا۔ ''اعتبار تجھی آ ہی جائے گا'' سباس گل اپنے مخصوص انداز میں لکھ رہی ہیں رومانٹک پہلو کے ساتھ وہ ضرور کوئی معاشرتی برائی کو اپنے ناول میں اپنے قارئین سے شیئر کرتی ہیں تاکہ لوگوں کو آگاہی حاصل ہو۔ مکمل ناول اس بار ایک تھا مگر کافی زبردست تھا اور اینڈ تو ایسی جگہ ہوا کہ تجسس برقرار ہے کہ آگے کیا ہوتا ہے۔ ناولٹ میں ''کس دیس میں ہے میرا دل'' ٹھیک لگا۔ افسانوں میں سب ہی افسانے اچھے تھے اور مستقل سلسلوں کے تو کیا کہنے، ایک سے بڑھ کر ایک اور تعریف کے قابل، بہت سی دعاؤں کے ساتھ اجازت۔

عاصمہ رشید.....فیصل آباد

السلام علیکم آپی اور سب پڑھنے لکھنے والوں کو۔ میں شاید کبھی سندیسہ نہ لکھتی مگر اس بار کے گوشہ آگہی نے روح کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور میں قلم اٹھانے پر مجبور ہو گئی۔ آپی! آپ نے خودکشی پر لکھا آپ نے بالکل سچ لکھا کہ خودکشی کرنے والا نہ صرف اپنی جان سے جاتا ہے بلکہ خدا کے عذاب کا بھی مرتکب ہوتا ہے اس دکھ کو مجھ سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے کہ میری کزن نے بھی جذبات میں آ کر یہ قدم اٹھا لیا گھریلو ناچاقی پر۔ اور ہم سب کو دائمی جدائی کا دکھ دے کر نوجوانی میں ملک عدم کی راہی ہو گئی۔ بات آپی! صرف اتنی ہے کہ ہم انسانوں میں صبر اور برداشت ختم ہو گئی ہے، ہر کوئی بس فوری اور ہر مسئلے کا حل جلد سے جلد چاہتا ہے مگر ہم نے یہ غور کرنا چھوڑ دیا ہے کہ ہماری اسلامی تعلیمات ہمیں کیا سکھاتی ہیں؟ صبر و تحمل، برداشت مگر وہی آج لوگوں میں ختم ہو گیا ہے، میری تمام پڑھنے والوں سے ریکوئیسٹ ہے کہ پلیز زندگی خدا کی نعمت ہے، سو اسے ضائع نہ کریں نیک عمل کریں اور صبر و برداشت سے زندگی کی جو بھی مشکلات ہیں اسے فیس کریں، وہ خدا دے کر بھی آزماتا ہے اور لے کر بھی آزماتا ہے سو ہم کون ہوتے ہیں؟ خود فیصلے کرنے اور نتائج نکالنے والے؟ ہماری اوقات کیا ہے؟ ہم بے بس انسان ہیں اور خدا کے بتائے راستے پر چل کر ہی فلاح و کامیابی پا سکتے ہیں۔ میرا یقین ہے کہ جو انسان

دن میں پانچ بار اپنے رب کے حضور پیش ہوتا ہو وہ کبھی زندگی سے مایوس نہیں ہوسکتا کہ ایک در بند ہوتا ہے تو سو در کھلتے ہیں، آپی! میرا سندیسہ کافی طویل ہوگیا، مگر مجھے یہ سب آپ سے اور ردا کے قارئین سے شیئر کرنا تھا کہ یہ بہت ضروری تھا میری نظر میں، اب بات کرتی ہوں ردا کی تو ردا کے تمام ناولز، افسانے، ناولٹ اور مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح بیسٹ آف دی بیسٹ رہے اور ماشاءاللہ سے ردا دن بہ دن نکھرتا اور خوبصورت ہوتا جارہا ہے خدا ردا کو اور ترقی اور کامیابی عطا کرے (آمین)

عظمیٰ احمد.....ملتان

السلام علیکم! ڈیئر صالحہ آپی! اور پیاری پیاری قارئین ردا! پہلی بار خط لکھنے کی جسارت کر رہی ہوں، اس امید کے ساتھ کے خط ردی کی ٹوکری کی نذر کرنے کے بجائے آپ ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ہمیں ردا میں تھوڑی سی جگہ ضرور دیں گی تین چار سال سے ردا کی مستقل قاری ہوں، تمام قسط وار کہانیاں اپنی مثال آپ ہیں، قمر وش آپی کا ''تیرے پیار کی خوشبو'' میرا فیوریٹ ناول ہے، مگر کچھ چیزیں حقیقت سے دور لگیں، مقوم والا پورشن کہ کوئی لڑکی اتنی بھی معصوم نہیں ہوسکتی کہ دوست کی خاطر شادی کرلے۔ مکمل ناول میں ''دلوں کا مل کر بچھڑنا'' نام کافی امپریسیو لگا مجھے یقین ہے اختتام بھی خوبصورت ہوگا۔ ابھی ڈائجسٹ مکمل نہیں پڑھا، صرف سلسلے وار ہی پڑھے اور سندیسہ لکھنے بیٹھ گئی کہ کہیں لیٹ نہ ہوجاؤں، اس لیے مکمل تبصرہ بھی نہیں کرسکتی، باقی ردا کے تمام مستقل سلسلے بہت اچھے ہیں، دوستوں کے نام پیغام، ردا کی شہزادیاں مجھے زیادہ اچھے لگتے ہیں، میرے سندیسے کو ردا میں ضرور جگہ دیجیے گا آئندہ انشاءاللہ بھرپور تبصرے کے ساتھ شامل ہوں گی۔

جواب: سویٹ عظمیٰ! ہم آپ کو ردا کی محفل میں خوش آمدید کہتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ اگلی بار آپ بھرپور تبصرے کے ساتھ شامل ہوں گی۔

نور بانو.....کوئٹہ

سویٹ سی اپیا اور ردا کے پیارے سے قارئین کو نور بانو کا پیار بھرا اسلام اور بہت سی دعائیں۔ بہار کی آمد کے ساتھ ہی خوشگوار سی مسکراہٹ لیے دلکش سی آمنہ کریم ٹائٹل پر بہت اچھی لگ رہی تھیں، ماہ اپریل کا شمارہ اپنی تمام تر تحاریر کے ساتھ اچھا رہا، خاص کر اس بار افسانے کافی سبق آموز اور حقیقت کا آئینہ دکھاتے نظر آئے ویل ڈن رائٹرز! اور سلسلے وار ناولز کے تو کیا کہنے، ہر ناول کی قسط زبردست رہی، مجھے پرسنلی ''تیرے پیار کی خوشبو'' اور ''اعتبار بھی آ ہی جائے گا'' کی اقساط زیادہ اچھی لگیں، باقی سب نے بھی بھرپور لکھا۔ ''دلوں کا مل کر بچھڑنا'' خوبصورت انداز لیے ہوئے تھا آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟ ردا کے مستقل سلسلے مجھے سارے ہی اچھے لگتے ہیں، جہاں قارئین کا انتخاب شامل ہوتا ہے اور ان کے ذوق کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور ماشاءاللہ سے ردا میں شامل تمام قاری بہنیں بھی بہت باذوق ہیں سب کا انتخاب اور پسند لاجواب ہوتی ہے، ذرا پھر سے کہنا میں شعراء کا کلام بھی بے حد اچھا ہوتا ہے اور ردا کی شہزادیاں میں ملاقات بھی اپنی قاری و رائٹرز بہنوں سے ہوجاتی ہے، آپی! ماشاءاللہ سے ردا بہت اچھا ہوگیا ہے اور اس میں شامل نیو سلسلوں نے تو اس میں چار چاند لگادیے ہیں۔

صبا عبدالغنی.....کراچی

مئی کی جلتی دھوپ میں صالحہ آپی، نورین آپی، ردا اسٹاف، رائٹرز اور ریڈرز کو میرا فریش فریش، نکھرا نکھرا اسلام پرخلوص قبول ہو۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! سب سے پہلے تو میں بات کرتی ہوں گوشہ آگہی کی، تو صالحہ آپی! کیا کہوں آپ کے الفاظ اتنے خوبصورت اور بامعنی ہوتے ہیں کہ ساری تحریریں

ایک طرف اور گوشہ آگہی ایک طرف، تو زیادہ ہم گوشہ آگہی سے سیکھتے ہیں۔ پھر چلتے ہیں اس ناول کی طرف جو اب تک کے تمام ناولز میں سب سے اچھا لگ رہا ہے اور وہ ناول ہے قمروش آپی کا ''تیرے پیار کی خوشبو'' ریئلی سپرہٹ ناول ہے۔ قمروش آپی! میں آپ سے ناراض ہوں، اس لیے کہ اب تک آپ نے آفریدی کی اصلیت نہیں بتائی اور سومی.... اس کا کیا ہوا؟ اور وہ مقسوم.... ہاں مقسوم کا ماضی بھی پلیز جلدی بتایئے، ورنہ میرا مارے تجسس کے دم ہی نکل جائے گا، بہت کرلی قمروش آپی کی تعریف۔ اتنی سویٹنس سے کہیں انھیں شوگر ہی نہ ہوجائے۔ اجی کیا کریں ہم ہیں ہی اتنے سویٹ۔ شازیہ آپی! آپ کا ناول ''تجھ سے مانگوں میں تجھ کو'' بہت زبردست جارہا ہے۔ ''جو عشق میں بیتی وہ عشق ہی جانے'' سچ اس ناول کو پڑھ کر مجھے سچ مچ عشق ہوگیا۔ (نائلہ آپی سے کڑیوں! کچھ اور نہ سمجھو) سعدیہ آپی! آپ کو کیسے بھول سکتے ہیں۔ آپ کا ناول بھی بہت زبردست جا رہا ہے، مگر فضیل جیسے سمجھدار بندے سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ زرمین کو چھوڑ کر اتنا دور چلا جائے گا۔ بہت دکھ ہوا فضیل کے اس اقدام پر۔ اس ناول میں مجھے حنین، ماہ کنعان، ارحم الحسن اور ماہ لاج کا کردار زیادہ اچھا لگتا ہے۔ ''اعتبار بھی آ ہی جائے گا'' سباس آپی! بہت زبردست ناول ہے آپ کا۔ احتشام کی شوخیاں اور رابی کا حوصلہ بہت متاثر کر رہا ہے، ویلڈن آپی! مکمل ناول ''دلوں کا مل کر بچھڑنا'' نزہت ناز! آپ نے بھی بہت خوب لکھا، آخر میں جاری ہے دیکھ کر میرا منہ خربوزے کی طرح پھول گیا۔ ناولٹ ''کس دیس میں ہے میرا دل'' سپرہٹ تھا، مگر اینڈ دکھی تھا اس لیے میں بھی دکھی ہوگئی۔ افسانوں میں ماں، سانسوں کی مالا اور میں پشیماں تیرا سپرہٹ تھے۔ باقی مستقل سلسلوں میں سارے سلسلے اچھے تھے۔ حافظ مون شاہ، رابعہ افضال خان اور ابن آس سے ملاقات بہت اچھی لگی۔ ردائے جنت، ردا کی ڈائری، ذرا پھر سے کہنا، خوشبو، اس ماہ میں، نقش فریادی، سندیسے، کچن، سنگھار، اشعار اور دوستوں کے نام پیغام سب ہی بہترین لگے، الغرض یہ کہ پورا ردا ہی بہترین تھا۔ صالحہ آپی! میری طرف ردا 6 سے 8 تاریخ تک ملتا ہے، پھر ردا پڑھنا سندیسہ لکھنا اور پوسٹ کرتے کرتے 10 سے تاریخ آگے بڑھ جاتی ہے، مگر پلیز میرا سندیسہ شامل کردیا کریں، آخر میں اس دعا کے ساتھ اجازت کہ ردا یوں ہی ترقی کی راہ پر گامزن رہے (آمین) اللہ حافظ!

وش آفریدی.....کراچی

السلام علیکم! صالحہ آپی! سدا خوش رہیں، اپریل کا خوبصورت ردا دلکش سرورق کے ساتھ ملا خوشی ہوئی آپ کا ناول ''وہ جو رگ جاں سے قریب تھے'' پڑھا بہت خوبصورت طریقے سے اینڈ ہوا۔ اسی طرح لکھتے رہیے اور ہمیں اسی طرح خوبصورت کہانیوں سے نوازتے رہیے، ہماری دعا ہے کہ اللہ آپ کو دن دگنی رات چوگنی کامیابی عطا فرمائے آپ کی ہر دلی خواہش پوری ہو۔ سعدیہ عابد کا ناول ''بند قبا کھلنے لگی'' پڑھا بہت مزہ آیا اور بہت پسند آیا ایسا لگا یہ کردار میرے آس پاس ہوں۔ اسی طرح لکھتے رہیے بہت ساری دعاؤں کے ساتھ۔ اب باقی ناول کی طرف آتی ہوں اور تمام ناول بھی بہت اچھے تھے۔ جیسے کہ تیرے پیار کی خوشبو، ''دلوں کا مل کر بچھڑنا'' بہت اچھے تھے۔ افسانے بھی اچھے تھے، پڑھ کر مزہ آیا۔ آپی! میرا سندیسہ ضرور ردا میں شامل کیجیے گا، پہلی بار شرکت کر رہی ہوں، بہت امیدوں کے ساتھ لکھا ہے۔ لکھنے کو تو بہت کچھ ہے آپی! مگر خط لمبا ہوجائے گا۔ اپیا! آخر میں بس اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ ردا یوں ہی ہمیشہ مہکتا اور سنورتا ہمیں ملتا رہے اور یوں ہی دن رات ترقی کی راہوں پر گامزن رہے (آمین)

☆.....☆.....☆

ردا کی شہزادیاں

اقراء چنا.....کراچی

السلام علیکم! صالحہ آپی، نورین آپی اور ردا کے تمام اسٹاف کو اور تمام قارئین کو میرا سلام! نورین آپی! بہت بہت شکریہ مجھے اس سلسلے میں شامل کرنے کے لیے۔ بہت خوشی ہوتی ہے جب کوئی اتنی اپنائیت اور اتنا پیار دیتا ہے۔

تو قارئین! میرا نام اقراء چنا ہے، میں شہر کراچی سے تعلق رکھتی ہوں، ہم پانچ، دو بہنیں اور تین بھائی ہیں۔ میں چوتھے نمبر پر ہوں۔ ڈیٹ آف برتھ میری 26 مارچ ہے، دنیا کی سب سے خوبصورت ہستیوں، امی اور ابو سے مجھے بے پناہ محبت ہے۔ سب بھائی بہت خیال رکھنے اور پیار کرنے والے ہیں۔ آپی اور میرے درمیان ایجز کا فرق تو بہت ہے مگر پھر بھی ہم ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کرتے ہیں، وہ مجھے ہر طرح گائیڈ کرتی ہیں اور میں بھی ہر طرح کا مشورہ ان ہی سے لیتی ہوں، باقی میری تمام فیملی بہت اچھی ہے۔ اور چھوٹی ہونے کے ناتے سب ہی مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ مادری زبان میری سندھی ہے، تعلیم کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔

ہزاروں لوگوں کی طرح مجھے بھی اسٹارز پر یقین نہیں ہے، پر کہتے ہیں کہ کبھی کبھی اسٹارز کی باتیں بھی سچی نکلتی ہیں۔ شاعری سے اتنا لگاؤ نہیں ہے، ہاں مگر مجھے مرزا غالب کو پڑھنا ہمیشہ اچھا لگتا ہے۔ کھانے کی ایک حد تک شوقین ہوں، ویسے جو مل جائے، کھا لیتی ہوں، مگر میٹھا بالکل پسند نہیں، آئسکریم کے علاوہ۔

تنہائی میں رہنا زیادہ پسند ہے، شور وغل پسند نہیں ہے، موسم مجھے سب ہی، سردیاں اور گرمیاں پسند ہیں۔ کیونکہ جب گرمیاں ہوتی ہیں تو میں کہتی ہوں کہ سردیاں اچھی ہیں اور جب موسم سرما ہو تو میں کہتی ہوں، گرمیاں اچھی ہیں۔ خوابوں میں دیکھنے والی چیزوں سے بہت محبت ہے، جیسا کہ رنگ، خوشبوئیں، بادل، پھولوں کی مہک، جھولے، تتلیاں، بارش.... اس کے علاوہ میں بہت حقیقت پسند بھی ہوں۔ کسی چیز کو خود پر زیادہ حاوی نہیں ہونے دیتی۔

میں ہر وقت خوش رہنے اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہوں، دوسروں کو ہنسانا، خود خوش رہنا، زندگی کا ایک بہت خاص حصہ ہے میرے لیے۔ لیکن بری عادت یہ ہے کہ غصہ اور رونا جلدی آ جاتا ہے، اور باتوں کو جلدی دل پر لے لیتی ہوں، اگنور نہیں کیا جا سکتا جلدی۔ مجھے لکھنے کا بہت پہلے یعنی بچپن سے ہی شوق تھا، جب بھی آپی کو لکھتے دیکھتی تو خود بھی لکھنے بیٹھ جاتی، میری پہلی تحریر میرا ناولٹ، ردا ڈائجسٹ میں ہی شائع ہوا۔ وہ دن میری زندگی کا بہت خاص اور خوبصورت دن تھا، پھر وہیں سے لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ میں شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں صالحہ آپی، نورین آپی، تمام اسٹاف اور تمام قارئین کا جنھوں نے مجھے جگہ دی۔

میرے مکمل ناول ''تم ہو گئے میرے'' کو جتنا سراہا گیا، میں نے اتنا expect بھی نہیں کیا تھا، سو میں تمام پڑھنے والوں کو تھینک یو کہوں گی۔ آج کل زندگی کچھ مصروف گزر رہی ہے۔ نورین آپی نے بہت پہلے مجھے ''ردا کی شہزادیاں'' میں لکھنے کو کہا تھا، مجھے یہ سلسلہ بہت پسند آ رہا ہے اور ان دنوں اللہ نے ہمارے گھر دو رحمتیں دو بھتیجیوں کی صورت بھیجی ہیں، بڑی کا نام فاطمہ اور چھوٹی منہا ہے۔

میری دوستی بہت کم لوگوں سے ہوتی ہے، خود ہاتھ نہیں بڑھاتی (اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں مغرور ہوں، بس یہی فطرت ہے) اسی لیے میری دوستوں کی تعداد بہت کم ہے، صائمہ نذر میری بیسٹ فرینڈ ہے۔

مہندی و چوڑیاں، بجنا سنورنا بہت کم کرتی ہوں اور آخر میں یہی کہوں گی کہ خوشیاں بانٹنا سیکھیے، کیونکہ آپ سے ہی دوسروں کی خوشیاں ہیں، ہمیشہ اللہ پر بھروسہ رکھیں، کیونکہ ہمارے ساتھ جو بھی ہوتا ہے اس میں اللہ کی طرف سے ہمارے لیے بہتری ہوتی ہے، مشکل وقت میں بھی خوش رہنا، اور اللہ پر امید باندھے رہنے والا ہی ایک سچا انسان ہے۔ خدا کرے آپ کا اور ہمارا ساتھ ہمیشہ رہے (آمین) دعاؤں میں یاد رکھیے گا، اللہ حافظ!

رابعہ منیر.....سرگودھا

میری پیاری اور سویٹ سی بہنوں! ردا کے دربار میں ایک اور شہزادی قدم رنجا فرمانے کی جسارت کر رہی ہے، مجھے یقین ہے کہ آپ سب لوگ مجھے دل سے ویل کم کہیں گی، نام سے تو آپ واقف ہو ہی چکے ہوں گے، رابعہ منیر ردا کے مستقل سلسلوں میں کبھی کبھار شامل ہونے کا مجھے بھی شرف حاصل ہو جاتا ہے جی تو اب تعارف کی رسم نبھائی جائے، میرا نام رابعہ منیر ہے اور کاسٹ وائز ہم سیال ہیں سرگودھا جیسے خوبصورت شہر کی باسی ہوں اور اپنے بابا کی لاڈلی بیٹی، مجھ سے چھوٹی صدف اور پھر دو بھائی ہیں، عزیر اور عمیر۔ تینوں ہی زیر تعلیم ہیں، میرے بابا ہم سے بے حد محبت کرتے ہیں اور ہمارے لیے دن رات محنت بھی۔ بابا اپنے گھر کے بڑے بیٹے تھے تو دادا جان کی وفات کے بعد ساری ذمے داری ان پر ہی آ گئی سو وہ دنیاوی تعلیم تو زیادہ نہ حاصل کر سکے مگر ان کا مطالعہ بے حد وسیع ہے اور مجھے کبھی کبھی اپنے بابا میں اشفاق احمد کے بابا جی نظر آتے ہیں جو عام فہم باتوں میں بہت پتے کی باتیں کر جاتے ہیں، اب اپنی بات کرتی ہوں، مجھے بہار کا موسم بہت پسند ہے اور بارشیں بھی دل کو خوشگوار سا احساس دیتی ہیں ڈریسز میں مجھے لانگ شرٹ اور ٹراؤزر اور بڑے دوپٹے پسند ہیں اور جیولری میں مجھے بریسلٹ اور کانوں کے بالے پسند ہیں۔ فارغ وقت میں کمپیوٹر پر فیس بک یوز کر لیتی ہوں یا پھر کوئی کتاب پڑھ لیتی ہوں۔ میں دوست نہیں بناتی، بس اگر کوئی بات کرے تو جواب دے دیتی ہوں اور اپنی باتیں اپنے پرابلم صرف اپنے رب سے شیئر کرتی ہوں کہ میں جانتی ہوں وہ ہم سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے تو جب ہم اپنی ماں کی محبت پر کبھی شک نہیں کر سکتے تو وہ رب تعالیٰ تو بے نیاز ہے ناں، اس کی محبت بھی ہم سے بے مثال ہے، جو ہمیں بے شمار نعمتیں عطا کرتا ہے۔ امی میری سادہ سی ہیں اور بابا کی طرح بہت نرم دل، ملنسار اور عاجزی والی خدا تعالیٰ میرے والدین کو لمبی عمر عطا کرے اور انھیں بہت سی خوشیاں دکھائے (آمین)

میں نے بہت سے ناولز پڑھے ہیں اور کافی سارے میرے پاس کتابی شکل میں بھی ہیں جو میری تنہائی کے بہترین رفیق ہیں۔ صالحہ آپی کے دونوں ناولز، کچی کلیاں آنگن کی، تم میرے ہو کے رہو، میرے پاس ہیں اور میں انھیں کئی بار پڑھ چکی ہوں۔ آپی کے لفظوں میں ایک جہاں آباد ہوتا ہے نئے نئے معانی کا، خدا کرے زور قلم اور زیادہ، مجھے لوگوں سے زیادہ ان کے لہجے اور لفظ متاثر کرتے ہیں کہ وہ کیا اور کس لہجے میں کیا بات کر رہے ہیں، بقول مفکر ''لفظوں کے دانت نہیں ہوتے مگر وہ کاٹ لیتے ہیں''۔ سو میرا یہی کہنا ہے کہ بولنے سے پہلے سوچ لیا کریں کہ ہمارے لفظوں سے کسی کی دل آزاری تو نہیں ہو رہی کہ ہر دل میں خدا بستا ہے۔ جی تو میری پیاری بہنو! یہ تھی آپ کی رابعہ منیر.... مجھے بتایئے گا ضرور کہ آپ کو مجھ سے ملنا، بات کرنا کیسا لگا؟ اور اپنی دعاؤں میں مجھے بھی یاد

کراچی.....

پڑھنے والوں اور لکھنے والوں کو
یسے تو میرا نام حور یہ ہے مگر مون میں
ہوں اور مجھے وہ وجہ بے حد پسند ہے، خیر
تو جی بات ہو جائے اب اپنی، ہم لوگ تین بہنیں اور دو
بھائی ہیں، میں سب سے بڑی ہوں اور باقی سب مجھ
سے چھوٹے ہیں، میرے پاپا ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں
جاب کرتے ہیں اور مما ہاؤس وائف ہیں، ہم لوگ
کراچی میں رہتے ہیں اور میرے دو چچا اور تین پھپھو
ہیں، ہم سب لوگ کمبائن فیملی میں رہتے ہیں اور آپس
میں بے حد محبت اور پیار بھی ہے، کمبائن فیملی کی مجھے
جو سب سے زیادہ بات پسند ہے وہ ہے بڑوں کا
پرشفقت انداز اور چھوٹوں کا ادب جو باتیں اسکول
میں ٹیچرز سکھاتے ہیں وہ کمبائن فیملی میں رہتے
ہوئے خود بخود وہ باتیں ہم سیکھ جاتے ہیں، میرے پاپا
اور چچا لوگ آپس میں ایک دوسرے سے بے حد محبت
کرتے ہیں اور یہی محبت ہم سب کزنز میں بھی خدا
کے کرم سے ہے۔ تعلیمی سلسلہ میرا اختتام پذیر ویسے تو
ہو چکا ہے کہ میں نے بی۔اے کے بعد تعلیم کو خیر باد
کہہ دیا تھا، مگر اب پھر سے تعلیمی سلسلہ اسٹارٹ کرنا
ہے کہ کسی کی فرمائش ہے، مجھے ان کا پراؤڈ بننا اور ان کا
ہر سپنا پورا کرنا ہے، پلیز دعا کیجیے گا کہ میں ان کا ہر سپنا
پورا کر سکوں۔ وہ میرے نصف بہتر، میرے ہم سفر
ہیں ہمارا نکاح ہو چکا ہے اور ان کی فرمائش ہے کہ میں
ماسٹرز کروں اور ان کے ساتھ سوشل ورک کروں کہ
پہلے یہ میری وش تھی اپنی NGO بنانے کی مگر میرے
خواب کو تعبیر سلمان نے دی ہے کہ وہ میرے ساتھ
NGO بنانے میں میری بھرپور مدد کر رہے ہیں، ہم
دونوں کی پسند کافی ملتی جلتی ہے مگر وہ میری پسند اور
بات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، ان کی محبت دیکھ کر مجھے
ہمیشہ کسی کی کہی ہوئی بات یاد آ جاتی ہے کہ ”عورت
سے محبت تو بہت سے مرد کرتے ہیں مگر محبت کے
ساتھ عزت بہت کم مرد کرتے ہیں“۔ اور میں ان
خوش نصیبوں میں شامل ہوں کہ میرا ہمسفر مجھ سے
محبت کے ساتھ ساتھ میری عزت بھی کرتا ہے اور یہی
نہیں وہ مجھ سے وابستہ رشتوں کو بھی پورا مان اور اعزاز
بخشتا ہے۔ اوہ سوری! آپ لوگ بھی کہیں گے کہ میں
کیا اپنے بجائے اپنے ان کا احوال نامہ لے بیٹھی مگر
بات یہ ہے کہ ان کے بناء میرا تعارف مکمل ہی نہیں
ہوتا کہ میرے نام میں ان کا نام بھی شامل ہے۔ خیر
جی! میں بڑی زندہ دل، ہنس مکھ اور خوش اخلاق ہوں،
یہی وجہ ہے کہ میرا حلقہ احباب کافی وسیع ہے اور اپنے
طور پر میں ابھی بھی سوشل ورک یعنی کسی کی مدد کا کوئی
موقع جانے نہیں دیتی اور یہی وجہ ہے کہ میرے ساتھ
بہت سے لوگوں کی دعائیں شامل ہیں تب ہی مجھے خدا
نے اتنا پیارا ساتھ عطا کیا۔ مجھے موسموں میں سردی
اور بارش اچھی لگتی ہے، کلرز میں بلیک، پنک، بلیو
میرے فیوریٹ ہیں چاندنی راتیں اور اس میں لمبی
باتیں مجھے بے حد پسند ہیں، مجھے اپنے چہرے میں
کچھ بھی خاص نہیں لگتا، ویسے سب میری آنکھوں کی،
اسمائل کی اور ہائیٹ کی تعریف کرتے ہیں چونکہ میں
5.7 ہوں اور اسمارٹ بھی تو ہر طرح کے ڈریسز مجھ پر
سوٹ کرتے ہیں، مگر میں فیشن اس احتیاط سے کرتی
ہوں جس میں بے حجابی کا پہلو نہ ہو، مجھے شاعری کی
بکس بہت پسند ہیں اور میرا سیل ہر وقت مختلف
شاعرانہ sms سے بھرا ہوا ہوتا ہے، مجھے اپنی عیدیں
سیلیبریٹ کر کے دلی خوشی ملتی ہے سب بڑوں سے
پیار، دعائیں اور عیدی لینا بے حد پسند ہے، آخر میں
صرف اتنا کہوں گی کہ ہمیں جو بھی لوگوں سے رویے یا
برتاؤ ملتے ہیں وہ ہمارے ہی عمل کا ردعمل ہوتے ہیں سو
کوشش کریں کہ سب سے محبت اور خلوص سے پیش
آئیں خوش رہیں اور خوشیاں بانٹیں، اللہ حافظ!

☆.....☆.....☆

دوستوں کے نام پیغام

ثناء کنول، سیدہ فرزانہ، اقراء چنا
اور افسانہ آفتاب کے نام

آپ سب کی اس ماہ برتھ ڈے ہے، تو میری طرف سے آپ سب کو آپ کی برتھ ڈے بہت بہت مبارک ہو!

Best wishes and many many returns of the day

ایک خوبصورت سا شعر آپ سب کے لیے:

دوستی کے پھول تیرے نام کرتے ہیں
تیری مسکراہٹوں کو سلام کرتے ہیں
بن جائے تیری زندگی خوشیوں کا گہوارا
یہ دعا ہم اپنے رب سے صبح و شام کرتے ہیں

صبا عبدالغنی.....کراچی

دھنک ناز کے نام

السلام علیکم! آپ نے بہت خوبصورتی سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے، جسے میں تھامنا چاہتی ہوں۔ سوری اتنی دیر سے کہنے کے لیے۔ کیا آپ دوستی کے اس خوبصورت سفر میں وفا کے ساتھ میرے ہم قدم چلنا چاہیں گی؟ جلدی جواب دیجیے گا۔

I am wait for your answer

صبا عبدالغنی.....کراچی

شرارتی بہنوں اینڈ کزنوں کے نام

السلام علیکم! ایسی ہو، مجھے پتہ ہے تم سب کی سب ٹھیک ہو، میں تو ایویں پوچھ رہی تھی، اب زیادہ غصہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مذاق کر رہی ہوں، اف عائش! آپ کو میرا پیغام یہ ہے کہ تھوڑا کم کھایا کرو، ورنہ موٹی ہو جاؤ گی، پھر میں آپ کو کیسے پہچانوں گی کہ یہ میری سوئیٹ سی سسٹر ہے۔ ثانیہ! آپ کیسی ہیں؟ میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو چاند سا بیٹا عطا کرے، آپ ہمیشہ خوش رہیں۔ شازیہ! میری دعا یہ ہے کہ آپ ہمیشہ یوں ہی دین کو پھیلاتی رہیں اور اللہ آپ کو اس میں مزید ترقیاں عطا فرمائے۔ ارے ارے.... پیاری بہنوں! یہ میں ہوں، شاک لگا ناں؟ کہا ناں یہ میں ہوں، اب مان بھی جاؤ کہ میں نے بھی ردا میں انٹری دے دی۔ میری پیاری کزنو، رانی، مہک گل، یاسمین، صبا، رانیہ، خدیجہ، سحرش سدا خوش رہو، ہنستی مسکراتی رہو۔ مہک گل! آپ کے لیے میرا پیغام ہے کہ ناصر کو زیادہ تنگ مت کیا کرو، اس سے زیادہ چپکا مت کرو، وہ تمہارا ہی ہمسفر ہے۔ اللہ تمہیں ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے اور اللہ آپ کو نیک صالح اولاد نصیب کرے (آمین) میری سب ردا فرینڈز، ریڈرز اور رائٹرز کو میرا پرخلوص سلام قبول ہو۔ دعا گو اللہ آپ سب کو ہمیشہ کامیابیاں عطا کرے (آمین)۔

وش آفریدی.....کراچی

سوئیٹ اینڈ لولی آپی کے نام

پیاری آپی! آپ کو شادی کی پہلی سالگرہ مبارک ہو اللہ تعالیٰ آپ کو ایسی ہزار سالگرہیں نصیب فرمائے۔ آپ ہمیشہ خوش رہیں پھولوں کی طرح کھلتی رہیں، آپ کے گرد ہمیشہ اتنی خوشیاں ہوں کہ زندگی میں کبھی کوئی غم آپ کے قریب نہ آئے۔ ہر قدم پر

آپ کو بہار ملے آپ ہمیشہ شاد رہیں، آباد رہیں آپ کو زندگی سے اتنا پیار ملے کہ ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں ہوں (آمین)

شازیہ مغل.....لاہور

ماں باپ کے نام

عظیم ماں تجھے سلام
عظیم باپ تجھے سلام
تمہاری بانہوں میں پلے ہیں ہم
تم ہی سے ہماری دنیا
تم ہی سے ہیں آباد ہم
ہمیں پیار سے تم نے پالا ہے
ہر مشکل سے ہمیں نکالا ہے
جھیل کے گرمی سردی کو خود
ہمیں لوری دے کر سلایا ہے
عظیم ماں تجھے سلام
عظیم باپ تجھے سلام

مہک گل.....کراچی

بے وفا کے نام

بعض لوگ محبت میں اتنے آگے نکل جاتے ہیں کہ ان کو اپنے اردگرد کے حالات کی بھی خبر نہیں ہوتی ہے اور ان لوگوں کو بیچ راہ میں ٹھوکر لگتی ہے تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور رو رو کر اپنی محبت کی فریاد کرتے ہیں ایسے لوگوں کو اللہ اس وقت یاد آتا ہے جب ان کو اپنی کوئی خواہش کرنی ہوتی ہے ایسے لوگ کبھی بھی اپنی زندگی میں کامیاب نہیں ہوتے ضرورت پڑی تو اللہ کو یاد کرلیا اور ضرورت نہ پڑی تو اللہ سے غافل ہوگئے۔ اللہ کو ہر وقت اپنے یاد کیا کرو، اور اسی سے اپنی ہر دعا مانگو کیونکہ وہ ہماری دعاؤں کو رد نہیں کرتا ہے، پھر اسے کہتے ہیں اصل محبت۔

یاسمین آفریدی.....کراچی

میرے ہمسفر کے نام

میرے جیون ساتھی مجھے تم سے کتنی محبت و چاہت ہے یہ شاید میں کبھی ڈسکرائب نہ کرپاؤں۔ میرا تمہیں تنگ کرنا، چلبلا پن کرنا، شرارتیں کرنا، تمہیں ستانا، سب میری چاہتوں کا حصہ ہے۔ میں کیا کروں، میری فطرت میں ہی چلبلا پن ہے۔ جب تم سیریس ہوتے ہو تو تب تمہیں ستانے میں جو مزہ آتا ہے وہ تو میں بتا ہی نہیں سکتی، تم بہت کیئرنگ، لونگ پرسن ہو۔ مجھے اپنی امی ابو کی چوائس پر فخر ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اپنوں کا ساتھ اور خوشگوار لمحات زندگی کے سفر کو آسان کردیتے ہیں۔ خوبصورت اور حساس دل رکھنے والے کیئرنگ لوگ (میرے ہمسفر جیسے) اپنے سے وابستہ لوگوں کی زندگی کو بھی آسان اور خوشگوار بنادیتے ہیں۔

نہیں ہے حوصلہ مجھ میں تمہیں کھونے کا
یہ دنیا مجھ کو کھودے گی اگر تم کھو گئے مجھ سے

اللہ پاک میرے ہمسفر کو ہمیشہ اپنی رحمت کے سایہ حفاظت کے حصار میں رکھے (آمین)
تمہاری چلبلی جیون ساتھی۔

ریما نور رضوان.....کراچی

سویٹ آپی اور بھائیوں جیسے بہنوئی کے نام

Happy Wedding Anniversary

ہے ناسرپرائز؟ اس دعا کے ساتھ کہ:

تمہاری صبح منور ہو شب قمر کی طرح
تمہاری رات روشن ہو صبح نور کی طرح
کوئی بہشت کا پتہ پوچھے تو ہنس کے کہو
ہاں وہ بھی ایک گھر ہے ہمارے گھر کی طرح

فرح ناز رفیق.....کراچی

☆.....☆.....☆

صدف سعد

نقش فریادی

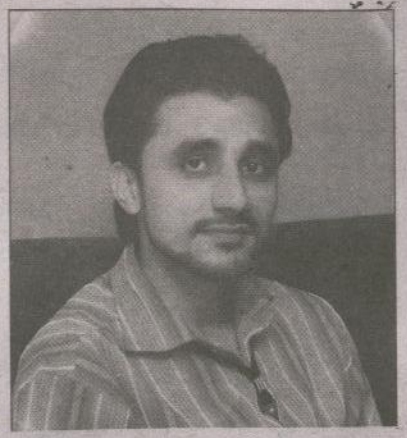

گاؤں (نظم)

کوئی پھر ہم کو بلاتا ہے چلو گاؤں چلیں
یاد بچپن کی دلاتا ہے چلو گاؤں چلیں
جس کی چھاؤں کی ٹھنڈک ماتا کی جھلک
نیم کا پیڑ بلاتا ہے چلو گاؤں چلیں
بھینی خوشبوؤں سے مہکتا تھا باورچی خانہ
ساگ سرسوں کا بلاتا ہے چلو گاؤں چلیں
صبح سے شام جہاں رونق سی لگی رہتی تھی
عید کا میلا بلاتا ہے چلو گاؤں چلیں
جو کبھی باغ کے مالی سے بچاتا تھا مجھے
پھر وہی یار بلاتا ہے چلو گاؤں چلیں
جس کے آتے ہی کھل اٹھتے تھے سارے چہرے
بھیگا ساون وہ بلاتا ہے چلو گاؤں چلیں
آج بھی یاد ہے ہمیں پائیلوں کا گنگنانا
سُونا پنگھٹ بھی بلاتا ہے چلو گاؤں چلیں
اب اس کانچ کے گھر میں سانس گھٹتی ہے حسن
گھر وہ مٹی کا بلاتا ہے چلو گاؤں چلیں

☆☆

دوست (نظم)

چاند کو دیکھا ہے بڑھتا گھٹتا میں نے
دیکھا ہے سورج کو بھی گرہن لگتا میں نے
دیکھا روز رات کا دن پے غالب ہونا
خزاں کا بہار کے رستے میں حائل ہونا
موجوں کے بانکپن کو نظر لگتے ہوئے دیکھا
پیاس سے سمندر کو ترستے ہوئے دیکھا
سبز پتوں کو زرد ہو کے پستے دیکھا
موسموں کو بھی روتے بھی ہنستے دیکھا
ایک تم ہو جو سب سے الگ لگتے ہو
کسی ولی کی دعاؤں کا ثمر لگتے ہو
چہرا شفق سے زیادہ چمکتا ہے سدا
آنکھیں سورج سے زیادہ دمکتی ہیں سدا
تم خود ہی اندھیرے کو منور کر دو
بہار بن کے چمن کو معطر کر دو
تم ہی تو ہو جسے دل جوڑنا آتا ہے
اداس خاموشیوں کو توڑنا آتا ہے
ذرا سی چوٹ پے بڑھ کے تھام لیتے ہو
اپنے ہونٹوں سے مرہم کا کام لیتے ہو
محبت کی دنیا میں احساس کی زمین ہو تم
دوست اس دنیا میں سب سے حسین ہو تم

محفوظ الحسن

☆.....☆.....☆

ثریا اقبال

کیچپ

اسٹفڈ چکن مصالحہ

اجزاء۔

بون لیس چکن بریسٹ	3عدد (ہیمر کی مدد سے کوٹ لیں)
انڈے	2عدد (پھینٹ لیں)
مشروم (چوپڈ)	1/4 کپ
سیاہ زیتون (چوپڈ)	1/4 کپ
موزریلا چیز (کیوبز)	1/2 کپ
ہرادھنیا (چوپڈ)	1/4 کپ
بریڈ کرمبز	1 کپ
ٹماٹو سوس	1 کپ
لہسن (چوپڈ)	1/4 کپ
کٹی سرخ مرچ	1 چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
آئل	حسب ضرورت
ٹوتھ پک	حسب ضرورت
پاستا (ابلا ہوا)	سرونگ کے لیے

ترکیب۔

گرم آئل میں لہسن، کٹی سرخ مرچ اور ٹماٹو سوس پکا کر گریوی تیار کرلیں۔ چیز، مشروم، زیتون، ہرادھنیا، نمک اور کالی مرچ پاؤڈر مکس کر کے فلنگ تیار کرلیں، چکن بریسٹ کو انڈے میں ڈپ کر کے بریڈ کرمبز لگائیں، اور گرم آئل میں ڈیپ فرائی کرلیں۔ تیار ہونے پر ٹماٹو گریوی اور پاستا کے ساتھ سرو کریں۔

گرین سیخ کباب

اجزاء

چکن قیمہ	1/2 کلو
ہری مرچ، ہرادھنیا، لہسن پیسٹ	1/2 کپ
پیاز (چوپڈ)	1 کپ
روسٹڈ زیرہ پاؤڈر	1 کھانے کا چمچ
آئل	3 کھانے کے چمچ
جائفل جاوتری پاؤڈر	1/2 چائے کا چمچ
اجوائن پاؤڈر	1 چائے کا چمچ
کالی مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
گاجر، لیموں	گارنشنگ کے لیے

ترکیب۔

چکن قیمے میں تمام اجزا مکس کرلیں، اب اسکیورز پر سیخ کباب کی شکل میں لگا کر گرل کرلیں، تیار ہونے پر گاجر اور لیموں کے ساتھ سرو کریں۔

چکن ڈرم اسٹکس بریانی

اجزاء۔

چاول	3 پاؤ (2 کنی رکھ کر ابال لیں)
چکن ڈرم اسٹکس	1 کلو
زیرہ	1 چائے کا چمچ
دھنیا پاؤڈر	1 چائے کا چمچ
کٹی سرخ مرچ	1 کھانے کا چمچ

ادرک لہسن پیسٹ	1 کھانے کا چمچ
ثابت گرم مصالحہ	2 کھانے کے چمچ
ہرادھنیا (چوپڈ)	3 کھانے کے چمچ
پیاز	2عدد (چوپڈ)
ٹماٹر	3عدد (چوپڈ)
ہری مرچ	3-2عدد (چوپڈ)
دہی	1/2 کپ
فرائیڈ پیاز	1/4 کپ
زردہ رنگ	چٹکی بھر (تھوڑے سے پانی میں گھول لیں)
زعفران	چٹکی بھر (تھوڑے سے دودھ میں گھول لیں)
آئل	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب۔

آئل گرم کر کے پیاز ہلکا فرائیں کریں، پھر ادرک لہسن پیسٹ اور ثابت گرم مصالحہ شامل کردیں، اب چکن ڈرم اسٹکس، نمک، زیرہ، کٹی سرخ مرچ، دھنیا پاؤڈر، ہری مرچ اور ٹماٹر شامل کر کے بھونیں۔ تھوڑی دیر بعد دہی ڈال کر اتنا بھونیں کہ چکن گل جائے۔ پین میں چاولوں کی تہ لگا کر ڈرم اسٹکس ڈالیں پھر چاولوں کی تہ لگادیں۔ آخر میں ہرادھنیا، فرائیڈ پیاز، زردہ رنگ اور زعفران ڈال کر دم لگائیں، رائتے اور سلاد کے ساتھ سرو کریں۔

چکن لیئرڈ سینڈوچ

اجزاء۔

چکن قیمہ	1 پاؤ
بریڈ سلائس	5عدد
ٹماٹر (چوپڈ)	1عدد
پیاز (چوپڈ)	2عدد
ہری مرچ (چوپڈ)	3عدد
مشروم (چوپڈ)	4عدد
ہرادھنیا (چوپڈ)	1 کھانے کا چمچ
ادرک لہسن پیسٹ	1 چائے کا چمچ
کالی مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ
مکھن	حسب ضرورت

ترکیب۔

قیمے میں ایک پیاز، آدھی ہری مرچیں اور ہرا دھنیا، ادرک لہسن پیسٹ، نمک اور کالی مرچ پاؤڈر مکس کر کے اوون میں 120 ڈگری سینٹی گریڈ پر 40 منٹ کے لیے بیک کرلیں۔ پھر اوون سے نکال کر سلائسز کاٹ لیں۔ ٹماٹر، مشروم، بقیہ پیاز، ہری مرچ اور ہرے دھنیے میں نمک اور کالی مرچ پاؤڈر شامل کر کے سلاد تیار کرلیں۔ بریڈ سلائسز کو مکھن لگا کر ٹوسٹ کرلیں، ایک بریڈ سلائس پر سلاد پتا پھیلا کر اوپر چکن سلائس رکھیں۔ اب چکن سلائس پر دوسرا بریڈ سلائس رکھ کر سلاد پھیلائیں پھر تیسرا بریڈ سلائس رکھ کر سلاد پتا اور چکن سلائس رکھیں۔ چوتھا بریڈ سلائس رکھ کر اور سلاد پھیلا کر آخری بریڈ سلائس سے ڈھک دیں، کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

چاؤفان

اجزاء

چاول	1/2 کلو (ابال لیں)
آئل	1/2 کپ
بون لیس چکن (کیوبز)	1/4 کپ (ابال لیں)
ہری پیاز (سلائسز)	1/2 کپ

انڈے	2 عدد
زعفران	چٹکی بھر
سویا سوس	2 چائے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب۔

انڈوں میں زعفران اور نمک ڈال کر پھینٹ لیں۔ پھر 2 چائے کے چمچ آئل گرم کر کے انڈے فرائی کریں اور رول کر کے ٹکڑے کاٹ لیں۔ بقیہ آئل میں چکن فرائی کریں۔ اب اس میں چاول، نمک، سویا سوس، انڈے اور ہری پیاز مکس کر دیں۔ گرم گرم سرو کریں۔

اسٹرابری ڈیزرٹ

اجزاء۔

دودھ	1 لیٹر
کسٹرڈ پاؤڈر (اسٹرابری فلیور)	4 کھانے کے چمچ
چینی	1 کپ
اسٹرابری (کاٹ لیں)	1 کپ
اسٹرابری جیلی	1 پیکٹ (پکا کر جما لیں)
کریم	1/2 کپ

ترکیب۔

آدھا کپ دودھ الگ کر کے بقیہ دودھ میں چینی شامل کر کے ابال لیں، اب آدھے کپ دودھ میں کسٹرڈ پاؤڈر اچھی طرح مکس کر لیں اور ابلتے ہوئے دودھ میں شامل کر کے پکائیں۔ اس دوران مسلسل چمچ ہلاتے رہیں۔ جب کسٹرڈ گاڑھا ہو جائے تو کریم شامل کر کے چولہے سے اتار لیں۔ ٹھنڈا ہونے پر ایک سرونگ باؤل میں پہلے اسٹرابری جیلی کی تہہ لگائیں، پھر اسٹرابری کی تہ لگا کر کسٹرڈ کی تہہ لگائیں۔ اسٹرابری سے سجا کر ٹھنڈا ٹھنڈا سرو کریں۔

چاکلیٹ ٹرائفل

اجزاء۔

چاکلیٹ کسٹرڈ (پکا ہوا)	2 کپ
ڈارک چاکلیٹ (پگھلی ہوئی)	1 کپ
فریش کریم (پھینٹی ہوئی)	2 کپ
چاکلیٹ کیک (کیوبز)	2 کپ
مکس فروٹس	2 کپ
کوکو پاؤڈر، کریم	گارنشنگ کے لیے

ترکیب۔

چاکلیٹ کسٹرڈ میں فریش کریم اور آدھی ڈارک چاکلیٹ مکس کر دیں، باؤل میں آدھا کسٹرڈ ڈال کر چاکلیٹ کیک اور مکس فروٹس کی تہہ لگائیں، اس پر بقیہ کسٹرڈ ڈال کر بقیہ ڈارک چاکلیٹ کی تہہ لگائیں، کوکو پاؤڈر اور کریم سے سجا کر سرو کریں۔

جیلی بیری

اجزاء۔

جیلی	1 پیکٹ (پکا کر جما لیں)
کریم	1 پیکٹ
اسٹرابری (کاٹ لیں)	1 کپ
آئسنگ شوگر	2 کھانے کے چمچ
پودینہ	گارنشنگ کے لیے
کوکو پاؤڈر، کریم	گارنشنگ کے لیے

ترکیب۔

کریم میں آئسنگ شوگر شامل کر کے اچھی طرح پھینٹ لیں۔ سرونگ باؤل میں پہلے جیلی، پھر کریم اور آخر میں کٹی ہوئی اسٹرابری ڈالیں، پودینے کے پتوں سے گارنشنگ کر کے سرو کریں۔

☆.....☆.....☆

شہلا مشائق

سنگھار

چہرے کی رنگ نکھارنے کے لئے

☆ گاجر کے رس کو روئی کی مدد سے ہر روز چہرے پر لگانے سے چہرہ صاف اور جلد اچھی ہو جاتی ہے۔

☆ تھوڑی سی مسور کی دال، چند بڑی الائچیاں، تھوڑے سے گائے کے دودھ میں بھگو کر باریک پیس لیں اور چہرے پر ملیں، دو گھنٹے بعد کسی اچھے صابن سے نیم گرم پانی سے چہرہ دھو لیں۔

☆ بالائی میں تھوڑا سا اصلی شہد ملا کر چہرے کا مساج کریں چہرہ صاف اور ملائم ہو جائے گا۔

☆ پودینے کے پتے اُبال کر ٹھنڈا کر لیں روز نہار منہ ایک چوتھائی کپ پئیں۔

☆ مسور کی دال، انڈھے کا چھلکا اور سکھائے ہوئے مالٹے کے چھلکے ہم وزن لے کر پیس لیں اور کسی شیشے کی بوتل میں محفوظ کر لیں، ہر روز تھوڑا سا آمیزہ لے کر پانی سے لیپ بنا کر چہرے پر لگائیں۔

☆ رات کو سونے سے پہلے لیموں، زعفران، روغن زیتون ملا کر چہرے پر ملیں۔

☆ لیموں کا عرق، سفید گلیسرین اور گلاب کے عرق تینوں ملا کر رات کو سونے سے پہلے چہرے پر ملیں۔

☆ تازہ دودھ سے متواتر چند دن منہ دھونے سے رنگت نکھر آتی ہے۔

☆ ایک انڈا توڑ کر اس کی زردی کسی پیالے میں الگ کر لیں اس میں دو چائے کے چمچے بادام روغن ملا لیں ایک چائے کا چمچہ لیموں کا عرق شامل کر لیں پھر ان سب چیزوں کو اچھی طرح پھینٹیں کہ جھاگ بن جائے پھر اسے آہستہ آہستہ چہرے پر ملیں۔ دس بارہ منٹ تک لگا رہنے دیں پھر نیم گرم پانی سے چہرہ دھو لیں۔

کیل مہاسے دور کرنے کیلئے

☆ پیاز کو رگڑ کر سرکہ میں ڈال دیں اور اسے سرکہ میں چند گھنٹے پڑا رہنے دیں پھر اس کو کیل مہاسوں پر لگائیں۔

☆ پیاز کو منہ پر رونما ہونے والے داغ پر ملا جائے تو داغ ختم ہو جاتے ہیں۔

☆ مرغی کے انڈے کا چھلکا لے کر اسے باریک پیس لیں پھر دو تولہ خالص انگوری سرکہ لے کر اس میں پسا ہوا سفوف اتنا ملائیں کہ سرکہ گاڑھا ہو جائے اب اسے رات کو چہرے پر ملیں اور صبح کسی اچھے صابن سے منہ دھو لیں۔

☆ صبح سویرے درخت یا گھاس پر موجود شبنم چہرے پر مل لیا کریں۔

☆ رات کو سونے سے پہلے چہرے پر بالائی مل لیں چکنی جلد والی خواتین بالائی کا استعمال نہ کریں۔

☆ زرد کوڑیاں تین روز تک سرکہ میں بھگو رکھیں اور اس کے بعد پانی میں گھس کر مہاسوں پر لگائیں

☆ صبح منہ دھونے کے بعد منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنے سے مہاسے اور دانے دور ہو جاتے ہیں۔

☆ میتھی کے لعاب اور بیج پیس کر لیپ کرنے سے داغ دھبے دور ہو جاتے ہیں۔

☆دن میں دو مرتبہ گرم پانی میں تولیہ بھگو کر اور پھر اسے تھوڑا نچوڑ کر چہرے پر بار بار لگائیں' دس سے پندرہ منٹ تک ایسا کریں' پھر بادام کی گری کھرل میں کوٹ کر گھوٹ لیں اس میں تھوڑی سی گلیسرین' لیموں کا رس اور گلاب کا عرق شامل کر کے چہرے پر لگائیں۔

☆اگر چہرے پر دانے ہوں تو آٹے کے بورے میں دودھ ملا کر لئی بنالیں اور چہرے پر لیپ کریں آدھے گھنٹے بعد منہ دھولیں۔

☆گلیسرین میں دو تین قطرے لیموں کے نچوڑ لیں' چہرے پر کیل کے دانوں پر لگائیں اور چند گھنٹوں بعد منہ دھولیں۔

☆چہرے پر دانے ہوتوں نارنگی کا چھلکا پسا ہوا ایک بڑا چمچہ' ہلدی چوتھائی حصہ' بیسن ایک بڑا چمچہ' دہی ایک بڑا چمچہ سب کو اچھی طرح مکس کر کے پورے چہرے پر اس کا لیپ کریں' سوکھنے پر نیم گرم پانی سے منہ دھولیں۔

☆اصلی شہد اور بالائی دونوں ملا کر چہرے پر لگانے سے چہرے کے داغ دانے ختم ہوجاتے ہیں۔

☆لیموں کی پھانک لے کر رات کو سوتے وقت چہرے کے داغ اور دھبوں پر رگڑیں اور صبح اٹھ کر نیم گرم پانی سے چہرہ دھولیں' داغ دھبے دور ہوجائیں گے۔

☆کالی مرچ کو بھگو کر گھڑے پر رگڑیں اور اسے رات کو چہرے کے دانوں پر لگائیں صبح ٹھنڈے پانی سے منہ دھولیں۔

☆اگر چہرے پر سیاہ داغ ہوں تو تلسی کی پتیاں گھوٹ کر چہرے پر ملیں۔

☆پان کی جڑ باریک سفوف کر کے اور عرق گلاب میں حل کر کے منہ پر ملیں پھر چاول کا آٹا ملیں تو سیاہ داغ دور ہوجائیں گے۔

☆سفید سرسوں اور تلوں کو دودھ کے ساتھ پیس کر ملنے سے بھی سیاہ داغ دور ہوجاتے ہیں۔

☆اگر چہرے پر چھائیاں پڑ جائیں تو سنگترے کا جوس نہار منہ ہر روز پئیں۔

☆مونگ کی دھلی ہوئی دال کو خوب بھگو کر اور اس کو سل پر پیس کر اس کا لیپ کرنا چھائیوں کے لئے مفید ہے۔

چہرے کی جھریاں دور کرنے کے لئے

☆اگر گالوں پر جھریاں ہوں تو اس کے لئے روغن بادام یا سرسوں کے تیل کی مالش کرنا چاہیئے۔ گالوں پر تیل لگا کر انگلیوں کے پوروں سے دائرے کی شکل میں مالش کریں۔

☆چہرے کو دھو کر آہستگی سے خشک کرنا چاہیئے۔ زور زور سے کھینچنے سے چہرے کی جلد ڈھیلی ہوجاتی ہے۔

☆چیونگم اکثر چباتے رہنا چاہیئے کیونکہ اس طرح چہرے کی ورزش ہوجاتی ہے اور جھریاں نہیں پڑتیں۔

☆ہفتے میں ایک دو بار انڈے کی سفیدی چہرے پر لگائیں اور پندرہ منٹ بعد دھولیں۔

☆کبھی کبھی برف کا ٹکڑا لے کر سارے چہرے پر آہستہ آہستہ ملیں پھر خود بخود سوکھنے دیں ایسا کرنے سے جلد تن جائے گی۔

☆تازہ لیموں کا ٹکڑا چہرے پر اچھی طرح آہستہ آہستہ ملیں پھر سوکھنے دیں ایک گھنٹہ بعد تازہ پانی سے دھولیں۔

☆رات کو سونے سے پہلے روغن زیتون یا روغن بادام چہرے پر ملیں۔

☆چہرے کو زیادہ گرم پانی سے نہ دھوئیں۔ بلکہ نیم گرم یا ٹھنڈے پانی سے دھوئیں اور نرم تولیے سے تھپک کر خشک کرلیں۔

☆☆☆

تبت
پریکلی ہیٹ
پاؤڈر
TIBET
Prickly Heat
Powder
Anti Bacterial Shield
تبت پریکلی ہیٹ پاؤڈر
گرمی دانوں کی چبھن اور
خارش سے آرام دلائے۔ اس
کی دلفریب خوشبو آپ
کو دے تازگی اور ٹھنڈک
کا بھرپور احساس۔
تبت پریکلی ہیٹ پاؤڈر گرمی دانوں سے نجات اور ٹھنڈک کا خوشگوار احساس